حقیقت دین

(سائنس اورغلبہ اسلام)

از

مولانا سید کلب صادق صاحب قبلہ

از ط

اپنے بچوں کیلئے یہ الیکٹرونک کاپی بنائی
جیسے دیگر حضرات بھی پڑھ سکتے ہیں
طالب دعا
سید نذر عباس

بسم الله الرحمن الرحيم

(۵۸۶/۱۱۰)

مولائے کائنات

ابوالائمہ حضرت امام علی ابنِ ابی طالب علیہ السلام

کی مناجاتوں میں سے ایک مناجات

اِلٰهِیْ کَفٰی بِیْ عِزًّا اَنْ اَکُوْنَ لَکَ عَبْدًا وَکَفٰی بِیْ فَخْرًا اَنْ تَکُوْنَ لِیْ رَبًّا اَنْتَ کَمَا اُحِبُّ فَاجْعَلْنِیْ کَمَا تُحِبُّ

میرے اللہ میری عزت کے لیے یہی کافی ہے کہ میں تیرا بندہ ہوں اور میرے فخر کے لیے یہی کافی ہے کہ تُو میرا پروردگار ہے۔ تُو ویسا ہی ہے جیسا میں چاہتا ہوں پس تُو مجھ کو ویسا بنالے جیسا تُو چاہتا ہے

اشتراک:

IDAARA-E-TARVEEJ-E-SOAZKHWANI

ادارۂ ترویجِ سوز خوانی

Post Box No. 10979, Karachi-74700

پیش لفظ

سنہ۳۰ء کی ابتدا میں خطیبِ اعظم مولانا سبطِ حسن مرحوم کی خطابت کا ابر شمالی ہندوستان میں اپنی جواہر ریزیاں کو کے دھیا پڑ چلا تھا کہ اس زمانہ میں کوہ مولیٰ کے اُفق سے علامہ رشید ترابی کے پیکر میں خطابت کا ایک اور بادل اٹھا۔ دکن سے باہر غالباً سنہ۴۲ء میں اس کا پہلا چھینٹا آگرے پر گرا۔ پھر شمالی ہند کے مختلف میدانوں پر اپنی بوچھاریں مارتا ہوا۔ سنہ۴۹ء میں کراچی پر چھا گیا اور سنہ۷۳ء تک اس سرزمین پر جھوم جھوم کر برستا رہا کہ ریگستان کو گلستان میں تبدیل کر دیا۔

کراچی کو برصغیر ہندوپاک کا مرکزِ عزا بنانے کا سہرا علامہ رشید ترابی ہی کے سر جاتا ہے۔ کراچی میں ایم اے جناح روڈ پر واقع خالق دینا ہال میں علامہ رشید ترابی سنہ۵۱ء سے اپنے سالِ وفات تک ہر سال عشرۂ محرم کی مجالس سے خطاب فرمایا کیے یہ مجالس مرحوم بڑی کاوش سے پڑھتے تھے اور ہر سال ایک مخصوص موضوع عشرہ کا عنوان ہوتا تھا۔

علامہ رشید ترابی عشقِ اہلبیت سے سرشار، قوی حافظے

غضب کی ذھانت اور دلوں کو مسحور کر دینے والے اندازِ خطابت کے مالک تھے۔ مشرقی اور مغربی علوم پر عبور تھا اور زبردست ذوقِ مطالعہ ان سب پر مستزاد تھا۔ ان خصوصیات نے ان کو یگانۂ روزگار خطیب بنا دیا تھا۔ علّامہ مرحوم کے انتقال سے پیدا ہونے والا خلا ابھی تک تو پُر نہ ہو سکا، آگے کا علم عالم الغیب کو ہے۔

سنہ ۱۹۱ سے میں ان مجلسوں کو گھسیٹ رہا ہوں۔ نہ میرے پاس ان کا ایسا حافظہ ہے نہ ذھانت نہ اندازِ خطابت۔ اور سب سے بڑی مصیبت یہ کہ فرصت مطالعہ بھی نہیں۔

مولانا علی عبّاس طباطبائی صاحب کو نہ معلوم کیا سوجھی کہ وہ میری گزشتہ سال کی تقاریر کو کتابی شکل دے کر میری مزید رسوائی کا سامان کر رہے ہیں۔

قارئین کرام سے صرف اس قدر گزارش ہے کہ وہ ان تقاریر میں موجود کوتاہیوں سے حقیر کو مطلع فرما دیں کہ آئندہ اڈیشن میں ان کی اصلاح کر دی جائے۔ والسّلام۔

سیّد کلبِ صادق

جوہری محلہ لکھنؤ۔ ۱۱ ذی الحجہ سنہ ۱۴۱۸ھ

۹ اپریل سنہ ۹۸ء

پہلی مجلس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۔

حضرات! آپ کے اذہانِ عالیہ میں محفوظ ہو گا کہ میں ادھر کئی سال سے "حقیقتِ دین" کے عنوان سے بعض گوشوں پر آپ کے سامنے روشنی ڈال رہا ہوں اور گزشتہ سال بھی یہی آیت میں نے سرنامۂ کلام قرار دی تھی۔ جس میں وہ مالکِ کائنات، خالقِ کائنات، قادر علی الاطلاق ایک اشارے پر اس کائنات کو پیدا کرنے والا کہ جس کی ابتدا اور انتہا کو سائنس ابھی تک نہیں پہنچ سکی وہی قاہر و جبار یہ ارشاد کر رہا ہے کہ اللہ وہ ہے کہ جس نے اپنے رسولؐ کو اپنے پیغامبر کو بھیجا ہے، ہدایت کے ساتھ اور ایک ایسے دین کے ساتھ جو حق کا پیرو ہے، جو حق کے پیچھے پیچھے چلتا ہے تاکہ وہ حق کی اس قوت سے اس دین کو تمام ادیان پر، تمام نظاموں پر خواہ اس کا نام زمانے بدلنے کے ساتھ ساتھ کچھ بھی رکھا جائے۔ اسے دھرم کہا جائے، اسے مذہب کہا جائے، اسے دین کہا جائے، اسے اِزم کہا جائے یا اسے "ورلڈ آرڈر" کہا جائے، ان سب کے اوپر غالب کر دے۔ وہ لوگ جو اللہ کے سوا دوسروں کی اطاعت کرتے ہیں، دوسروں کے بنائے ہوئے نظام پر چلتے ہیں، چاہے وہ مٹی، پتھر اور لکڑی کے بت ہوں اور چاہے گوشت و پوست کے لوتھڑے ہوں، ان سب کو یہ بات کتنی ہی ناگوار کیوں نہ گزرے مگر اللہ اس دینِ حق کو عالم پر غالب کر کے رہے گا۔

برادرانِ عزیز! کل محرم کا چاند دکھائی دے گیا اور آج محرّم کی پہلی تاریخ ہے اور

اگر آپ تصوّر کریں تو چھوٹے چھوٹے دیہاتوں سے لے کر بڑے بڑے شہروں تک اس وقت ہر جگہ پوری دُنیا میں سیّدہ کے لعل کی صفِ ماتم بچھی ہوئی ہوگی۔

میں ہندوستان سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں۔ میری اطلاع میں ہے، متھرا کا نام آپ نے سنا ہوگا، متھرا میں، صرف ایک شیعہ کا گھر ہے مگر وہاں بھی مجلس ہوتی ہے، وہاں بھی جلوس اٹھتا ہے اور آپ اس بات کو سوچ نہیں سکتے کہ میں یہاں بیٹھ کر کوئی بات غلط کہوں گا۔ وہ ایک متھرا شہر جسے توہم پرستی کے اعتبار سے شری کرشن جی کی جنم بھومی یا جائے پیدائش بتایا جاتا ہے۔ وہاں صرف ایک شیعہ کا گھر ہے باقی بڑی تعداد میں ہمارے سُنّی بھائی ہیں جو زیادہ تر قریشی برادری کے ہیں لیکن جب ۹ محرم کا جلوس اٹھتا ہے، جو مجھے بتایا گیا وہ یہ کہ اس میں تقریباً تیس پینتیس ہزار آدمیوں کا مجمع ہوتا ہے اور ہندو حضرات بھی وہاں سبیلیں لگاتے ہیں۔ تو جہاں ایک گھر ہے شیعوں کا اس میں کئے شیعہ ہوں گے؟ پانچ ہوں گے، چھ ہوں گے، سات ہوں گے، آٹھ ہوں گے، نو ہوں گے، دس ہوں گے، گیارہ ہوں گے، بارہ ہوں گے، بس اس سے زیادہ تو نہیں ہوں گے، میں نے تو تعداد آپ کو گھٹا کے بتائی ہے، مجھے تو بتایا گیا ہے کہ پچاس ہزار کا مجمع ہوتا ہے، پچاس ہزار کا نہ سہی، تیس ہزار کا سہی، اچھا، بیس ہزار کا سہی، تو بیس ہزار میں سے انیس ہزار نو سو اٹھاسی سُنّی ہوتے ہیں اور بارہ شیعہ ہوتے ہیں۔ ۱۹۹۸۸ سُنّی بھائی ہوتے ہیں، کاش کہ یہی صورتِ حال پاکستان میں بھی ہوتی اور انشاءاللہ ہوگی، انشاءاللہ ہوگی۔ اس کے بارے میں میں انشاءاللہ آئندہ مجلسوں میں کچھ باتیں عرض کروں گا۔

اس وقت تو میں عرض کر رہا تھا کہ ہندوستان اور پاکستان کے وہ دور ترین، بعید ترین گوشے کہ جہاں بجلی کی روشنی بھی ابھی نہیں پہنچی ہے، کہیں پیٹرومیکس جل رہے ہوں گے، کہیں لالٹینیں جل رہی ہوں گی، کسی غریب کے گھر میں ایک دیا، ایک چراغ روشن ہوگا، اس چراغ کی روشنی میں مجلسِ غمِ حسینؑ سجی ہوئی ہوگی۔ پوری دُنیا میں اس وقت یہی ایک ماحول ہے اور مجھے یہ بات کہنے دیں کہ کراچی کو بہر حال یہ شرف حاصل ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ جتنی عظیم مجلسیں اور معیاری

مجلسیں عشرۂ محرم میں اس شہر میں ہوتی ہیں، میرے علم میں نہیں ہے کہ کہیں اور ہوتی ہوں گی ۔ مجمع کے اعتبار سے بھی اور خطیبوں کے اعتبار سے بھی۔ کوالٹی کے اعتبار سے بھی اور کوانٹٹی کے اعتبار سے بھی۔ اس لئے کہ یہاں صرف افق پاکستان پر ہی چمکنے والے ستارے نہیں جگمگا رہے ہیں اس وقت، بلکہ عشرۂ محرم کی مجلسوں میں پاکستان کے علاوہ بین الاقوامی شہرت کے مالک خطیب جیسے علامہ سہیل آفندی حیدر آباد سے تشریف لائے ہوئے ہیں اور میرے ایک دوست اور بہت بڑے اسکالر علامہ زکی باقری کناڈا سے تشریف لائے ہوئے ہیں، یہ حضرات بھی خطابت فرما رہے ہیں، یہ دونوں بہت ہی بلند پایہ خطیب ہیں دُنیائے خطابت کے اور مقامی حضرات کے بارے میں کچھ کہنا نہیں چاہتا اس لئے کہ آپ حضرات مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔ اور ان حضرات کے علم سے، فضل سے، کمال سے آگاہی رکھتے ہیں اور میرے عزیزو، یہ بات ہونا چاہیے۔ یہ بات اس لئے ہونی چاہیے کہ زندہ قوموں کی علامت یہ ہے کہ اپنے مُردوں کو بھی مرنے نہیں دیتیں۔ کسی نے اگر ملک کی راہ میں اپنی جان قربان کی ہے تو اس ملک کی حکومت جان قربان کرنے والے کو زندہ رکھنا چاہتی ہے، کسی نے اگر قوم کی راہ میں جان دی ہے اور قوم زندہ ہے تو وہ قوم، قوم کی راہ میں جان دینے والے کو زندہ رکھنا چاہتی ہے۔ لیکن مشکل یہ آپڑتی ہے کہ وہ زندہ رکھ نہیں سکتی، اس لئے کہ خالق موت وحیات کوئی اور ہے۔ وہ زندہ رکھنا چاہتی ہے مگر وہ زندہ نہیں رکھ سکتی۔ تو جب وہ زندہ نہیں رکھ سکتی تو مجبوراً اس کے "اسٹیچو" بنا دیتی ہے اس کے مجسّمے بنا دیتی ہے، اس کی بڑی بڑی تصویریں مخصوص مقامات پر آویزاں کر دیتی ہے کہ اصل کو کم سے کم ہم باقی نہیں رکھ سکتے تو نقل ہی کو باقی رکھیں۔ اگر انسان کو باقی نہیں رکھ سکتے تو کم سے کم اس کی تصویر ہی ہم باقی رکھیں۔ اگر انسان کو ہم باقی نہیں رکھ سکتے تو کم از کم اس کے اسٹیچو، اس کے مجسّمے ہی مختلف چوراہوں پر لگا دیں جس سے یہ معلوم ہو کہ ہم اس کو زندہ رکھنا چاہتے تھے مگر کیا کریں کہ موت پر ہمارا قابو نہیں، ہم اس کو باقی نہیں رکھ سکے تو اس کی تصویر باقی رکھے ہوئے ہیں۔

ہندوستان میں یہی ہوتا ہے، یورپ میں یہی ہوتا ہے، امریکہ میں یہی ہوتا ہے جتنی ریوی لائزڈ

مہذب کنٹریز میں، سب میں یہی ہوتا ہے، اسلام میں پابندیاں لگی ہیں اسی لئے یہاں اسٹیچو نہیں ہوتا اور نہ ہونا چاہئے لیکن یہاں بھی بہر حال کسی نہ کسی عنوان سے زندہ رکھا جاتا ہے۔ قائداعظم نے اس پاکستان کو بنایا، اسٹیچو اُن کا اسلامی اعتبار سے نہیں بنایا جاسکتا، قبر بنی ہوئی ہے ان کا مقبرہ بنا ہوا ہے۔ ہمارے اسلامی ممالک کے نمائندے بلاتفریق مذہب و ملت، بلاتفریق مسلک و فرقہ آتے ہیں اور وہاں جاکر فاتحہ پڑھتے ہیں۔ علامہ اقبال کہ جن کے ذہن میں سب سے پہلے پاکستان کا خیال آیا، مجھے تو معلوم نہیں کہ زندگی میں کبھی ان کو گارڈ آف آنر پیش کیا گیا ہو لیکن لاہور میں آج جو اُن کی قبر مبارک ہے اس کے چاروں طرف، میں ایک دفعہ وہاں گیا تھا، میں نے دیکھا کہ مستقل گارڈز وہاں پر رہتے ہیں اور اس طرح سے ان کو اعزاز کو برقرار رکھا جاتا ہے۔ میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ ہر ملک کا جذبۂ احسان شناسی جب اس کو اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ جو قوم کی راہ میں جان دے اسے زندہ رکھا جائے، جو ملک کی راہ میں جان دے اسے زندہ رکھا جائے۔ یہ دوسری بات ہے کہ زندہ رکھنا ان کے بس میں نہیں ہے اس لئے تصویروں کو زندہ رکھتے ہیں، تو جو اللہ کی راہ میں جان دے اس کے لئے اگر پروردگار عالم یہ ارشاد فرمائے کہ ولاتحسبنّ الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتاً جب تم اتنے بڑے احسان شناس ہو کہ تمھاری راہ میں کوئی جان دے اور تم اسے زندہ رکھنا چاہتے ہو، موت تمھارے بس میں نہیں ہے، زندگی تمھارے بس میں نہیں ہے لہٰذا تم ان کو باقی نہیں رکھ سکتے ہو، ان کی تصویروں کو باقی رکھتے ہو ان کے اسٹیچو کو باقی رکھتے ہو تو یہ سمجھ لو کہ ہم بھی کبھی کسی کے احسان کو بھلاتے نہیں ہیں۔ اگر کسی نے ہماری راہ میں جان دی ہے تو ہم بھی اس کو زندہ رکھیں گے، ہم واقعی زندہ رکھیں گے اس لئے کہ ہم زندگی اور موت کے مالک ہیں۔ (صلوٰۃ)

تو ارشاد ہوتا ہے کہ ہماری راہ میں جو لوگ جان دیتے ہیں، ان کے بارے میں کبھی سوچنا بھی نہیں، زبان سے کہنا تو دوسری بات ہے کبھی تمھارے دل میں وسوسہ بھی نہ آنے پائے کہ مر گئے۔ نہیں، وہ سب کے سب زندہ ہیں، تو اللہ تو اپنی قدرت کاملہ سے ان کو زندہ رکھے ہوئے ہے۔ جو اللہ کی راہ میں شہید ہوئے وہ زندہ ہیں بلاشک و شبہ، تو وہ اس کا کام ہے، اس نے زندہ

رکھا ہے۔ لیکن میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں اور اس کو انشاء اللہ میں عرض کروں گا کہ ہاں میں عرض کر دوں کہ میرا موضوع کیا ہے؟ موضوع ذرا تفصیلی ہے اس کو ذرا سمیٹ کے میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ "رابطۂ خالق"۔ اسی کی تفصیل میں انشاء اللہ پیش کروں گا آپ کے سامنے، میں نے کچھ گھٹا کے بتایا ہے بات ذرا پھیلی ہوئی ہے، خلاصہ اسی میں آجائے گا کہ "رابطۂ خالق و مخلوق" خالق و مخلوق کا درمیانی رابطہ کیا ہے؟ یا کیا ہونا چاہیے؟ خالق کا رابطہ مخلوق سے کیا ہے؟ اور مخلوق کا رابطہ خالق سے کیا ہے؟ تو اس نے تو بہر حال یہ ارشاد کیا ہے کہ جو ہماری راہ میں جان دے دیں اُن کے بارے میں یہ سوچنا نہیں کہ وہ مر گئے۔ اس کی راہ کیا ہے؟ راہ وہاں ہوتی ہے جہاں منزل معین ہو، میں لکھنؤ سے کراچی حاضر ہوا، لکھنؤ سے میں چلا مغرب کی طرف۔ اس لئے کہ کراچی لکھنؤ سے مغرب کی طرف واقع ہے، یہاں سے آپ دعا فرمائیں کہ اللہ میری تمنا کو پورا کر دے کہ آپ حضرات کی دعاؤں کے تصدق میں سولہ برس کے بعد یہ موقع مل رہا ہے کہ میں اپنے آقا سید الشہداء کی بارگاہ میں حاضری دینے کا ارادہ کر رہا ہوں اور یہیں سے سیدھا چلا جاؤں گا۔

دعا فرمائیں کہ اللہ مجھے وہاں پہنچا دے۔ بہر حال، تو جہاں منزل معین ہوتی ہے وہاں راستہ بھی معین ہوتا ہے اور اللہ سب جگہ ہے اور کہیں نہیں، تو جو سب جگہ ہے اور کہیں نہیں تو اس کا راستہ کیا ہو سکتا ہے؟ اس کا تو کوئی راستہ ہی نہیں، وہ ہم سے دور کب ہے؟ ارشاد ہوتا ہے کہ ہم تو تمھاری شہ رگ حیات سے زیادہ تم سے قریب ہیں، تو اس تک جانے کا راستہ کیا ہوتا ہے۔ بات بہت زیادہ پھیل جائے گی آپ قرآن مجید کو ملاحظہ فرمائیں سبیل الٰہی کیا ہے؟ ہر وہ کام کہ جو آپ رضائے الٰہی کے تحت، اللہ کے بندوں کے لئے انجام دیں۔ وہی ہے سبیل الٰہی۔ اللہ تو پانی نہیں پیتا، وہ جسم و جسمانیات سے بری ہے، آپ نے کسی پیاسے کو پانی پلا دیا، اللہ نے کہا یہ کام تم نے میری راہ میں کیا، آپ نے کسی بھوکے کو کھانا کھلا دیا، اس نے کہا، یہ کھانا تم نے میرے بندے کو نہیں کھلایا، یہ کھانا تم نے مجھے کھلایا ہے، یہ میں نے کھایا کھانا۔ کسی واقعی مستحق انسان کی مدد کے لئے آپ نے کچھ روپے اس کے ہاتھ پر رکھے، اگر واقعی مستحق ہے، بھیک پیشہ در فقیر

ہوتے ہیں ان کو کچھ نہ دیجئے یہ جرم ہے، پیشہ ور فقیروں کو دینا جرم ہے، واقعی مستحق کو دینا واجب ہے، یہ عید کا روزہ ہے، عید کا روزہ، بیچ میں کوئی دوسرا راستہ ہی نہیں ہے، یا واجب ہے یا حرام اگر آدمی مستحق نہیں ہے تو حرام، مستحق ہے اور مدد آپ کے امکان میں ہے تو واجب ہے۔ ائمۂ طاہرینؑ کا اصول معلوم ہے کیا تھا آپ کو؟ ان کا اصول یہ تھا کہ جب وہ کسی غریب کی مدد کرتے تھے جو واقعی مستحق ہوتا تھا تو جو کچھ دے رہے ہوتے تھے پہلے اس کو چومتے تھے، اور چومنے کے بعد اس کے ہاتھ میں رکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ اس کے ہاتھ میں نہیں جا رہا ہے یہ اللہ کے ہاتھ میں جا رہا ہے۔ آپ نے کہا ہمارے پاس کچھ ہے ہی نہیں، نہ ہمارے پاس پیسہ ہے نہ ہمارے پاس کپڑا ہے نہ ہمارے پاس لباس ہے نہ ہمارے پاس مکان ہے، ہم اللہ کے کسی بندے کی مدد کرنا چاہتے ہیں تو کیسے کریں؟ تو ارشاد ہوتا ہے کہ کچھ نہ سہی ہونٹ تو ہیں تمھارے پاس، خالی مسکرا کے دیکھ لو صدقہ ہے، نیکی ہے، کسی کا دل خوش کر دینا۔ تو میرے عزیزو! اب اس نے تو زندہ رکھا، جو اس کی راہ میں شہید ہونے والے تھے۔ ہمارا کیا فریضہ ہے؟ ہمارا فریضہ ہے کہ وہ ان کو زندہ رکھے ہوئے ہے، ہم ان کے ذکر کو زندہ رکھیں۔ غور کیجئے گا جو بات آپ کے سامنے عرض کر رہا ہوں، وہ ان کو زندہ رکھے ہوئے ہے، ہم ان کے ذکر کو زندہ رکھیں، یہ بھی عبادت ہے، میں اپنی حدوں کو جانتا ہوں۔ اور مجھے معلوم ہے کہ بحمد اللہ میرے مجمع میں شیعہ بھی ہیں اور میرے مجمع میں سُنی بھی ہیں سب سُن رہے ہیں، اس لئے کہ میں یہاں آ کر نہ شیعہ کی حیثیت سے بات کرتا ہوں، نہ سُنی کی حیثیت سے بات کرتا ہوں۔ میں یہاں صرف ایک مسلمان کی حیثیت سے بات کرتا ہوں۔

لیکن میرے عزیزو! میرے شیعہ بھائیو! میرے سُنی بھائیو! غور سے سنو۔ نماز بہت بڑی عبادت ہے، اتنی بڑی عبادت کہ بہ اجماعِ سُنی اور شیعہ ــــ اگر نماز قبول ہو گئی تو ہر عمل قبول ہوگا۔ نماز رد ہو گئی، ہر عمل رد ہو جائے گا۔ نماز عبادت ہے روزہ عبادت ہے، حج عبادت ہے، جہاد عبادت ہے، قربانی عبادت ہے، خیرات عبادت ہے، یہ سب عبادت ہیں اور مجلسیں عبادت نہیں ہیں، "عبادت ساز" ہیں۔ یہ عبادتیں بنانے والی ہیں، ان کو سُن کر انسان عابد بنتا ہے،

ان کو سُن کر انسان عبادت گزار بنتا ہے، ان کو سُن کر انسان صحیح معنوں میں نمازی بنتا ہے، ان کو سُن کر صحیح معنوں میں روزہ دار بنتا ہے، نماز بطور رسم نہیں، نماز معرفت کے ساتھ، روزہ معرفت کے ساتھ، حج معرفت کے ساتھ، جہاد معرفت کے ساتھ، وہ ہستیاں کہ جنہوں نے اللہ کی راہ میں سب کچھ قربان کیا ہے، ان کے ذکر کو کچھ کم نہ سمجھیں۔ قرآن مجید میں تین سو سے زیادہ مقامات وہ ہیں جہاں رسولؐ کو مختلف انداز میں مختلف جملوں کے ساتھ اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ آپ فلاں کا ذکر کیجئے، فلاں کا ذکر کیجئے، فلاں کا ذکر کیجئے، فلاں کا ذکر کیجئے۔

کہیں اس ذکر کا حکم دیا گیا ہے "وَاتْلُ" کے ساتھ، آدم کے دونوں بیٹوں کا ذکر کیجئے۔ قرآن مجید میں جتنی بھی آیتیں "وَاذْ" سے شروع ہوتی ہیں، "واو" حرف عطف "اذ" "الف" "ذال" ان سب کے بعد اکثر کسی نہ کسی ولیٔ خدا یا کسی نبی یا کسی رسولؐ کا ذکر ہے، تو جہاں جہاں وَاتْلُ آیا ہے، "وَاتْلُ" کے بعد کسی نبی کا ذکر ہے، کسی اللہ کے دوست یا ولی کا ذکر ہے۔ "وَاذْ" کے بعد کسی نبیٔ خدا کا ذکر ہے اور مادۂ ذکر، خود مادۂ ذکر، یہ روٹ قرآن مجید میں ۲۶۷ مقام پر آیا ہے، جہاں تک میری یاد ساتھ دے رہی ہے، پیغمبرؐ سے کہا گیا ہے کہ "واذکر" "واذکر" "واذکر" "واذکر" "واذکر" "واذکر" فلاں کا ذکر کیجئے، فلاں کا ذکر کیجئے، فلاں کا ذکر کیجئے، فلاں کا ذکر کیجئے، فلاں کا ذکر کیجئے، فلاں کا ذکر کیجئے۔ اور مجلسوں کی غرض کیا ہے؟ میرے نزدیک مجلسوں کی صرف دو غرضیں ہیں، "انفارمیشن" اور "ریفارمیشن" یا آپ کو بتایا جائے۔ یا آپ کے معلومات میں اضافہ ہو، علم میں اضافہ ہو یا عمل میں جگمگاہٹ پیدا ہو۔ میرے نزدیک تو یہی دو غرضیں ہیں، ہر ایک کی اپنی رائے ہوتی ہے میں کسی کی رائے سے اختلاف نہیں رکھتا۔

میرے عزیزو! آپ کو یہ سُن کر حیرت ہو گی کہ مادۂ ذکر قرآن مجید میں ۲۶۷ مقام پر آیا ہے، مگر پیغمبرؐ کو "واذکر" کہنے کے بعد آپ ذکر کیجئے۔ اللہ کے ذکر کے علاوہ پہلی آیت، اللہ کے ذکر کے علاوہ جب کسی بندے کے ذکر کی طرف متوجہ کیا گیا ہے، تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب میں نے یہ دیکھا کہ جب اللہ کسی کے ذکر کا حکم دیتا ہے تو قرآن مجید کی پہلی آیت جو "واذکر" سے

شروع ہے اس کا تعلق کسی مرد سے نہیں ہے بلکہ عورت سے ہے۔ ارشاد ہوتا ہے "واذکر فی الکتاب مریم اذ انتبذت من اھلھا مکاناً شرقیاً" پہلا حکم جو دیا جارہا ہے ابراہیم کے بارے میں نہیں ہے۔ مطالعہ قرآن کرکے عرض کررہا ہوں آپ کے سامنے حضرت اسمٰعیل کے بارے میں نہیں ہے، حضرت ہودؑ کے بارے میں نہیں ہے، حضرت یعقوبؑ و ایوبؑ کے بارے میں نہیں ہے۔ حضرت موسیٰؑ و عیسیٰؑ کے بارے میں نہیں ہے۔ پہلا حکم جو "واذکر" کے بعد آتا ہے، اللہ نے اپنے بارے میں جو کہا ہے وہ بات الگ ہے، لیکن غیر کے بارے میں جو حکم دیا گیا ہے کہ یاد کیجئے۔ تو سب سے پہلے جو حکم ہوتا ہے وہ جناب مریم کے لئے۔ "واذکر فی الکتاب مریم" ارشاد ہوتا ہے کہ یاد کیجئے، ذکر کیجئے۔ قرآن پاک میں مریمؑ کا۔ جو اپنے اہل و عیال سے کٹ کر ایک مشرقی گوشے میں اللہ کی عبادت کے لئے چلی گئیں اور اس کے بعد پھر تفصیل کے ساتھ جناب مریم کا ذکر ہوتا ہے اور اس کے بعد بات آگے بڑھتی ہے تو ارشاد ہوتا ہے کہ "واذکر فی الکتاب ابراھیم انہ کان صدیقاً نبیا" آپ ابراہیم کا ذکر بھی کیجئے، اس لئے ابراہیم صدیق بھی تھے، صدیق کا مطلب سمجھ رہے ہیں آپ "انہ کان صدیقاً نبیا" ابراہیم۔ صدیق بھی تھے اور نبی بھی تھے، بات اور آگے بڑھتی ہے تو ارشاد ہوتا ہے کہ اس کے بعد آپ موسیٰؑ کا ذکر کیجئے، اس لئے کہ ہم نے انھیں چن لیا تھا، چھانٹ لیا تھا۔ یہ ذکر بھی ختم ہوگیا تو ارشاد ہوتا ہے کہ "واذکر فی الکتاب اسمٰعیل پھر اسمٰعیل کا ذکر کیجئے وہ صادق تھے، جو بات کہہ دی اس پر عمل کیا، وہ رسول بھی تھے اور نبی بھی تھے اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ "واذکر فی الکتاب ادریس انہ کان صدیقاً نبیا" اسمٰعیلؑ کے ذکر سے فراغت ہو، فرصت ہو اور ختم ہو تو ادریس کا ذکر کیجئے، وہ بھی صدیق تھے، وہ بھی نبی تھے اب کہاں تک میں آپ کے سامنے عرض کروں۔ اس کے بعد سورہ صٓ شروع ہوتا ہے تو اسمیں ذکر ہوتا ہے کہ داؤد کا ذکر کیجئے، وہ بھی صاحب قوت تھے، ایوبؑ کا ذکر کیجئے، اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ ان کا ذکر کیجئے اور ان کا ذکر کیجئے۔ یہ کس کو حکم دیا جارہا ہے ذکر کرنے کا؟ پیغمبر کو اور خالی پیغمبروں کے ذکر کا حکم نہیں دیا جارہا ہے بلکہ جب قرآن مجید کو ملاحظہ فرمائیں گے تو آپ

دیکھیں گے کہ نسلوں کا ذکر، نسلوں کا ذکر، پہلا سورہ، الحمد، دوسرا سورہ، البقرہ، تیسرا سورہ آل عمرانؑ
آل کے لفظ سے تو آپ بہت مانوس ہیں نا۔ یہ پورا سورہ آل عمران ـــ اللہ نے چن لیا آدمؑ کو
نوحؑ کو اور آل ابراہیمؑ کو اور آل عمران کو تمام عالمین میں، تو آل عمران میں اور آل ابراہیم میں
کس کا ذکر کریں گے آپ؟ قرآن کی ایک آیت دوسری آیت کی تفسیر کرتی ہے۔ ایک موقع
پر ارشاد ہوتا ہے کہ جب ہم نے ابراہیم کا امتحان لیا اور وہ ہر بات میں کامیاب ہو گئے، تو
ہم نے ان سے کہا کہ ہم آپ کو لوگوں کا امام بنائیں گے تو ابراہیمؑ نے کہا میری ذریت میں؟
کہا کہ ہاں تمہاری ذریت میں بھی امامت چلے گی۔ آدھی بات قرآن کہتا ہے آدھی بات سمجھیں آپ۔
قرآن کہتا ہے کہ ابراہیم تمہاری نسل میں تمہاری ذریت میں بھی امامت چلے گی مگر ظالموں کو نہیں
ملے گی۔ تو کسے ملے گی؟ مظلوموں کو ملے گی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کا عہدہ، اللہ کا عہد،
اللہ کا منصب ظالموں کو نہیں ملتا۔ جن کو دنیا میں مظلوم بنایا جاتا ہے اُن کو ملتا ہے، یہ بھی
میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا ہوں، قرآن مجید کی تائید ہے اس لئے آپ کے سامنے عرض کر رہا
ہوں کہ ہم نے بنی اسرائیل میں کچھ لوگوں کو امام بنایا جب انہوں نے صبر کیا، صبر کون کرتا ہے؟
صبر ظالم نہیں کرتا، صبر ہمیشہ مظلوم کرتا ہے، بس برادران عزیز۔ میں تو ابھی آدھی بات بھی بیان
نہیں کر سکا، اور وقت ختم کے قریب آرہا ہے، لہٰذا بات کو میں سمیٹنا چاہتا ہوں کہ حضور انبیاءؑ
کا ذکر ہے، اور انبیاء میں تین پیغمبروں کا ذکر خاص طور پر ہے، بار بار۔ ایک حضرت ابراہیمؑ، ایک
حضرت موسیٰؑ، ایک حضرت عیسیٰؑ۔ یوں تو حضرت لوطؑ کا بھی ذکر ہے، حضرت یوسف کا بھی ذکر ہے،
حضرت ایوبؑ کا بھی ذکر ہے۔ لیکن یہ تین پیغمبر، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ
ان کا ذکر قرآن مجید میں سب سے زیادہ کیا گیا ہے، کیوں؟ جب اس کیوں پر سے راز اٹھاؤں گا تو
ان لوگوں کی اہمیت آپ کی سمجھ میں آئے گی۔ ان تین پیغمبروں کا ذکر قرآن مجید نے بار بار اس لئے
کیا ہے کہ یہی تین پیغمبر وہ تھے کہ جن کو اپنے اپنے زمانے میں اپنے اپنے وقت کی سپر پاور سے
ٹکر لینا پڑی۔ ابراہیمؑ کا مقابلہ ہوا نمرود سے، موسیٰؑ کا مقابلہ ہوا فرعون سے عیسیٰ کا مقابلہ ہوا

رومن امپائر سے۔ تو یوں سمجھ لیجئے کہ یوں تو بہت سے پیغمبروں کا ذکر قرآن مجید نے کیا مگر وہ پیغمبر جو باطل کی قوت سے ٹکرائے اُن کا ذکر قرآن نے بار بار بار بار کرکے بتایا کہ حق کا جو نمائندہ باطل کی قوت سے ٹکرا جائے اس کا ذکر ایک بار نہیں بار بار کیا جاتا ہے۔ "صلوٰۃ"

اب کوئی کہنے والا کہہ سکتا ہے اور اس کو کہنے کا حق ہے کہ بھئی انبیاء کا ذکر ہونا چاہیے۔ ٹھیک ہے انبیاء کا ذکر ہونا چاہیے۔ کیا قرآن مجید نے فقط انبیاء کا ذکر کیا ہے؟ یہ قرآن مجید میں جو سورہ ہے، سورۃ الکہف، اس میں کس کا ذکر ہے؟ قرآن سے ہٹ نہیں رہا ہوں کہیں سے۔ سورہ کہف میں کس کا ذکر ہے بھائی؟ اصحاب کہف۔ اصحاب کہف کون تھے؟ نبی تھے؟ پیغمبر تھے؟ رسول تھے؟ نہیں ــــ نہ نبی، نہ رسول، نہ پیغمبر ــــ اولیائے خدا۔ تو اولیاء کے لئے پورا سورہ؟ سورہ کہف جس کا نام ہے۔ انبیاء کا ذکر، مرسلین کا ذکر، پیغمبروں کا ذکر، اولیاء کا ذکر۔ اسے بھائی اللہ تو اتنا قدر شناس ہے کہ آدمیوں کو جانے دیجئے، اگر اللہ کی راہ کے جہاد میں جانور کچھ خدمت انجام دیتا ہے تو اللہ اس جانور کا بھی ذکر عزت و احترام کے ساتھ کرتا ہے۔ وہ جانور اس لائق ہوتا ہے کہ حیّ و قیوم و جبار اس کی قسم کھائے۔ کیا سورۂ عادیات بھول گئے۔ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔ وَالۡعٰدِیٰتِ ضَبۡحًا، فَالۡمُوۡرِیٰتِ قَدۡحًا، فَالۡمُغِیۡرٰتِ صُبۡحًا، فَاَثَرۡنَ بِہٖ نَقۡعًا، فَوَسَطۡنَ بِہٖ جَمۡعًا، اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لِرَبِّہٖ لَکَنُوۡدٌ۔ "یہ کس کی قسم کھائی جا رہی ہے؟ انبیاء کی، یہ کس کی قسم کھائی جا رہی ہے؟ مرسلین کی؟ یہ کس کی قسم کھائی جا رہی ہے؟ اولیاء کی؟ یہ کس کی قسم کھائی جا رہی ہے؟ مجاہدوں کی؟ نہیں، کسی کی نہیں۔ ان گھوڑوں کی قسم کھائی جا رہی ہے کہ جن پر سوار ہو کر مجاہدین میدان جنگ میں گئے۔ ارے قرآن کو پہچانئے، پورا اسلام سمجھ میں آجائے گا۔ اسلام سامنے آجائے گا، کربلا سمجھ میں آجائے گی۔ کس کی قسم کھائی جا رہی ہے؟ کون قسم کھا رہا ہے؟ اللہ قسم کھا رہا ہے، قرآن میں قسم کھا رہا ہے، والعادیات سورہ کا نام ہی ہے۔ "والعادیات ضبحا" سورہ کا نام ہی ہے۔ "والعٰدیٰت ضبحا" کون؟ دوڑنے والے گھوڑے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ راہِ الٰہی میں اگر گھوڑے بھی خدمت انجام دیں تو

وہ گھوڑے ہمارے امام بارگاہوں میں نہیں لائے جاتے وہ قرآن میں بھی لے آئے جاتے ہیں۔ ان کا ذکر قرآن میں بھی ہوتا ہے۔

میرے عزیزو! ابرہہ نے لشکر لے کر حملہ کیا کعبہ کو گرا دینے کے لئے۔ یہ اس کی مصلحت اس نے ہاتھی کے جواب میں ہاتھی نہیں بھیجے بھائی۔ دیکھئے ایک بات یاد رکھئے گا میرے عزیزو! سارے گناہ کیجئے گا، خدانخواستہ، غرور نہ کیجئے گا کبھی تکبّر کیا تو اللہ ذلیل کئے بغیر مانتا ہی نہیں، ابرہہ چلا تھا اکڑتا ہوا، غرور میں ڈوب کر، تکبّر میں ڈوب کر، اکڑتا ہوا چلا تھا تو اللہ نے کہا میں تجھے ذلیل کروں گا۔ اس محلّہ کا خدانخواستہ کوئی غنڈہ ہو بہت بڑا۔ کوئی دہشت گرد ہو، بڑا اکڑفوں والا، پکڑا جائے، آپ اسے ماریئے، خدانخواستہ ایسا ہو تو پھر یہ پٹے گا، مار کھائے گا، مر جائے گا اور کیا ہو گا؟ لیکن اگر آپنے ایک چھوٹے سے بچے کے ہاتھ میں جوتا دیا تم جا کے مارو اس کو۔۔ تو وہ مرنے سے پہلے ہی مر جائے گا کہ میری ذلّت و رسوائی کا عالم یہ کہ میرا ایسا ترم خاں، اور مجھے ایک بچہ جوتے مار رہا ہے۔ تو اگر ابرہہ اکڑتا ہوا نہ آتا تو شائد ہاتھی کے مقابلہ میں ہاتھی بھیج دئے جاتے۔ غرور کرتا ہوا چلا تھا اس لئے اس نے کہا کہ پٹواؤں گا تو تجھے چھوٹے چھوٹے پرندوں سے پٹواؤں گا کہ پٹے بھی اور ذلیل بھی ہو۔ لوگوں نے ترجمہ میں غلطی کی ہے اور طیراً ابابیل کا ترجمہ ابابیلیں کر دیا ہے۔ میں کیا بتاؤں آپ کے سامنے، یہ اُردو ابابیل کچھ اور ہے اور عربی ابابیل کچھ اور ہے۔۔ وہ یہ ابابیلیں نہیں ہیں جو آپ کے یہاں اُڑا کرتی ہیں۔ ابابیل عربی زبان میں اُن چڑیوں کو کہتے ہیں جو جھنڈ بنا کے آئیں۔ اس کو آپ یہ نہ سمجھ لیجئے گا کہ وہ مخصوص قسم کے پرندے تھے، وہ کوئی ہوائی جہاز نہیں تھے اور پرندے ہی تھے بس وہ جس طرح کے بھی رہے ہوں، کنکریاں انہوں نے ماریں اور قصّہ ختم ہو گیا۔ قرآن نے ذکر کیا، سورہ موجود ہے۔ ارے بھائی جیسے بھی گھوڑے سہی پاک ہیں، ابابیل جیسا بھی جانور ہی پاک ہے۔ کُتّا تو نجس ہے؟ کُتّا تو نجس ہے بھائی، اس کے نجس ہونے میں کوئی شک ہے، لیکن ایک نجس جانور نے بھی اولیائے خدا کی حفاظت کی، ایک نجس جانور کُتّا وہ بھی اولیائے خدا کی حفاظت کرتا ہے تو قرآن اس کی بھی قدر کرتا ہے۔ اور

اس کا ذکر بھی قدرشناسی کے ساتھ قرآن مجید کے اندر موجود ہے۔ اور بہ اجماعِ مفسّرین یہ کُتّا بھی جنّت میں جائے گا۔ اصحابِ کہف کہیں گے کہ اس نے ہمارا ساتھ دیا ہے تو ہم اس کا ساتھ چھوڑنے والے نہیں ہیں، اگر ہم کو جنّت میں بھیجنا ہے تو اس کو بھی ہمارے ساتھ بھیج۔ چنانچہ اصحابِ کہف کے ساتھ ساتھ میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک اکیلا ہی کُتّا ہوگا جو جنّت میں جائے گا۔ ایک جملہ عرض کروں آپ کے سامنے۔ اولیائے خدا کی حفاظت کرنے والا نجس جانور اگر جنّت میں جانے سے محروم نہ رہ سکے تو نبیٔ مرسلؐ کی حفاظت کرنے والا ابوطالب......" بس برادرانِ عزیز۔ آپ سمجھئے کہ اللہ کی راہ میں اگر نجس جانور کچھ کرتا ہے تو وہ اس کو بھولتا نہیں زندہ رکھتا ہے۔ تو ہم حسینؑ کو کیسے بھول جائیں اور کوئی حسینؑ کو کیسے بھول جائے۔ کتنی بدقسمتی کی بات ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کا ذکر ہو، پولیس لگنے کی ضرورت نہیں ہے، حضرت نوحؑ کا ذکر ہو کسی فوج کی ضرورت نہیں ہے، حضرت موسیٰؑ کا ذکر ہو کسی چوکی پہرے کی ضرورت نہیں ہے ـــــ یعنی وہ ہستیاں کہ جو رسولؐ کی رسالت کی تمہید تھیں، ان کا ذکر ہو تو کسی پہرے کی ضرورت نہیں، چوکی کی ضرورت نہیں، پولیس کی ضرورت نہیں، کسی شئے کی ضرورت نہیں۔ اور جو بنائے "لا الٰہ الا اللہ" ہو۔ ہم تھوڑی کہہ رہے ہیں، خواجہ معین الدین چشتی نے فرمایا ہے کہ ؎ "حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسینؑ" اس کا ذکر ہو پہرے میں، ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ "دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی"، کچھ ادھر گڑبڑ ہے تو کچھ ادھر بھی گڑبڑ ہے۔ اس ذکر کو اختلافی ذکر نہ بنایئے۔ حسینؑ سے کون اختلاف کرسکتا ہے بھائی۔ یہ ذات اختلافی ذات ہے؟ کس نے حسینؑ سے اختلاف کیا ہے بھائی؟ آپ صدرِ اوّل سے لے کر آج تک مجھے بتائیں کس نے حسینؑ سے اختلاف کیا ہے؟ کس نے حسینؑ کی عزّت نہیں کی ہے؟ کس نے حسینؑ کا احترام نہیں کیا ہے؟ بڑے بڑے صحابۂ کبار و صحابۂ عظام جس حسینؑ کی عزّت کریں ان کا ذکر ہو اور اسے اختلافی بنا دیا جائے! دونوں کی ذمہ داری ہے، کچھ ادھر سے گڑبڑ ہے، کچھ اُدھر سے گڑبڑ ہے، ایسا نہ ہونا چاہیے۔ کربلا جوہرِ اسلام ہے جیسے مولائے کائنات نے فرمایا کہ جو کچھ پورے قرآن میں ہے وہ سمٹ کر سورۂ فاتحہ میں ہے۔ اور جو کچھ سورۂ فاتحہ میں ہے وہ سمٹ کر "بسم اللہ"

میں ہے اور جو کچھ بسم اللہ میں ہے وہ سمٹ کر بائے بسم اللہ میں ہے، جو کچھ بائے بسم اللہ میں ہے وہ سمٹ کر نقطۂ بائے بسم اللہ میں ہے۔ تو جس طرح پورا علم قرآن سمٹ کر آگیا نقطہ بائے بسم اللہ میں، یوں ہی اسلام کی پوری عملی شکل سمٹ کر آگئی ہے کربلا کے میدان میں۔ سب کربلا میں ہے، کوئی تعلیم اسلام آپ نہیں بتا سکتے جس کا نمونہ میں کربلا کے میدان میں نہ دکھا دوں۔ بس برادران عزیز! آج محرم کی پہلی تاریخ ہوگئی۔ آج ایک بے کس ایک ناتواں اپنے نانا کے مزار پر جا رہا ہے۔ مگر یہ سوچ کر جا رہا ہے کہ اس کے بعد نانا کا مزار میں دوبارہ نہیں دیکھ سکوں گا۔ ایک لخت دل اپنی ماں کی قبر پر جا رہا ہے مگر اس دھڑکن کے ساتھ کہ اب دوبارہ اس مرقدِ منور کی زیارت میں نہیں کر سکوں گا۔ اک بھائی، اک بھائی کی قبر پر جا رہا ہے مگر اس تصور کے ساتھ کہ اب قبر کی دوبارہ زیارت نہیں ہو سکے گی۔ وقت ختم ہو گیا عزاداران حسین۔ بعض روایات کے مطابق رجب کی ۲۸ تاریخ ۶۰ھ۔ بس مجلس ختم کر رہا ہوں، آج مصائب میں نہیں پڑھ سکا۔ کل انشاء اللہ اس کسر کو پورا کروں گا' آج آپ سے معذرت چاہتا ہوں۔ عبداللہ کی روایت ہے کہ یہ مدینہ پہنچے۔ باہر سے، اٹھائیس رجب کی صبح کو تو ان کا بیان یہ ہے کہ میں نے دیکھا کہ مدینہ میں عجب سناٹے کا عالم ہے، جس چہرے کو دیکھو، چہرہ اُترا ہوا ہے۔ جس رُخ کو دیکھو رنگ زرد ہے، عجب ویرانی ہے، عجب بے کسی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بہت بڑا حادثہ ہو گیا ہے۔ تو انھیں نے گھبرا کے پوچھا اے یثرب والو! مدینے والو! کیا بات ہے؟ کیا کوئی حادثہ ہو گیا ہے، کوئی مر گیا ہے کیا بات ہے؟ کہا کہ عبداللہ ابن صنعان تمھیں خبر نہیں ہے کہ اس سے بڑا حادثہ اور کیا ہوگا کہ حسینؑ رسولؐ کا نواسہ مدینہ چھوڑ کے جا رہا ہے۔ رسولؐ کا نواسہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مدینے کو خیرباد کہہ رہا ہے، کہا مجھے بھی لے چلو میں بھی روانگی کا منظر دیکھنا چاہتا ہوں۔ عبداللہ ابن صنعان کا بیان ہے کہ میں محلۂ بنی ہاشم میں آیا۔ یہ کہتے ہیں کہ میں اس وقت پہنچا کہ جب ناقے گھروں کے سامنے لائے جا چکے تھے پہلے ناقے لائے گئے اس کے اوپر کھانے پینے کا سامان بار کیا گیا' میں کھڑا ہوا اس منظر کو دیکھتا رہا' کہا کہ میں اکیلا ہی نہیں تھا ایک جمِ غفیر تھا' ایک ہجوم تھا جو اس منظر کو دیکھ رہا تھا' کہا اس کے بعد

میں نے دیکھا کہ ایک پردہ بلند ہوا گھر کا اور ایک بی بی گھر کے باہر نکلیں، اور ایک تیرہ چودہ برس کا پیارا پیارا بچہ، چاند سی صورت، دمکتا ہوا رنگ، معصوم، بھولا، آگے بڑھا اور آگے بڑھنے کے بعد ناقہ بٹھایا گیا اور اس نے بازو تھام کر اس خاتون کو ناقے پر سوار کیا۔ میں نے پوچھا یہ بی بی کون؟ یہ بچہ کون؟ کہا یہ بی بی بیوہ ہے، یہ ام فروہ بیوہ حسنؑ، یہ بچہ جو چاند جیسا پیارا پیارا ہے یہ ان کا یتیم بچہ قاسم ہے۔ کہا ناقہ اٹھا اور چلا اور تھوڑی دیر کے بعد پھر دوسرا ناقہ بیٹھا اور گھر کا پردہ اٹھا میں نے دیکھا کہ اک اٹھارہ انیس برس کا کڑیل جوان، صورت ایسی کہ دیکھتے رہ جاؤ، حسن کا پیکر، جمال کا مرقع۔ ایک بی بی گھر کے باہر برآمد ہوئیں، بازو تھاما اور بازو تھامنے کے بعد اس بی بی کو انتہائی عزّت و احترام کے ساتھ محمل میں سوار کیا، میں نے کہا یہ بی بی کون؟ کہا کہ اُم لیلیٰ؟ میں نے پوچھا کہ یہ جوان کون؟ کہا حسینؑ کا فرزند کڑیل جوان علی اکبرؑ۔ کہتا ہے کہ وہ ناقہ آگے بڑھا، اتنے میں میں نے دیکھا کہ پھر ایک مرتبہ گھر کا پردہ اٹھا، اور اب تو ایک ایک آدمی آگے بڑھ رہا تھا اب گھبرا کر میں نے دیکھا کہ وہ بچہ بھی آگے بڑھا، وہ جوان بھی آگے بڑھا اور اس کے بعد ایک تیّس برس کا شیر وہ بھی آگے بڑھا اور زمین سنبھالنے والے اور ایک بازو، عزت و احترام کے ساتھ اس بی بی کو لیئے ہوئے ناقے تک آئے اور آنے کے بعد اس معظمہ کو سوار کیا۔ میں نے پوچھا؟ یہ کون بی بی ہے، اس کا اتنا احترام ـــــ کہا کہ یہ علیؑ کی چھوٹی بیٹی اُم کلثوم ہے۔ جس کو سوار کرنے کے لئے قاسم بھی آگے بڑھے اور انہوں نے کہا، کہ پیچھے ہٹو، پیچھے ہٹو، پیچھے ہٹو، پیچھے ہٹو۔ ہٹو دور ہٹ جاؤ، میں بھی گھبرا کر دور ہٹا۔ کہا کہ اس کے بعد میں دور سے کھڑا ہوا اس منظر کو دیکھ رہا تھا کہ میں نے دیکھا کہ پردہ اٹھا، اب تک سب اُٹھ رہے تھے مگر حسینؑ اپنی کرسی سے نہ اُٹھے تھے لیکن ایک مرتبہ جیسے ہی گھر کا پردہ بلند ہوا خود حسینؑ سرو قد کھڑے ہو گئے، حسینؑ بھی آگے بڑھے، عباسؑ بھی آگے بڑھے، علی اکبرؑ بھی آگے بڑھے، قاسم بھی آگے بڑھے، ان چار ہاتھوں نے ایک بی بی کو سنبھالا، عزّت و احترام سے لے کر ناقے تک آئے اور آنے کے بعد ناقہ پر بٹھایا۔ میں نے پوچھا، یہ بی بی کون؟ کہا کہ تم نے نہیں پہچانا، یہ علیؑ کی بڑی بیٹی زینبؑ۔ میں کہتا ہوں آج

اٹھائیس رجب کو زینبؑ اس عزّت و احترام سے مدینہ سے مکّہ کی جانب روانہ ہو رہی ہیں۔ گیارہ محرم کو جب ناقے سامنے آئے ہوں گے تو کیا زینبؑ نے آواز نہ دی ہو گی کہ قاسمؑ کدھر ہو۔ آؤ آکر سوار کرو، علی اکبرؑ آؤ آکر سوار کرو، عباسؑ آؤ اور آنے کے بعد اپنی بہن کو سوار کرو....."

تمام شد

دوسری مجلس

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ

برادرانِ عزیز۔ وہ خالق کائنات کہ جس نے اشارۂ قدرت سے اس نظامِ کائنات کو بنا دیا اور زمان و مکان کی وہ سرحدیں قائم کر دیں کہ جو علمِ خدا میں تو ہیں، مگر انسان کو نہ یہ خبر ہے کہ یہ کائنات کتنی پھیلی ہوئی ہے، نہ یہ خبر ہے کہ یہ کائنات کب سے ہے اور کب تک رہے گی؟ ابھی حال میں آپ نے دیکھا ہوگا پاکستان میں کامٹ، جسے اردو میں ذوابِ ستکے نام سے یاد کیا جاتا ہے، دُم دار ستارہ۔ تو اس "کامٹ" کی، اس دُم دار ستارے کی دم کی لمبائی کتنی تھی؟ آپ کو معلوم ہے؟ آپ سوچ نہیں سکتے۔ یہ ایک معمولی سا ستارہ ہے نظامِ کائنات میں بے حیثیت۔ اس کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے۔ یہ چار ہزار سال پہلے دکھائی دیا تھا اور اب آئندہ چار ہزار سال کے بعد دکھائی دے گا۔ اس کی دم کی لمبائی فقط دو کروڑ میل تھی۔ تو خالق کی عظمت کا آپ حضرات کو احساس رہنا چاہیے تاکہ اس کی عظمت کے مقابلے میں اپنی حقارت کا اندازہ ہو سکے۔ اور یہی حقارت وہ ہے جو انسان کے سرِ عبودیت کو معبود کے سامنے از خود جھکا دینے کے لئے مجبور کر دیا کرتی ہے اور اسی عظیم خالق کا یہ ارشاد ہے کہ ہم نے اپنے رسولؐ کو بھیجا ہے ہدایت کے ساتھ اور دینِ حق کے ساتھ اور اس لئے بھیجا ہے کہ آج نہ سہی تو کل، کل نہ سہی تو پرسوں، یہ دین سارے سسٹمس کے اوپر غالب ہو کر رہے گا۔ چاہے یہ بات ان لوگوں کو، جو نظامِ الٰہی کے علاوہ کسی دوسرے نظام کی پابندی کرنا چاہتے ہیں، کتنی ہی ناگوار کیوں نہ گزرے مگر یہ بات ہو کر رہے گی۔

کل میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ یہ مجلسیں خالق دنیا حال کی، ان کی تاریخ اور پاکستان کی تاریخ ایک ہے۔ ۱۹۴۷ء میں پاکستان بنا اور ۱۹۴۷ء ہی وہ سنہ تھا جب اس ملک کے بانی قائد اعظم نے عظیم اسکالر، مفکر، علامہ رشید ترابی اعلی اللہ مقامہ کو حیدر آباد دکن سے یہاں بلایا اور بلانے کا مقصد انتہائی نیک تھا کہ پاکستان بنا ہے تو وہ ہدایت نامہ جو مولائے کائنات نے حضرت مالک اشتر کے نام لکھا تھا، اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا جائے۔ یہ نیت تھی اس شخص کی۔ اور میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ دنیاوی نظام حکومت خواہ کتنا ہی ترقی کر جائے لیکن مالک اشتر کے نام علی کے اس ہدایت نامے تک نہیں پہنچ سکتا۔ یہ واقعیت ہے اور یہ ایسی بات ہے کہ مسلمان تو بچارے مانیں ہی گے، مسلمان نہیں مانیں گے تو کہاں جائیں گے۔ مجھے خیال نہیں آرہا ہے کہ میں نے آپ کے سامنے عرض کیا ہے کہ نہیں کہ مجھ سے کوثر نیازی نے جو اب اس دنیا میں نہیں ہیں اور بہت میرے دوست تھے اور بڑے اچھے انسان تھے، انہوں نے فرمایا تھا کہ جب وہ ہندوستان کے سفر میں راجیو گاندھی کے پاس گئے اور حضرت علی کا ذکر نکلا تو راجیو گاندھی نے ان سے یہ کہا کہ وہ ڈائرکٹیو آپ کے حضرت علی کا ہمیشہ ہمارے سرہانے رہا کرتا ہے اور راجیو گاندھی کے الفاظ انہوں نے نقل کئے کہ میرے بس میں اگر ہو تو دنیا کے جتنے بھی ملک ہیں میں سب کے سربراہوں کے پاس یہ ڈائرکٹیو بھیج دوں اور کہوں کہ اس کو پڑھو۔ حکومت کرنا ہے تو اس طریقے پر چلو تو اس کے ٹرانسلیشن کے لئے بلایا گیا تھا اور پہلی صفر سے ۱ صفر تک ۱۹۴۸ء میں یہاں مجلسیں ہوئیں پھر ایک سال کا گیپ ہوا۔ علامہ رشید ترابی تشریف نہیں لا سکے اس کے بعد سے پھر مسلسل یہ مجلسیں ہو رہی ہیں۔ (باپ اور بیٹے کی روایت میں کوئی اختلاف نہیں تھا، گڑبڑ جو ہوئی وہ اس لئے ہوئی کہ میں نے کہا ۱۹۴۸ء، اور بھائی حسن عسکری صاحب نے بنا اس کو ۱۹۴۹ء) بریکٹ کے اندر کی عبارت اس بات کی طرف اشارہ ہے جو جناب حسن عسکری صاحب نے درمیان مجلس حقیر سے کی تھی اور پھر ان کے صاحبزادے ہادی عسکری صاحب نے میری بات کی تائید کی تھی۔ یہیں سے آپ سمجھ لیں کہ روایات کے اختلاف کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ بیان

کہنے والا بیان کچھ کرتا ہے اور سُننے والا کچھ سُنتا ہے۔ یہ بھی ایک سبب ہوتا ہے، جو روایات میں اتنے اختلافات ہیں، آج آپ غور کیجئے کہ جب کہ لاؤڈ اسپیکر اتنے بڑے بڑے لگے ہوئے ہیں اور میں کہہ رہا ہوں کچھ، اور سُننے والا سُن رہا ہے کچھ تو رسولؐ کے زمانے میں اگر ہوا یہ کہ رسولؐ نے فرمایا ہو کچھ، اور سُننے والوں نے سُنا ہو کچھ۔ تو یہ کوئی غلطی نہیں ہے، کوئی قصور نہیں ہے یہ تو تقاضائے بشریت ہے۔ تو یہ اختلاف جو روایات میں ہوا ہے اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔

تو بہرحال، یہ مجلسیں اس وقت سے ہیں، اس لئے جتنے سال ہوئے ہیں، پاکستان کو بنے ہوئے اتنے ہی سال سے یہ مجلسیں بھی منعقد ہو رہی ہیں۔ اور جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ کوالٹی اور کوانٹٹی کے اعتبار سے اس وقت کراچی سے بڑی مجلسیں اور کراچی سے بہتر مجلسیں میرے علم میں دُنیا میں کہیں نہیں ہو رہی ہیں، یہ آپ کا ایک شرف ہے۔ اور یہ ایک آپ کی خصوصیت ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے، کسی کے ذہن میں یہ سوال آسکتا ہے کہ یہ ذکرِ حسینؑ کب تک ہوتا رہے گا؟ پندرہ سو برس ہو گئے تقریباً ذکرِ حسینؑ کب تک ہوتا رہے گا؟ تو میں عرض کرتا ہوں کہ اگر آپ کو یہ معلوم ہو جائے کہ ہم ذکرِ حسینؑ کیوں کر رہے ہیں؟ تو "کب" کا سوال ہی ختم ہو جائے گا۔ تمام مسلمان میرے بھائی، شیعہ میرے بھائی، سُنّی میرے بھائی ہیں سب میرے بھائی ہیں، میں اپنے سارے بھائیوں سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ یہ اذانوں میں "اشھد ان لا الٰہ" کب تک ہوتا رہے گا! بھئی کوئی حد ہوتی ہے پندرہ سو برس ہو چکے ہیں۔ دن میں پانچ مرتبہ ہر مؤذن آواز بلند کر رہا ہے اشھد ان لا الٰہ الا اللہ، اشھد ان لا الٰہ الا اللہ، اشھد ان لا الٰہ الا اللہ، کب تک ہوتا رہے گا بھائی۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی اللہ نہیں، اللہ کے علاوہ کوئی اللہ نہیں کب تک ہوتا رہے گا یہ؟ تو سارے مسلمان سُنّی اور شیعہ مل کر جواب دیں گے بھائی "اشھد ان لا الٰہ الا اللہ" کم سے کم اس وقت تک تو ہوتا ہی رہے گا کہ جب تک صنم کدوں میں بُت موجود ہیں۔ غور فرما رہے ہیں آپ، جب تک صنم کدوں میں بُت موجود ہیں، جب تک بتکدوں میں بُت موجود ہیں، جب تک مہنت انسانوں کی جبینوں کو پتھروں کے بتوں کے سامنے یا سیاسی مہنت گوشت و پوست کے

بتوں کے سامنے جھکواتے رہیں گے۔ اس وقت تک انسان کے ضمیر کو بیدار کرنے کے لئے ہم مجبور ہیں یہ کہنے کے لئے کہ اشہد ان لا الٰہ الا اللہ' اشہد ان لا الٰہ الا اللہ' سجدہ کرنا ہے تو صرف اللہ کو کرو، پیشانی جھکانا ہے تو صرف اللہ کے سامنے جھکاؤ۔ غیر خدا کے سامنے پیشانی نہ جھکاؤ، غیر خدا کو سجدہ نہ کرو۔ یہ سب معبودان باطل ہیں۔

یہ جہاد کب سے شروع ہوا؟ انسانیت کی تاریخ اور اس جہاد کی تاریخ ایک ہے، لیکن قرآن مجید نے جو خاص طور پر بیان کیا ہے وہ حضرت ابراہیمؑ کے زمانے سے کہ جب اس دین کا ایک باقاعدہ نام رکھا گیا، جسے کہا گیا' اسلام۔ اور ماننے والوں کو کہا گیا مسلم۔ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ نہ سورج اس لائق ہے کہ اس کے سامنے سجدہ کیا جائے، نہ چاند اس لائق ہے کہ اس کے سامنے سجدہ کیا جائے، نہ ستارے اس لائق ہیں کہ ان کے سامنے جبین عقیدت کو جھکایا جائے۔ نہ چاند لائق پرستش ہے، نہ ستارہ لائق پرستش ہے، نہ زمین نہ آسمان، کائنات کی کوئی شئے نہیں، میں نے تو اپنا رُخ اللہ کی طرف کیا ہے جو کسی کا پیدا کیا ہوا نہیں ہے جو ان سب کا پیدا کرنے والا ہے۔ جو ان سب کا بنانے والا ہے۔" لاشریک لہٗ" دیکھئے یہاں سے "لا" چلا۔ "لا" کے معنیٰ؟ "نہیں" تو" اس کا کوئی شریک نہیں" یہ "لا" کی جنگ یہاں سے چلی، نمرودؔ کے مقابلے میں،" لا"۔ نمرودؔ نے کہا مجھے خدا مانو، ابراہیمؑ نے کہا۔" لا" تجھے کیا خدا مانوں گا، جب میں سورج کو خدا نہیں مان رہا ہوں، چاند کو نہیں مان رہا ہوں، ستاروں کو نہیں مان رہا ہوں جو آسمان پر بیٹھے ہیں تو تجھے کیا خدا مانوں گا۔" لا" دیکھئے یہاں سے جنگ چلی" لا" کی۔ پھر موسیٰؑ کا زمانہ آیا، اور فرعونؔ نے کہا، کہ اگر تم نے مجھے خدا نہیں مانا تو میں تمھیں جیل میں ٹھونس دوں گا۔ جیل میں بند کر دوں گا،" انا ربکم الاعلیٰ" میں ہوں تمھارا سب سے بڑا پروردگار۔ موسیٰؑ نے جواب میں کیا کہا،" لا" نہیں، غور کیا آپ نے، یہ" لا" کی تاریخ ہے، یہ اس" لا" کی تاریخ ہے جو رسالت کے ساتھ ساتھ چل رہا ہے، جہاں رسالتؐ ہاں یہ" لا"۔ عیسیٰؑ کا دور آیا، رومن امپائر نے کہا، ہم کو خدا مانو۔ عیسیٰؑ نے کہا:" لا" نہیں مانیں گے،

حضور کا زمانہ آیا، اب حضور کا زمانہ آتے آتے صورت حال یہ ہوئی تھی کہ ذہن انسانی میں اتنی بیداری پیدا ہو گئی تھی کہ انسان کم سے کم انسان کو خدا ماننے پر تیار نہیں ہو رہا تھا، وہ یہ سوچنے لگا تھا کہ جیسے میں پیدا ہوا ہوں ویسے یہ پیدا ہوا ہے، جیسے میرے ہاتھ ویسے اس کے ہاتھ، جیسے میرے پیر ویسے اس کے پیر، جیسے میں کھاتا ہوں ویسے یہ کھاتا ہے یہ میرا خدا کیسے ہو جائے گا؟ اتنی انسان کے ذہن میں بیداری پیدا ہوئی۔ آپ کو معلوم ہے کہ جتنا جتنا حفاظت کے سامان سنئے نئے ایجاد ہوتے جاتے ہیں، ویسے ویسے چور نئی نئی ترکیبیں بھی نکالتے جاتے ہیں، جتنی ادھر سے مضبوطی ہوتی ہے اتنی ہی ادھر سے بھی ترکیبیں چلتی ہیں۔ پہلے جناب، آپ نے کہا اتنا سا قفل ڈالیں گے، توڑ دیا جائے گا، اتنا بڑا تالا ڈالیں گے تو اسے کون توڑے گا؟ انہوں نے کہا ہم توڑے دیتے ہیں، ہتھوڑی کی ضرورت ہی نہیں، تیزاب ڈال دیا اس کے اندر، پرزے گل گئے، تالا نیچے گر گیا بس قصہ ختم ہو گیا، جن کو نہیں معلوم انھیں بھی میں نے یہ ترکیب بتا دی تیزاب ڈالا، قفل ڈالا، قفل کے جتنے لیور تھے سب گل گئے، تالا دھم سے نیچے گر گیا۔ نہ کوئی شور، نہ شرابہ۔ نہ توڑ نہ پھوڑ، تالا کھل گیا۔ تو جتنا جتنا آپ حفاظت کا سامان کرتے جائیں گے اتنا اتنا ادھر بھی شیطان موجود ہے ویسی ویسی وہ ترکیبیں نکالتا جائے گا۔ جب اس نے دیکھا کہ اتنی بیداری پیدا ہوئی کہ انسان انسان کو خدا ماننے پر تیار نہیں ہے۔ جب شیطان نے یہ دیکھا کہ یہ معاملہ چلنے والا نہیں ہے تو اس نے یہ ترکیب کی کہ بتوں کو آگے بٹھا دیا، مہنتوں کو پیچھے کر دیا۔ اب خدائی کس کی ہے؟ بت کیا خدائی کریں گے بچارے، ان کو بٹھلایئے تو بیٹھے ہوئے ہیں، لٹایئے تو لیٹے ہوئے ہیں، کھلایئے تو بچارے کچھ کھا نہیں سکتے، پلایئے تو کچھ پی نہیں سکتے۔ آپ نے انھیں ہنستا بنا دیا تو صبح قیامت تک ہنستے رہیں گے۔ اگر روتا ہوا بنا دیا تو صبح قیامت تک روتے ہی رہیں گے۔ اگر آپ نے ان کے دو ہاتھ بنا دئے تو صبح محشر تک وہ دو کو ایک بنا نہیں سکتے، نہ دو کو تین بنا سکتے ہیں، اور سولہ ہاتھ بنا دئے تو سولہ کے پندرہ نہیں بنا سکتے نہ سترہ بنا سکتے۔ ظاہر ہے کہ یہ بچارے تو کچھ کر نہیں سکتے تو اصلی خدا جو ہے وہ ان کے ذریعے سے خدائی کر رہے ہیں۔ مہنت وہ

پیچھے بیٹھے ہوئے ہیں۔ وہ ان کے ذریعہ سے کاروبار اپنا چلا رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ نذرانے آرہے ہیں تو وہ کھائیں گے نہیں، ان کے پیٹ میں جارہے ہیں، مٹھائیاں آرہی ہیں ان کے پیٹ میں جارہی ہیں۔ بُت خدا بنے سامنے بیٹھے ہیں۔ کاروبار دوسرے کا چل رہا ہے۔

اب حضور کا زمانہ آیا، ان کو سجدہ کیجئے، رسالت نے کہا "لا" میری جبین ان کے سامنے نہیں جھکے گی میں چال کو پہچان رہا ہوں کہ اس کے پیچھے کون ہے، غور کرتے رہئے گا، تو اس کا مطلب یہ کہ جہاں جہاں باطل الوہیت کسی بھی شکل میں سامنے آئی تو منصب رسالت کا جواب تھا "لا"۔ ابراہیم "لا" یہ موسیٰ، "نو" وہ بھی "لا" عیسیٰ، نہیں، "لا"۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ "لا"۔ اب جب شیطان نے دیکھا کہ معاملہ یہاں تک آگیا، یہاں بھی وہی "لا" چلا آرہا ہے پرانا، تو اب اس نے دوسرا چولا بدلا۔ اب تک باطل، لباس باطل میں تھا۔ حسینؑ کا زمانہ آتے آتے باطل نے اپنے چہرے پر حق کی نقاب ڈال لی۔ حسینؑ کا زمانہ آتے آتے اب الوہیت کا مسئلہ نہیں رہ گیا، الوہیت نے بشر کو غلام بنانے کے لئے ملوکیت کا لباس پہن لیا۔ بس ایک جملہ عرض کر رہا ہوں آپ کے سامنے، کہ جب باطل الوہیت کا سامنا ہو تو رسالت کا منصب ہوتا ہے "لا" کہنا، اور جب ظالم ملوکیت اسلام کے پیکر میں آجائے تو "لا" کہنا امامت کا فریضہ ہوتا ہے، جو "لا" الوہیت کے مقابلے میں ہو وہ ہے رسالت کا کام، جو "لا" باطل ملوکیت اور شہنشاہیت کے خلاف ہو، یہ "لا" کہنا کام ہوتا ہے امام کا۔ یہ میں نہیں کہہ رہا ہوں، اسی راز کو علامہ اقبال بہت پہلے سمجھ چکے تھے۔ انھیں سے میں نے یہ خیال لیا ہے، پہلے آپ ارباب کے معنی سمجھ لیجئے۔ یہ الفاظ بھی بڑے چکر ڈال دیا کرتے ہیں، ایک لفظ ہے اس کے معنی یہاں کچھ، وہاں کچھ، زبان و مکان کے بدلنے کے ساتھ ساتھ الفاظ کے معنی بدل جاتے ہیں۔ ہمارے ہندوستانی پاکستانی بھائی جب کسی عرب ملک میں جاتے ہیں، کویت جاتے ہیں، بحرین جاتے ہیں تو وہاں ان کا جو مالک ہوتا ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟ "ارباب"۔ ارباب عربی گرامر کے اعتبار سے رب کی جمع ہے جو آپ ایک کے لئے استعمال کر رہے ہیں، تو ارباب کا ہے کی جمع ہے؟ رب کی جمع۔ قرآن

قرآن پڑھ دوں آپ کے سامنے۔ حضرت یوسف جب قید تھے قید خانے میں تو کیا فرمایا تھا؟ اپنے ساتھی سے جو خواب بیان کر رہا تھا کہ "ارباب متفرقون ام اللہ الواحد القہار" کیا یہ متفرق خدا، متفرق رب یہ بہتر ہیں کہ ایک خدا تمہارا بہتر ہے، تو ارباب کا ہے کی جمع ہے، رب کی جمع۔ یعنی بہت سے خدا، رب ایک خدا، ارباب؟ بہت سے خدا۔ اب علامہ اقبال کیا کہتے ہیں۔ دیکھئے وہی "لا" جو زبانِ ابراہیم پر تھا، وہی لا جو زبانِ موسیٰ پر تھا، وہی "لا" جو زبانِ عیسیٰ پر تھا، وہی "لا" جو زبانِ محمد عربی پر تھا۔ اسی "لا" کیلئے اقبال کہتے ہیں کہ:-

؎ تیغ "لا" چوں از میاں بیروں کشید — از رگ اربابِ باطل خوں کشید

وہی "لا" کہ جو ابراہیم کی زبان پر تھا، وہی "لا" کہ جو موسیٰ کی زبان پر تھا، وہی "لا" کہ جو عیسیٰ کی زبان پر تھا، وہی "لا" کہ جو حضورؐ کی زبان پر تھا۔ وہی "لا" حسینؑ کی زبان پر تھا۔ فرق اتنا تھا کہ ربوبیت کا دعویٰ وہی تھا فقط اس نے ملوکیت کا پیکر اختیار کر لیا تھا تو میرے عزیزوں جب تک مندروں میں بُت رہیں گے، ہم اشھد ان لا الٰہ الا اللہ کہنے کے لئے مجبور ہیں اور جب تک درباروں میں پارلیمنٹس میں سینیٹس، کانگرس میں "نات انڈین نیشنل کانگرس"، وہ تو بہت چھوٹی سی ہے۔ ایک اور کانگرس ہے جو واشنگٹن میں ہے، سمجھ رہے ہیں آپ، تو اس کانگرس کے اندر جب تک وہ ظالم و جابر بیٹھے ہیں کہ جو کبھی ملوکیت کی عبا پہن لیتے ہیں کبھی جمہوریت کا لباس پہن لیتے ہیں کبھی جمہوریت کا لباس پہن لیتے ہیں۔ مگر مقصد صرف ایک ہوتا ہے کہ غریبوں کو پنپنے نہ دو۔ کمزوروں کو اٹھنے نہ دو ضعیفوں کا خون چوسو ہر جگہ جم کر بیٹھ جاؤ، حقوق انسانی مسلّم ہیں مگر انسان وہی ہے کہ جو ہمارے در کی جبیں سائی کرے، جو ہماری غلامی سے انکار کر دے وہ انسان نہیں ہے تو جب تک یہ عناصر موجود ہیں اس وقت تک کربلا کا ذکر ضروری ہے۔ اس لئے کہ کربلا مظلوم کی طاقت کا نام ہے، کربلا کمزور کی طاقت کا نام ہے، کربلا ایٹم کی طاقت کا نام نہیں ہے ایمان کی طاقت کا نام ہے۔ میں آپ سے معذرت چاہتا ہوں، اپنی کوتاہی کا اقرار کرتا ہوں، اپنی غلطی کے لئے بارگاہ اہلِ بیت میں معافی چاہتا

ہوں، آپ سے معافی چاہتا ہوں، ہمارے یہاں مجلسوں کا جو پیٹرن ہے، بہت مفید ہے، بہت اچھا ہے سب کچھ ہے، میں اس پر کوئی تنقید نہیں کرنا چاہتا مگر بس میں اتنا بتانا چاہتا ہوں کہ جہاں کے لوگوں نے کربلا کے پیغام کو صحیح طریقے سے پہنچایا، وہاں "حزب اللہ" کھڑا ہو گیا یہ چھوٹا سا گروہ "حزب اللہ"، اللہ کی پارٹی، پارٹی آف اللہ، یہ کون ہیں؟ یہ یہی حسینؑ کا ماتم کرنے والے ہیں، یہ یہی حسینؑ پر آنسو بہانے والے ہیں، یہ یہی حسینؑ پر گریہ کرنے والے ہیں۔ میں کسی پر تنقید نہیں کرنا چاہتا، مگر ساری دُنیائے عرب آج اسرائیل کی جوتیاں چاٹ رہی ہے۔ مگر یہ جنھوں نے حسینیت کو سمجھا، جیسے کہ ابھی پڑھ رہے تھے ہمارے بھائی سوز میں کہ "ترے ماننے والے ہیں بہت لیکن ترے پہچاننے والے کم ہیں"، تو جنھوں نے پہچان لیا تھا حسینؑ کو۔ اسرائیل کو رُلا رہا ہے کوئی تو یہی اہلِ گریہ کن۔ اگر اسرائیل پریشان ہے کسی سے تو اسی سے پریشان ہے۔ اگر قابو میں نہیں آرہے تو یہی جیالے۔ اگر چھٹی کا دودھ یاد دلا رہے ہیں اسرائیل کو تو یہی جیالے ہیں، میں کہتا ہوں کہ ان چند جیالوں نے حسینیت سے سبق حاصل کر کے اگر اسرائیل کو چھٹی کا دودھ یاد دلا دیا ہے تو پورا عالم اسلام اگر حسینیت سے درس حاصل کر لے تو دنیا کی کون سُپر پاور ہے جو مملکت اسلامی کے سامنے ٹک سکے۔ تو کربلا باطل کے سامنے نہ جھکنے کا نام ہے، کربلا وہ ہی "لا" ہے، ابراہیم والی "لا"، موسٰیؑ اور عیسٰیؑ والی "لا"، آج یہی "لا" آپ کو سپر پاور کے سامنے بلند کرنا ہے، "لا" (نعرہ) کتنے مسلمان ہیں کہ جنھوں نے کربلا سے یہ سبق حاصل کیا ہے، تو اس لئے یہ ذکر اس وقت تک ہوتا رہے گا جب تک ظالم حکمراں موجود رہیں گے۔ جب تک خون چوسنے والے موجود رہیں گے اس وقت تک یہ ذکر ہوتا رہے گا، کبھی تو بیداری پیدا ہو گی۔ کبھی تو احساس قوت ہو گا، کبھی تو کربلا کی داستان سے ہم سبق لیں گے۔ تو یہ ذکر ہوتا رہے گا، اور جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا کل آپ کے سامنے کہ ذکر تو مشیت الٰہی ہے۔ انبیاء سے اتر کر آیئے، سورۂ ابراہیمؑ سورۂ یوسفؑ۔ ایک جملہ عرض کروں آپ کے سامنے، سورۂ یوسفؑ میں کیا ہے؟ سورۂ یوسفؑ میں عصمت و پاکیزگی کی معراج دکھائی گئی ہے۔ خلاصہ سورۂ یوسفؑ کا یہ ہے کہ جس کے دل میں

عشق الٰہی ہوتا ہے۔ میرے جملے نہیں ہیں، سُن لیجئے بھائی، غور سے سُن لیجئے۔ آج کل بڑے عشق کے معاملات چل رہے ہیں آج کل بڑے لَو افیرز چل رہے ہیں، حالانکہ بچو! لَو سے دور رہنا، یہ لَو نہیں ہوتا ہے یہ بلف ہوتا ہے۔ میری زندگی گزری ہے نکاح پڑھتے اور طلاق پڑھتے۔ سمجھ رہے ہو بچو! سمجھ لو۔ آج کل یہ معاملات بہت چل رہے ہیں، امام جعفر صادقؑ سے کسی شخص نے یہ سوال کیا کہ مولا یہ بتائیے کہ لوگ کسی پر عاشق کیوں ہو جاتے ہیں؟ کوئی لڑکا، بُرا تو نہیں مانئے گا بدنام ہو جاتے ہیں بچارے لڑکے۔ یہ میری زندگی کا تجربہ ہے بھائی۔ بدنام ہوتے ہیں لڑکے کہ لڑکا لڑکی پر عاشق ہو گیا۔ بات ہوتی ہے اُلٹی، جس کو علّامہ آرزو نے کہا ہے کہ ؎

حُسن و عشق کی لاگ میں اکثر چھیڑ اُدھر سے ہوتی ہے
شمع کا شعلہ جب لہرایا اُڑ کے چلا پروانہ بھی

تو پروانے تو بعد میں جلتے ہیں۔ شمع کا شعلہ پہلے لہراتا ہے اور وہاں یوسفؑ کے واقعہ میں بھی یہی ہوا تھا سورۂ یوسف میں، وہاں بھی یہی صورت حال ہوئی تھی۔ شمع کا شعلہ پہلے لہرایا تھا۔ بھائی صاحب، مگر۔ عرض کر رہا ہوں آپ کے سامنے کہ امام جعفر صادق علیہ السّلام سے کسی نے پوچھا کہ فرزند رسولؐ! یہ آدمی کسی پر عاشق کیوں ہو جاتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ جب دل اللہ کے عشق سے خالی ہوتے ہیں تب بندوں کے عشق میں گرفتار ہوتے ہیں۔ تو میرے بچو! اگر اس وبال سے بچنا ہے، اور اس وبا سے بچنا ہے، اگر اس جال سے بچنا ہے تو عشق الٰہی اپنے دل میں پیدا کرو، عشق الٰہی جب تمہارے دل میں پیدا ہو جائے گا تو دوسرے کے عشق کی جگہ ہی نہیں رہ جائے گی۔ عشق الٰہی جس کے دل میں نہیں ہوتا وہاں زلف و کاکل کی، معاشقوں کی داستان میرے عزیزو سُنائی دیتی ہے، اب میری آواز، میری بچیاں، میری بہنیں بھی تو سُن رہی ہیں میں زیادہ تصریح میں تو نہیں جا سکتا ہوں لیکن اک ایسی منزلِ امتحان آگئی کہ جہاں کوئی ٹِک نہیں سکتا تھا، کوئی نہیں ٹِک سکتا تھا، اک ایسی منزلِ امتحان آگئی۔ دروازے بند، حُسن کا پیکر نظروں کے سامنے، اِدھر حُسن، اُدھر عشق۔ لیکن جناب یوسفؑ اس منزلِ امتحان سے یوں گزرے کہ دامنِ عصمت پر

گرد بھی نہ پڑنے پائی۔ دامن عصمت پر گرد بھی نہ پڑنے پائی اور سُن لیجئے بھائی کہ مجازی عشق کا انداز یہی ہوتا ہے کہ جب تک خیریت ہے تب تک خیریت ہے، خطرہ ہوا اور سارا عشق و شوق رخصت ہو جاتا ہے۔ قرآن یہ بتا رہا ہے تھوڑی دیر کے بعد اس کا شوہر آگیا۔ تو ابھی تک عاشق تھیں زلیخا، اب سارا الزام یوسفؑ پر رکھ دیا۔ وہ تو کہئے کہ وہاں پر ایک معصوم موجود تھا۔ اک معصوم کو بچانے کے لئے ـــــ سن و سال کے اعتبار سے ایک معصوم۔ مگر آپ یہ سمجھ لیجئے کہ جب عصمت نبوت خطرے میں پڑتی ہے تو گہوارے کے بچے بولنے لگتے ہیں۔ معذرت چاہتا ہوں علمائے کرام سے۔ سب نے یہاں غلطی کی ہے، کم از کم میں نے جو جو ترجمے پڑھے ہیں وہاں ہاں مجھے غلطی نظر آئی ہے۔ بشر سے غلطیاں ہوتی ہیں، مجھ سے خود سینکڑوں غلطیاں ہوتی ہیں۔ قرآن کہتا ہے۔ وشهد شاهدٌ من اهلها ۔ ۔ ۔ ۔ ہر آدمی نے ترجمہ کیا ہے کہ ایک گواہ نے گواہی دی۔ نہیں شہادت کے معنی یہاں گواہی کے نہیں ہیں، شہادت معنی عربی زبان میں دو آتے ہیں، گواہی دینا اور فیصلہ کرنا۔ اب ہم کیسے سمجھیں کہ یہاں پر "شهد" کے معنی گواہی کے ہیں یا فیصلے کے ہیں؟ سیاق و سباق بتائے گا۔ گواہی میں واقعہ بیان کیا جاتا ہے، استدلال نہیں کیا جاتا۔ ایک گواہ جب گواہی دیتا ہے، شہادت دیتا ہے، انہوں نے کہا یہ دیکھا، یہ دیکھا، یہ دیکھا۔ قصہ ختم ہو گیا۔ جب جج بیٹھتا ہے فیصلہ کرنے کے لئے تو اس کو آرگومنٹ دینا پڑتا ہے کہ یہ فیصلہ میں اس لئے کر رہا ہوں، یہ دلیل ہے، یہ دلیل ہے، تو اب دیکھئے کہ وہ بچہ کیا کہہ رہا ہے؟ وہ بچہ کہہ رہا ہے کہ دیکھو دامن یوسفؑ آگے سے چاک ہے؟ اگر دامن یوسف آگے سے پھٹا ہوا ہے تو اس کا مطلب یہ کہ یوسفؑ زیادتی کر رہے تھے اور چھینا جھپٹی میں دامن پھٹ گیا اور اگر دامن یوسف پیچھے سے پھٹا ہے تو سمجھو کہ وہ تو بھاگ رہے تھے۔ پیچھے سے دامن پکڑ کر کسی نے کھینچا ہے تبھی تو یہ دامن پھٹا ہے تو بات چونکہ وہ آرگومنٹ دلیل کے ساتھ ہے اس لئے گواہی نہیں ہے، یہ فیصلہ ہے۔ چونکہ دلیل کے ساتھ ہے اس لئے فیصلہ ہے۔ یہ بات میں آپ کے سامنے اس لئے عرض کر رہا ہوں میرے عزیزو! کہ یہ عظمت و طہارت و پاکیزگی کا پورا واقعہ ایک سورہ میں بیان کیا گیا ہے

جس کا نام ہے سورۂ یوسف، اس کے علاوہ دوسرا واقعہ ہی نہیں، کوئی دوسری بات ہی نہیں پوری یوسفؑ کی داستان، جناب یوسفؑ کی داستان۔ غور کیجئے گا جو بات آپ کے سامنے کہہ رہا ہوں یہ جسارت ہے حضورؐ کریم آپکی بارگاہ میں۔ آج کل شیطان رشدی پھر کود رہا ہے، پھر اس کے بیانات آرہے ہیں ... رہے کے، پھر وہ حضورؐ کے دامن عصمت پر داغ لگانے کی کوشش کر رہا ہے۔ اب وہ بیان دے رہا ہے کہ بہت سے مسلمان میرا ساتھ دے رہے ہیں تو مسلمانوں نے کب کس کا ساتھ نہیں دیا۔ یہ تو مسلمانوں کی تاریخ ہے کوئی نئی بات تھوڑی ہے۔ پھر مجھے اقبال یاد آگئے کہ ؎

یک حسین نیست کو گردد شہید
ورنہ بسیار اند در دنیا یزید

کوئی نئی تاریخ تھوڑی ہے، ساتھ دے رہے ہوں گے، جیسی روح، ویسے فرشتے۔ تو جیسا وہ مسلمان ویسے ہی مسلمان، تو حضور والا پیغمبرؐ کے دامن عصمت پر داغ لگانے کی کوشش ہو رہی ہے تو میں آپ سے ایک نفسیاتی بات کہنا چاہتا ہوں کہ آپ مجھے بتائیں، معاذ اللہ، استغفراللہ کہ کوئی آدمی جو "لوز کیرکٹر" کا ہو، اور وہ یہ داستان عصمت یوسف بیان کرے تو زبان لڑکھڑائے گی کہ نہیں لڑکھڑائے گی؟ اپنا کردار یاد آئے گا، زبان میں لڑکھڑاہٹ پیدا ہو جائے گی، یہ سورہ نازل ہو رہا تھا، پیغمبرؐ نے کہا معبود، معبود۔ سارے سورے سنا دوں گا یہ نہ سنا پاؤں گا، اس میں تو خود میری گور دب رہی ہے، معاذ اللہ، یعنی جس وقت پیغمبرؐ نے یہ سورہ سنایا اس وقت کسی مشرک نے کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ ہوتا ہے نبوت کا کردار اور آپ کا کردار کیا ہے؟ تو پیغمبر کا یہ سورہ سنانا، زبان کا نہ لڑکھڑانا، کسی کا پیغمبرؐ پر اعتراض نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ دامانِ یوسفؑ پر جو گرد نہیں پڑ سکی تھی وہ یہاں بھی نہ پڑی۔ پیغمبرؐ کا دامن بھی اس گرد سے بہت پاک تھا۔ بس برادران عزیز۔ تو قرآن مجید نے انبیاء کا ذکر کیا، مرسلین کا ذکر کیا، اولیاء کا ذکر کیا، پیغمبروں کی تاریخ بتائی، اور پیغمبروں کی تاریخ کیا ہے؟ مصیبتوں کی تاریخ، آپ بتائیں کہ کسی پیغمبر کو سکون ملا؟ مجمع

میرے سامنے بیٹھا ہوا ہے، کسی پیغمبر کو سکون ملا؟ حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ کیا ہوا؟ بارہ حواری وہ بھی رفو چکر، حضرت موسیٰؑ کے ساتھ کیا ہوا؟ یہ داستان عبرت ہے، آپ دیکھئے کہ انسان کو راہِ ہدایت پر لانا کتنا مشکل ہوتا ہے اور راہِ ہدایت سے گمراہ کر دینا کتنا آسان ہوتا ہے۔ ارے بھائی سارا واقعہ قرآن میں ہے۔ فرعون کے مظالم سے بنی اسرائیل کو نجات دی ہے۔ سمندر پار کرایا ہے، فرعون ڈوبا ہے، فرعون کا لشکر ڈوبا ہے، بنی اسرائیل حکومت کے وارث بنے ہیں معمولی بات ہے یہ، اے لیجئے جناب، بس وہ پانی کے اس پار گئے تھے کہ دین اسی پار رہ گیا۔ پڑھیئے قرآن کو۔ ارے بھئی کمبختو، ابھی ابھی تم نے اتنا بڑا معجزہ دیکھا ہے، فرعون کو ڈوبتے ہوئے دیکھا۔ فرعون کو ہلاک ہوتے ہوئے دیکھا ہے، لشکر کو ہلاک ہوتے ہوئے دیکھا ہے، قرآن مجید کہتا ہے کہ جیسے ہی اس طرف پہنچے، وہاں ایک قوم تھی جو بتوں کی پوجا کرتی تھی، اب قرآن کہتا ہے کہ جیسے ہی ان کو دیکھا کہ بتوں کی پوجا ہو رہی ہے، بتوں کی پوجا ہو رہی ہے، بتوں کی پرستش ہو رہی ہے ویسے ہی، بنی اسرائیل نے، ابھی ابھی بچے ہیں، ابھی ابھی دشمن ڈوبا ہے۔ اے موسیٰ، ہمارا خدا بھی ایسا ہی بنا دیجئے۔ "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡن" آپ بتائیے کہ موسیٰ کے دل پر کیا گزری ہوگی؟ کمبختو، تم کو اتنی مصیبتوں سے نجات دی ہے، تم کو راہِ ہدایت بتائی ہے، تمہارا جو خدا بنا ہوا بیٹھا تھا اس کو ڈوبتے ہوئے دکھایا اور نکلتے ہی باہر پہلی فرمائش یہ کہ "ہمارا بھی خدا ایسا ہی بنا دیجئے جو ہم کو دکھائی دے۔" تو ہر نبی کی داستان قرآن مجید نے پیش کی ہے جو مصیبتوں کی داستان ہے، جناب داؤد کا واقعہ پیش کیا، یہ بنی اسرائیل کی داستان کا ایک اور ٹکڑا ہے جس میں انہوں نے کہا کہ ہم پر بڑے مظالم ہو رہے ہیں آپ کسی بادشاہ کو ہمارے لئے معین کر دیجئے، اپنے زمانے کے نبی سے، یہ سب داستان قرآن مجید میں ہے، تو اب اس نبی نے کہا کہ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ اللہ تم پر قتال کو واجب کر دے اور پھر تم رفو چکر ہو جاؤ؟ کہا، ایسا کیسے ہوگا، ہم کو مارا جا رہا ہے، پیٹا جا رہا ہے، ہماری عورتوں کی عصمتیں بھی لوٹی جا رہی ہیں، بچے مارے جا رہے ہیں، کیسے ہوگا؟ خود ان کے مطالبے کے بعد جب

اللہ نے فیصلہ کیا کہ اللہ نے تمھارے لئے طالوت کو بادشاہ بنادیا چلو انھیں کی کمان میں لڑو۔ وہیں سے پھسل گئے۔ یہ طالوت کیسے ہمارے بادشاہ ہو سکتے ہیں۔ یہ ڈیرے تو ہیں نہیں۔ یہاں تو ڈیروں سے بڑھ کر کوئی ترجمہ ہی نہیں ہے، دیکھئے وڈیروں کا مطلب یہ ہے کہ ان کے ساتھ میں لگا ہے "ڈیرا" وہ ایک جگہ سے ڈیرہ اٹھاتے ہیں اور دوسری جگہ ڈیرہ لگالیتے ہیں۔ بہرحال مختصر یہ کہ امتحان ہوا، امتحان ہوا تو رفو چکر، وہ تو کہیے کہ خیریت سے داؤد موجود تھے کہ ایک داؤد کی وجہ سے جنگ فتح ہو گئی اور انہوں نے جالوت کو جو ایک ظالم بادشاہ تھا قتل کر دیا۔ یہ ساری داستانیں قرآن مجید نے بیان کی ہیں۔ کیوں بیان کی ہیں؟ میں اس منزل کے اوپر اپنے دوست اور اپنے بھائی اور بہت بڑے سنّی دیو بندی اسکالر جناب ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک کی رائے سے کماں اتفاق کرتا ہوں۔ آپ نے اس سال ان کی تقریر کو تیرہ رجب کے جلسے میں سماعت فرمایا ہوگا۔ نشتر پارک میں جو جلسہ ہوا تھا، بیس سال سعودی عرب میں پروفیسر رہ چکے ہیں۔ بہت قابل آدمی ہیں، بہت پڑھے لکھے آدمی ہیں، زبردست اسکالر ہیں۔ انہوں نے انوار القرآن میں جو بات لکھی ہے میں اس سے سو فیصد متفق ہوں۔ انھیں نے تحریر فرمایا ہے کہ ساری داستانیں قرآن مجید میں اس لئے دہرائی گئی ہیں کہ جس داستان کو پڑھو، معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبرؐ کی داستان پڑھی جارہی ہے۔ غور فرمایا آپ نے "تاریخ اپنے کو دہراتی رہتی ہے" صحیح فرمایا ہے انہوں نے جس واقعہ کو پڑھئے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر کی زندگی کا ایک چیپٹر ہے جسے ہم پڑھ رہے ہیں۔ بڑی غلط فہمیاں ہیں اور یہ ساری غلط فہمیاں کیوں ہیں؟ یہ ساری غلط فہمیاں اس لئے ہیں کہ مسلمان اللہ کے نام پر بھی ایک ہونے کو تیار نہیں ہے۔ اللہ کے نام پر بھی ایک ہونے کو تیار نہیں ہیں، یہ سنّی کی مسجد ہے، یہ شیعہ کی مسجد ہے، یہ بریلوی کی مسجد ہے، یہ دیو بندی کی مسجد ہے، یہ اہلِ حدیث کی مسجد ہے یہ اہلِ قران کی مسجد ہے۔ اللہ بچارہ اتنا غریب ہو گیا کہ اب اس کی کوئی مسجد نہ رہ گئی۔ اللہ اکبر ۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ۔ اس کا بچارے کا انتقال ہو گیا۔ وہ اب نہیں رہ گیا، جب انتقال ہو جاتا ہے تو اولادوں میں جائداد تقسیم ہو جاتی ہے۔ ایک بیٹا تھا بریلوی ایک مسجد وہ

لے گیا، ایک بیٹا تھا شیعہ ایک مسجد وہ لے گیا، ایک بیٹا تھا دیوبندی ایک مسجد وہ لے گیا، اللہ کا ہو گیا انتقال، یہ بڑی گہری سازش ہے۔ یہ جو اللہ کے نام پر مسلمان ایک ہو سکتے تھے۔ مسجدیں الگ الگ کر دینا بڑی گہری سازش ہو گئی۔ کیا ہوا کہ اب شیعہ جانتے ہی نہیں کہ سُنّی کیا ہیں؟ سُنّی جانتے ہی نہیں کہ شیعہ کیا ہیں؟ ان کے مولویوں نے جو کہہ دیا سنّیوں کے بارے میں، انہوں نے کہا ہاں بھئی مولوی صاحب کیسے غلط کہہ سکتے ہیں، ان کے مُلّا نے جو کہہ دیا شیعوں کے بارے میں، مُلّا جی کیسے غلط کہہ سکتے ہیں، مُلّا ہی جی تو غلط کہیں گے، خبر لوں گا کل پرسوں انشاءاللہ مُلّاؤں کا تو میں دشمن ہوں آپ جانتے ہیں، کل پرسوں خبر لوں گا۔

تو اب یہ مسجدوں کے الگ الگ ہونے سے نمازیں الگ الگ ہو گئیں۔ جماعتیں الگ الگ ہو گئیں۔ وہ ایک مسجد جو مرکزِ اتحاد تھی وہ بھی ختم ہو گئی۔ قصہ ختم ہو گیا۔ اب لڑتے رہیے۔ میں پہلے اپنا تصور بتا رہا ہوں، شیعوں کا سنّیوں کے بارے میں، شیعوں کو نہ معلوم کیا کیا غلط فہمیاں ہیں، یہ گیپ آف کمیونیکیشن کا نتیجہ ہے میرے بھائیو! پھر آپ کو یاد دلاتا ہوں کہ بہت دن نہیں گزرے ہیں، رجب سے محرم صرف چھ مہینے کا فاصلہ ہے، چھ مہینے ابھی پورے بھی نہیں ہوئے۔ یہی تیرہ رجب، یہی جشنِ مولودِ کعبہ، یہی ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک، دیوبندی مگر اسکالر۔ دیوبندی مسلک سے مجھے کوئی شکوہ نہیں مُلّاؤں سے شکوہ ہے۔ اسکالر، پڑھے لکھے آدمی۔ مسائل کو سمجھتے ہیں۔ میں پوری بات تو بیان ہی نہیں کروں گا۔ تھوڑی سی بات بیان کروں گا، بقیہ آپ سننا چاہیں تو انکی ریکارڈنگ موجود ہے، نقل۔ آپ ان کی تقریر کو سماعت کریں، کیا پوری تقریر کی ہے، کیا عالمانہ تقریر کی ہے کیا فاضلانہ تقریر کی ہے، دیکھیے سُنّی کیا ہوتے ہیں۔ آپ کو معلوم تھا، سُنّی یہ ہوتے ہیں۔ ایک سُنّی اسکالر کہہ رہا ہے جو بیس سال تک سعودیہ میں یونیورسٹی میں پروفیسر رہا ہے، معمولی آدمی ہے! عربی زبان پر کمانڈ ہے اس کو۔ اردو کی کتابوں سے اس نے اسلام کو نہیں سمجھا ہے اوریجنل سورسز سے اس نے اسلام کو سمجھا ہے۔ وہ اپنا واقعہ بیان کرنے لگے کہ میں کراچی یونیورسٹی میں تقریر کر رہا تھا کہ دورانِ تقریر میرے پاس ایک پرچہ آیا کہ آپ کا جنابِ یزید کے بارے میں کیا خیال ہے؟

مَیں نے پرچہ پھینک دیا کیوں بھائی آپ بتائیے گا، آپ تو بھول جاتے ہیں۔ دوبارہ پرچہ آیا انہوں نے پھر پھینک دیا۔ تیسارہ انہوں نے جو کچھ کہا، وہ میں دُہرانا نہیں چاہتا۔ وہ ریکارڈنگ میں آپ سُن لیجئے۔ جو میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں وہ آپ نہیں جانتے، تو انہوں نے اسی دوران تقریر میں یہ کہا کہ ایک اسکالر کہہ رہا ہے، ریکارڈنگ ہو رہی ہے۔ اس ریکارڈنگ سے لفظ ملا لیجئے گا۔ میں نے کہا ناکہ شیعوں کو بڑی غلط فہمیاں ہیں۔ پتہ نہیں کیا اُلٹی سیدھی باتیں سمجھتے ہیں اہل سنّت حضرات کے بارے میں۔ ایک اسکالر یہ کہہ رہا ہے کہ تمام مسالک اہلِ سنّت کا اس بات پر اتفاق ہے۔ یعنی، یہ میرے الفاظ ہیں، حنفی ہوں، شافعی ہوں، مالکی ہوں، دیوبندی ہوں، بریلوی ہوں، مقلد ہوں، غیر مقلد ہوں، اہلِ حدیث ہوں، اہلِ قرآن ہوں، جتنے مسالک ہیں اہلِ سنّت کے، اب پھر یہاں سے کوٹ ' اصل الفاظ ڈاکٹر غلام مرتضیٰ فرماتے ہیں کہ تمام مسالک اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کوئی بھی دور ہو، کوئی بھی زمانہ ہو، کوئی بھی شخصیت ہو، جب بھی کوئی علیؑ کے مقابلے میں آیا تو حق ہمیشہ علیؑ کے ساتھ تھا۔" ریکارڈنگ موجود ہے سُن لیجئے۔ یہ ہیں سُنّی، آپ کیا سمجھتے تھے؟ دیکھا آپ نے سُنّی کیا ہوتے ہیں؟ سُنّی بھی نہیں بلکہ دیوبندی کیا ہوتے ہیں؟ کہنے لگے کہ جو بھی علیؑ کے مقابلے میں آیا تو حق ہمیشہ علیؑ کے ساتھ رہا۔ تو ہمارے ان کے درمیان فرق ہی کیا رہ گیا؟ تو بس قصہ ختم ہو گیا۔ دیکھئے میں یہی آپ سے کہتا ہوں کہ، ابھی انشاء اللہ آگے میں عرض کروں گا آپ کے سامنے، کہ تعلیم کو پھیلائیے تعلیم کو۔ جہالت کو مٹائیے جہالت کو۔ جب تک آپ جہالت کو نہیں مٹائیں گے، پاکستان سے فسادات ختم نہیں ہوں گے، یہ جہالت کی پیداوار ہیں۔ امریکہ میں اہلسنت حضرات کی سب سے بڑی تنظیم ہے جس کا نام ہے " اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکہ" جس کا مخفف ہے (ISNA) حضرات اہلِ سنّت سماعت فرما رہے ہیں آپ ان سے پوچھ لیجئے۔ سب سے بڑی تنظیم ہے امریکہ میں حضرات اہلِ سنت کی (ISNA) اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکا۔ ان کا ایک جریدہ نکلتا ہے، اس کا نام ہے "مینیرٹ"، مینیرٹ میں جب میں امریکا میں تھا تو یہ آرٹیکل میں نے اپنی آنکھوں سے پڑھا کہ علیؑ کی امامت اور خلافت میں شیعوں اور سنیوں میں اختلاف ہے۔ ہے، ٹھیک ہے، ہے،

ولایت میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے، اب وہ لکھتے ہیں کہ علیؑ کو ولی وہ بھی مانتے ہیں علیؑ کو ولی ہم بھی مانتے ہیں تو کون سی مصیبت پھٹ پڑے گی اگر لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کے ساتھ ساتھ شیعوں کا دل جیتنے کے لئے علی ولی اللہ بھی کہہ دیں۔ بھیا خدا کے لئے تعلیم کو پھیلائیے، علم کو پھیلائیے، دوسروں کے ساتھ آپ ایڈجسٹ کریں گے، یہ دنگے ختم ہوں گے۔ لیکن صورت حال کیا ہے؟ دنگے ہوتے ہیں، پاکستان میں، کیا مذہب کی اس میں خطا ہے؟ کیا مجلسوں کی اس میں خطا ہے؟ ایک جملہ کہہ رہا ہوں، سمجھئے تو سمجھئے، نہ سمجھئے تو میں اس کا ذمہ دار نہیں ہوں، میں کسی پر کبھی ڈائرکٹ اٹیک نہیں کرتا۔ میں تو اصول کی بات کہتا ہوں آپ کے سامنے۔ یہ بتائیے کہ حکومت کوئی بری چیز ہے؟ نہیں ہے نا بُری چیز۔ پاک و پاکیزہ سیاست کوئی بری شئے ہے؟ ہاں میں، مگر اتنی بڑی بڑی جنگیں کیوں ہوئیں؟ حکومتوں کی خطا نہیں تھی، سیاست کی خطا نہیں تھی۔ ایک جملہ سُنئے۔ بیچ میں منڈی آگئی۔ جہاں بیچ میں منڈی آتی ہے وہیں جھگڑا ہوتا ہے تو مجلسوں کو بھی منڈی ہونے سے بچائیے۔ بولیاں نہ لگیں یہاں، بیچا نہ جائے کسی کو، بیچے نہیں کوئی اپنے آپ کو، کچھ نہیں ہوگا۔ میرے ایک دوست ہیں لکھنؤ میں، جو دوسرے فرقے سے تعلق رکھتے ہیں میرے بہت اچھے دوست ہیں مگر ذرا سا کڑوے ہیں تو ان سے کسی نے کہا بھائی آپ ذرا زبان سنبھال کے بات کیا کیجئے۔ ایسی بات چیت کیوں کرتے ہیں جس سے مسلمانوں کے اتحاد کو نقصان پہنچتا ہے تو رائے بریلی کے اسٹیشن پر یہ گفتگو ہو رہی تھی۔ صاف انہوں نے کہا کہ صاحب مسلمانوں کا اتحاد دیکھیں کہ اپنے مُرغے دیکھیں۔ صاف کہہ دیا انہوں نے۔ تو بھیا، جہاں منڈی ہوئی، پیسہ بیچ میں آیا، مارکیٹ ہوئی اور جنگ ہوئی۔ نہ کیجئے ایسا، اس کے تقدس کو برقرار رکھئے۔ یہ سیدہؑ کی امانت ہے، یہ زینبؑ کی امانت ہے، یہ زین العابدینؑ کی امانت ہے۔ یہ ان سبیوں کی امانت ہے جن کے ہاتھ پس گردن سے بندھے ہوئے تھے۔ یہ اس بیمار کی امانت ہے کہ جس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پیروں میں بیڑیاں تھیں، گلے میں طوق خاردار تھا۔ یہ سکینہؑ کی امانت ہے۔ بس عزاداران حسینؑ وقت گزر گیا۔ بی بی سیدہ آپ سے معذرت چاہتا ہوں۔ کل سے انشاء اللہ

یہ تقصیر نہیں ہوگی۔ کل سے کچھ بھی ہو مصائب کا حصہ ضرور بڑھاؤں گا۔ بعض وقت موضوع ایسا پھیل جاتا ہے کہ وقت ختم ہونے لگتا ہے۔ شہزادی آپ سے معافی چاہتا ہوں۔ کل سے یہ تقصیر نہیں ہوگی۔ آج پھر مجبور ہو رہا ہوں مصائب میں اختصار کے لئے۔

آج محرم کی دوسری تاریخ ہے، آج آپ ایک غریب کا حال سنتے ہیں، کوفے کا غریب، مسلم کی عمر کیا تھی؛ عباسؑ سے بھی تو چھوٹے تھے۔ عباسؑ کی عمر کربلا کے میدان میں ۳۲ سال اور مسلم کی عمر کوفہ میں ۲۸ سال۔ ۲۸ سال کا تو بوڑھوں کی نظر میں بچہ کہا جاتا ہے۔ امام حسینؑ نے جب بھیجا ہے اپنے اس بھائی کو تو یہ کہہ کے بھیجا تھا کہ اے کوفہ والو! تمھارے مسلسل اصرار پر تمھاری طرف بھیج رہا ہوں اپنے چچا زاد بھائی اور معتمد علیہ کو۔ یہ مجھے حالات کی خبر دیں گے اس کے بعد میرا فیصلہ ہوگا۔ اٹھارہ ہزار لوگوں نے بیعت کر لی۔ میرے عزیزو! میں آپ سے اپنی کمزوری بتا رہا ہوں، میں ۱۹۶۲ء سے کراچی آرہا ہوں مسلسل۔ لیکن مجھے اب بھی کراچی کے راستے یاد نہیں یاد ہیں۔ کیوں نہیں یاد ہیں؟ بات بتاؤں آپ کو۔ واقعی مجھے کراچی کے راستے یاد نہیں ہیں۔ اس لئے یاد نہیں ہیں کہ میں اکیلا کبھی نکلتا ہی نہیں ہوں، جب نکلا کوئی نہ کوئی لے کے جاتا ہے۔ جب کوئی لے کے جاتا ہے تو مجھے یاد کرنے کی راستوں کی زحمت ہوتی ہی نہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ جہاں لوگوں کی عزت ہوتی ہے احترام ہوتا ہے، راستہ بتلانے والے لوگ ہوتے ہیں، وہاں انسان کو راستے یاد نہیں ہوتے۔ یہ جو مسلمؑ کے بارے میں جو آپ سُنا کرتے ہیں کہ مسلمؑ کوفہ کے راستوں سے واقف نہیں تھے۔ اس کی علت بھی معلوم ہے آپ کو۔ اگر مسلم تن تنہا ایک پردیسی کی حیثیت سے آئے ہوتے تو شائد راستے یاد ہو گئے ہوتے۔ مگر یہاں تو استقبال تھا، ہزاروں افراد ساتھ تھے، اور جب وہ منزل آئی کہ مسلمؑ نے نماز عشا پڑھنے کے بعد جب پلٹ کر دیکھا تو پایا تو اٹھارہ ہزار آدمی تھے یا کل تین آدمی۔ اور جب مسجد کے باہر نکلے تو وہ تین بھی غائب، اب رات کا اندھیرا، مسلمؑ کوفہ کی گلیوں میں اور سڑکوں پر ٹھوکریں کھاتے پھر رہے ہیں۔ آپ مجھے ایک بات بتا دیں، کربلا کا کوئی بعید ترین واقعہ ایسا آپ مجھے بتا دیں کہ جہاں وہ واقعہ اور پیاس نہ ہو۔ کربلا اور پیاس تو ساتھ ساتھ ہے۔ یہ کوفہ

یہاں بھی وہی پیاس۔ گرمی کا زمانہ یہاں تک کہ مسلم کو پیاس نے پریشان کیا۔ ایک دروازے پر بیٹھ گئے، دروازہ کھلا، ایک مومنہ باہر نکلیں، کہا، آپ کون ہیں؟ کہا، مسافر کہا، میرے دروازے پر کیوں بیٹھ گئے، پیاسا ہوں، پانی پلا دو ذرا سا، طوعہ گھر کے اندر گئیں، پانی لے کر آئیں، لاکر مسلم کو دیا، پانی پیا، مسلم پھر بیٹھے ہیں، کہا، اے مسافر اب تو نے پانی پی لیا اب، کہا جس کی منزل ہو وہ جائے میری منزل کہاں ہے؟ کہا آپ کون ہیں؟ کہا میں ہوں مسلم بن عقیل حسینؑ کا سفیر، کہا ارے مولا آپ، دروازہ کھول دیا، لے کے اندر آگئیں۔ ایک حجرہ خالی کر دیا، مصلائے عبادت پر مسلم بیٹھ گئے۔ عبادت خدا ہوتی رہی۔ مگر نالائق بیٹا، ملعون بیٹا گھر کے اندر داخل ہوا دیکھا کہ ماں ایک حجرے میں آرہی جا رہی ہے، پوچھا کیا قصہ ہے، کہا، اللہ کی برکت اور رحمت کا نزول ہوا ہے۔ حسینؑ کا بھائی مسلم بن عقیل ہمارا مہمان ہے، بس خاموشی سے روانہ ہوا اور جا کے ابن زیاد کے دستے کو خبر دے دی کہ مسلم میرے گھر میں مہمان ہیں۔ ابھی نماز صبح پڑھ کر مسلم فارغ ہوئے تھے کہ گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز آئی اور یہ ٹاپوں کی آواز طوعہ نے نہیں سُنی۔ مسلم نے سُن لی، جلدی جلدی اسلحہ درست کرنا شروع کیے، کہا کہ مولا خیر تو ہے کہا، تو نے نہیں سنا گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز سنائی دے رہی ہے اس کا مطلب ہے کہ ابن زیاد کا لشکر آرہا ہے۔ طوعہ نے کہا مولا، پھر بہتر ہے آپ اکیلے ہیں لشکر زیادہ ہوگا۔ آپ میرے گھر میں رہ کر اپنا دفاع کیجئے۔ کہا، میری جان چلی جائے مگر میں تیرے گھر میں نہیں رہوں گا۔ سنئے گا کہا کیوں؟ کہا تیرے گھر میں رہوں گا تو سپاہی لشکر کے تیرے گھر میں گھس آئیں گے اور میں یہ نہیں چاہتا کہ تیری عزت و حرمت پامال ہو، تو چاہے مجھے کوئی بھی قیمت دینا پڑے گا میں تیرے گھر میں نہیں رہوں گا۔ میں کہتا ہوں مسلم بن عقیل، آپ طوعہ کے گھر میں سپاہیوں کا آنا برداشت نہیں کر رہے ہیں، ذرا زین العابدین کے دل کی خبر لیجئے کہ خیموں سے دھواں بلند ہو رہا ہے اور اشقیاء درّانہ گھسے چلے آرہے ہیں، بس عزادارانِ حسینؑ! جنگ شروع ہوئی۔ مسلم پیادہ ہیں اور لشکر گھوڑوں پر سوار ہے۔ مگر عالم شجاعت کا یہ ہے کہ ایک ایک سپاہی کی کمر میں ہاتھ ڈال ڈال کر اچھالتے ہیں تو وہ چھتوں تک بلند ہو جاتا ہے۔ اور وہاں سے گرتا ہے تو تلوار کی دھار پر روک لیتے ہیں یہاں تک کہ

لوگوں نے دیکھا کہ وہ گرفتار نہیں ہو سکتے، ایک گڑھا کھودا گیا، اور گڑھے میں جناب مسلم گرے اور انہیں گرفتار کیا گیا، اور گھوڑے پر بٹھایا گیا۔ ایک ملعون کے دربار میں لائے گئے، آکے مسلم نے ابن زیاد کو سلام نہیں کیا، کسی نے کہا تم نے امیر کو سلام نہیں کیا، کہا، میرا امیر سوائے حسینؑ کے اور کوئی نہیں ہے۔ بس عزاداران حسینؑ، چھت پر لے جائے گئے، قاتل کی تلوار چمکی، مسلم نے کہا کہ موت سے نہیں ڈرتا لیکن میرے قاتل مجھے اتنی اجازت دے دے کہ میں اللہ کی بارگاہ میں دو رکعت نماز ادا کر لوں......

مسلمؑ نے جلدی جلدی نماز پڑھی اور نماز ختم کر کے قاتل سے کہا نماز میں نے جلدی جلدی اسلئے پڑھی کہ کہیں تیرے ذہن میں یہ خیال نہ آئے کہ میں موت کو ٹلنے کے لئے نماز میں تاخیر کر رہا ہوں۔ عزادارو! آپ بھی نماز کے بعد کربلا کا رُخ کر کے زیارت پڑھتے ہیں۔ شاید یہ اسی غریب الدیار مسلمؑ کی پیروی ہے۔ روایت بتاتی ہے کہ نماز تمام ہوئی تو راہ مدینہ کا رُخ کیا کہا السّلام علیک یا اباعبد اللہ۔ فرزند رسولؐ دنیا سے جا رہا ہوں میرا اسلام قبول کر لیجئے۔

—— تمام شد ——

تیسری مجلس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

هُوَ الَّذِیٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۔

برادران عزیز! اس آیۂ کریمہ کا ترجمہ اب شاید آپ کو یاد ہو چکا ہو۔ ارشاد اقدس الٰہی ہوتا ہے کہ اپنے رسول کو ہدایت کے ساتھ بھیجا ہے اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ تاکہ انجام کار اس دین کو ہم تمام سسٹمس پر تمام نظام ہائے باطل پر غالب کر دیں، شرک کے علمبرداروں کو خواہ یہ بات کتنی ہی ناگوار کیوں نہ گزرے۔

اللہ نے ہماری ہدایت کے لئے سب سے پہلے ہمارے دماغ میں عقل کا چراغ روشن کیا۔ وہ انبیاء کہ جو ظاہر میں آئے ان کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار بتائی جا سکتی ہے مگر وہ نبی باطن جو جو عقل کی شکل میں ہے اس کی کوئی تعداد نہیں ہے، ہر انسان کے ساتھ یہ نبی باطن بہ نص رسول بہ اجماع سنی و شیعہ لگا ہوا ہے۔ جو ہر منزل پر ہدایت کرنے کو تیار ہے۔ پھر خود نفس انسانی میں اللہ نے یہ تمیز رکھی کہ اگر اس پر زنگ نہ ہو، دنیا پرستی کا یا اور کسی "پرستی" کا جس میں فرقہ پرستی بھی شامل ہے تو خود نفس انسانی ہی انسان کو بتانے کے لئے تیار رہتا ہے کہ صحیح کیا ہے اور غلط کیا ہے۔ اس کو بھی اللہ نے کافی نہ سمجھا بلکہ انبیاء و مرسلین کو بھیجا، ان کا الگ سلسلہ قائم ہوا مصیبتیں اٹھاتے رہے، تکلیفیں اٹھاتے رہے۔ گھر سے بے گھر ہوتے رہے وطن سے بے وطن ہوتے رہے۔ دولت چلی گئی غربت آگئی۔ ایک جملہ عرض کر دوں آپ کے سامنے کہ دینداروں اور بہروپیوں میں یہی فرق ہوتا ہے۔ جو سچے دیندار ہوتے ہیں اور جو دینداری کا بہروپ اختیار کر لیتے ہیں انہیں

فرق یہی ہوتا ہے کہ جو واقعی دیندار ہوتے ہیں انھیں لٹانا آتا ہے اور جو بہروپئے ہوتے ہیں انھیں لوٹنا آتا ہے۔ میں ایک مسافر ہوں، ایک پردیسی ہوں، مجھے کوئی حق نہیں حکومت پاکستان سے کوئی مطالبہ کرنے کا، مطالبہ تو نہیں کر رہا ہوں مگر گزارش کر رہا ہوں کہ جہاں سب کا احتساب ہو رہا ہے وہاں مولوی حضرات کا احتساب ہونا چاہیئے اور یہ دیکھنا چاہیے کہ یہ کاروبار شروع ہونے کے پہلے ان کی حالت کیا تھی اور کاروبار شروع ہونے کے بعد ان کی حالت کیا ہے۔ آپ کو معلوم کرنا چاہیے کہ کون سے سورسز ہیں جہاں سے یہ انکم ہو رہی ہے۔

تو سارے انبیاء و مرسلین اور پیغمبروں کے پاس کتنی دولت تھی؟ سُنی شیعہ سبھی حضرات یہاں موجود ہیں غور فرمائیں کہ حضور کے پاس دولت تھی کہ وہ غنی مطلق، اللہ کہہ رہا ہے کہ ہم نے آپ کو اتنی دولت دی کہ آپ غنی ہو گئے۔ کتنی دولت ہو گی؟ اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں اور یہ دولت اتنی دولت آئی کہ جس کا کوئی شمار نہیں، مگر یہ دولت کہاں گئی۔ یہ نہیں ہوا کہ پہلے فقیر تھے رسالت کے بعد دولت مند ہو گئے۔ ۲۵ سال کے تھے کہ حجاز کی دولت مند ترین خاتون حضرت خدیجہ سے شادی ہوئی۔ خدیجہ نے اپنی ساری دولت حضور کے قدموں میں ڈال دی اور پھر لبعد رسالت یہی دولت اسلام کی راہ میں یوں صرف ہوئی کہ پھر پوری زندگی فاقوں میں بسر ہو گئی۔ خدیجہ کی ایک بیٹی مگر صورتِ حال یہ ہوئی کہ ماں اتنی دولت مند کہ اس کی دولت کا شمار نہیں اور اس کی بیٹی کی چادر میں اتنے پیوند لگے ہوئے تھے جس کا شمار مشکل۔ اتنی چھوٹی چادر تھی کہ معصومہ کی کہ سر چھپاتی تھیں تو پاؤں کھل جاتے تھے اور پاؤں چھپاتی تھیں تو سر کھل جاتا تھا۔

تو یہ انبیاء و مرسلین آتے رہے خلق خدا کی ہدایت کے لئے۔ اب یہ کیسے معلوم ہو کہ کون سا نبی سچا ہے۔ اس لئے کہ ہر سچی شئے آپ مجھے ایسی نہیں بتا سکتے کہ جس کی نقل نہ بنی ہو، اور اصل و نقل کے اس باہمی تلازم سے ایک مسئلہ اور حل ہو سکتا ہے کہ جس شئے کی نقل آپ کو دکھائی دے سمجھیں آپ کہ اس کی کوئی اصل موجود ہے۔ اس لئے نقلی خدا بتا رہے ہیں کہ کوئی اصلی خدا موجود ہے، نقلی نبی بتا رہے ہیں کہ کوئی اصلی نبی موجود ہے تو نقلی امام بھی بتا رہے ہیں کہ کوئی اصلی موجود ہے۔

تو اب یہ نقلی کاروبار تو چلتا رہتا ہے، تو اللہ نے کہا ٹھیک ہے، جو ہم سے رابطہ رکھے، جو اصلی ہی ہوگا، اس کو ہم معجزہ دیں گے۔ جو کوئی نہ کر سکے گا وہ وہ کر کے دکھا دے گا۔ تو جو اس کا نبی تھا اس کو اللہ نے معجزہ دیا، ہمارے رسولؐ کو معجزہ دیا، سارے معجزات آپ کے پیش نظر ہیں، قرآن مجید میں اس کا ذکر ہے، اس سے کوئی مسلمان انکار نہیں کر سکتا۔ حضرت ابراہیمؑ کا معجزہ ہماری نظروں کے سامنے ہے، آتش نمرود بھڑک رہی ہے، ایسی آتش، ایسی آگ کہ جس کا آپ تصور نہیں کر سکتے۔ اور اب حضرت ابراہیم کو آگ میں ڈالنا ہے تو کیسے ڈالا جائے؟ یہ تو کہا نہیں تھا کہ آپ چلے جائیے اور وہ چلے گئے۔ تو رسیوں میں جکڑا گیا، باندھا گیا، خوب کس کے اچھی طرح سے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے گئے اور اس کے بعد منجنیق یعنی گوپھن میں رکھ کر نچا کر گھما کر اچھالا گیا اور وہ جا کر وہاں گرے۔ تو اب قرآن نے کیا کہا؟ قرآن نے کہا کہ جب ہمارا خلیل ہمارا سہارا لیے آگ کے اس پہاڑ پر آگیا تو ہم نے آگ سے کہا، "یانارکونی برداً وسلاماً" اگر یہ آیت یہاں پر ختم ہوتی تو آگ ٹھنڈی ہو جاتی، بہت غلطیاں ہم لوگ کرتے ہیں، بہت غلطیاں کرتے ہیں بھائی۔ آگ ٹھنڈی نہیں ہوئی تھی، بالکل ٹھنڈی نہیں ہوئی تھی آگ، آگ بے شک ٹھنڈی ہو جاتی اگر آیت یہاں پر رک جاتی، مگر اس کے بعد آیت آگے بڑھی کہ "برداً وسلاماً علیٰ ابراھیم"۔ تو ہر ایک کے لئے گرم رہے گی صرف ابراہیم کے لئے ٹھنڈی رہے گی۔ یہ تھوڑی ہوا کہ آگ ٹھنڈی ہو گئی آگ کیسے ٹھنڈی ہو جائے گی؟ آپ نے کہا یہ تو ہم نے کبھی سُنا نہیں اس کا ثبوت چاہیے، ثبوت تو آپ کے سامنے ہے، ثبوت آپ کے سامنے یہ ہے کہ ابراہیم کو رسیوں میں جکڑ کر آگ میں پھینکا گیا تھا، اگر اس آگ نے اس رسی کو جلایا نہ ہوتا تو ابراہیم آگ سے نکلتے ہی کیسے؟ لیکن تھوڑی دیر کے بعد ابراہیم کا وہاں سے ٹہلتے ہوئے چلے آنا اس بات کی دلیل ہے کہ آگ خوب پہچانتی تھی کہ رسی نبی کے جسم سے لپٹی ہوئی ہے، مگر کہاں تک جلانا ہے کہاں تک نہیں جلانا۔ لپٹی ہوئی ہے نبی کے جسم سے، چھوڑنے کو تیار نہیں ہے مگر وہ خوب پہچانتی تھی۔ نبی کی کھال پر داغ نہ پڑا اور رسی کا ایک ریزہ بچ نہ سکا۔ وہ جل کے راکھ، یہ بچ کے رہے، قرآن میں ہے۔ اس معجزے کا کون انکار کر سکتا ہے۔

حضرت موسیؑ کا معجزہ آپ کی نظروں کے سامنے ہے، ایک ڈنڈا، ایک عصا، ایک اسٹک؛ وہ ہی کبھی سانپ بن گئی وہ ہی کبھی اژدہا بن گئی یہ سب قرآن مجید میں ہے۔ وہی لکڑی اگر پہاڑ کی چٹان پر پڑی تو پتھر سے لکڑی ٹوٹتی ہے، لکڑی سے پتھر نہیں ٹوٹتا، لیکن قرآن کہتا ہے کہ ایک چوٹ نے بارہ چشمے جاری کر دیے۔ غور کر رہے ہیں آپ، قرآن سے بھی کوئی انکار کر سکتا ہے اور وہی لکڑی پانی پر پڑی تو وہاں بارہ راستے اس نے بنا دیے، یہ سارے معجزات ہیں۔ حضورؐ کا معجزہ خصوصی کیا ہے؟ قرآن مجید، دونوں میں فرق کیا ہے؟ عصائے موسیٰ بے شک معجزہ ہے، ناقہؑ صالح بے شک معجزہ ہے، مگر میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ آج اگر عصائے موسیٰؑ یہاں آجائے اور میں اس سے کہوں مجھے زندگی کے مسائل میں کچھ رہنمائی کر دے تو ڈنڈا کچھ رہنمائی کر سکتا ہے؟ اسے اژدہا بننا تو آتا ہے، اسے پانی پھاڑنا تو آتا ہے، اسے پہاڑ کی چٹان کو توڑنا تو آتا ہے مگر بنی نوع انسان کو راہِ ہدایت دکھانا نہیں آتا۔ یہ کام وہ نہیں کر سکتا، یہ کام وہ نہیں کر سکتا، ناقہ صالح ہماری ہدایت نہیں کر سکتا، گلزارِ آتشِ ابراہیمؑ ہماری ہدایت نہیں کر سکتی۔ مگر حضورؐ کی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ نے پیغمبر کو وہ معجزہ دیا جو بیک وقت واحد معجزہ بھی ہے اور تمام بنی نوع انسان کے لئے سرمایۂ ہدایت بھی ہے۔ جتنے مسائل آسکتے ہیں بنی نوع انسان کے سامنے صبح قیامت تک ان سارے مسائل کا حل بہ نص قرآن، بہ نص رسولؐ، بہ نص امیر المومنینؑ، اس قرآن مجید میں موجود ہے۔ لیکن مسئلہ کیا ہوا؟ مسئلہ یہ ہوا کہ کائنات کو پہچاننے کے لئے دو راستے تھے۔ ایک اللہ کو بھول کر کائنات کو پہچاننا، ایک اللہ کو یاد رکھ کے کائنات کو پہچاننا۔ ایک ایک جملہ پر غور کیجئے گا، دو راستے تھے ایک اللہ کو مائنس کر کے کائنات کو پہچاننا، ایک اللہ کو نظروں کے سامنے رکھ کے کائنات کے رموز سے پردہ اٹھانا، وہ کام تھا سائنس کا، یہ کام تھا قرآن کا، سائنس داں تو اپنے کام میں لگ گئے۔ انہوں نے کائنات کے ایک ایک ذرے کو چیر چیر کے علوم کے سمندر نکال دیے۔ اور کہاں سے کہاں انسان پہنچ گیا، مسلمانوں کو اسی سے فرصت نہیں ملی کہ قرآن کو زیادہ اچھے لہجے میں کون پڑھتا ہے، وہ لہجے ہی میں اٹکے رہ گئے۔ وہ اسی میں الجھ کے رہ گئے کہ قرآن کو سب سے زیادہ تیز کون پڑھتا ہے۔ تو نتیجہ کیا ہوا وہ کہاں پہنچ گئے

اور ہم کہاں رہ گئے۔ انشاء اللہ کل پرسوں سے تو اصل موضوع شروع ہوگا۔ جیسا کہ میں نے پہلی مجلس میں کہا تھا، ابھی تو میں راستے کے کانٹے صاف کر رہا ہوں، کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ آپ کو منزل تک پہنچاؤں تو آپ منزل تک پہنچ جائیں مگر دامن تار تار نہ ہو جائے۔ تو پہلے جھاڑیاں صاف کردوں، کانٹے ہٹادوں پھر تو مجھے پہنچانا ہے انشاء اللہ جہاں تک منزل ہے۔

بھیّا! معافی چاہتا ہوں اللہ اور اللہ کے درمیان سب سے بڑی جھاڑی کا نام ہے مُلاّ۔ سب سے بڑے کانٹے کا نام ہے مُلاّ، سب سے بڑی رکاوٹ کا نام ہے مُلاّ۔ میں علماء کی بات نہیں کر رہا ہوں۔ علماء علماء ہیں، کسی بھی فرقہ کے ہوں، کراچی کے علماء مولانا رفیع عثمانی صاحب عالم ہیں، مولانا جسٹس تقی عثمانی صاحب عالم دین ہیں، مولانا اصغر درس صاحب عالم دین ہیں، مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب عالم دین ہیں، مولانا محمد شفیع اوکاڑوی صاحب مرحوم عالم دین تھے۔ مولانا عبدالقادر آزاد صاحب لاہور کے عالم دین ہیں، ڈاکٹر غلام مُرتضیٰ ملک عالم دین ہیں۔ ان کی بات نہیں کر رہا ہوں، ہندوستان میں بھی ہیں، لیکن میں نے اپنے شیعہ فرقے کے کسی عالم کا نام نہیں لیا ہے۔ عالم کسی فرقے کا ہو اس کا رُخ ہمیشہ مثبت ہوتا ہے۔ عالم اور مُلاّ میں کیا فرق ہوتا ہے؛ عالم کا رُخ مثبت ہوتا ہے، مُلاّ کسی فرقہ کا ہو اس کا رُخ منفی ہوتا ہے، عالم ملانا چاہتا ہے، مُلاّ لڑانا چاہتا ہے؛ میں نے آپ کے سامنے ذکر کیا تھا کہ تاریخ ہمیشہ اپنے کو دہراتی رہتی ہے، آج یورپ میں عیسائیت کا خاتمہ کیوں ہوگیا؟ کیا ہندوؤں نے ختم کردیا اس کو، کیا مسلمانوں نے ختم کردیا، کیا اور کسی مذہب نے ختم کردیا؟ جی نہیں، آپ اس کی تاریخ پڑھئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ مغرب میں عیسائیت کا خاتمہ کرنے میں سب سے بڑا ہاتھ خود دین کے متشدد، تنگ نظر، فرقہ پرست، جمود پسند، پادریوں کا ہاتھ تھا۔ چار جملے یاد رکھئے گا تنگ نظر، فرقہ پرست، متشدد، جمود پسند۔ کلیسا کے پادریوں کا سب سے بڑا ہاتھ تھا مغرب میں عیسائیت کا بیڑا غرق کرنے کے سلسلے میں۔ انہوں نے کیا کیا؟ دو کام کئے، بڑے عمدہ کام کئے۔ پہلا کام یہ کیا کہ ایک فرقہ کو دوسرے فرقے سے لڑایا، آپ کو معلوم ہے، تاریخ پڑھئے، پروٹسٹنٹ اور کیتھولکس میں جو فرقہ وارانہ جھڑپیں ہوئی ہیں، اس میں ایک ایک جھڑپ میں بیس بیس، پچیس پچیس ہزار

آدمی مارے گئے ہیں۔ پڑھئے یورپ کی تاریخ کو۔ تو انہوں نے کہا پروٹسٹنٹ اور کیتھولکس زندہ نہیں رہیں گے، انہوں نے کہا پروٹسٹنٹ اور کیتھولکس زندہ نہیں رہیں گے، نتیجہ کیا ہوا کہ نہ یہ رہے نہ وہ رہے۔ عیسائیت ختم ہوگئی۔ آنے والی نسلیں بددل ہوگئیں کہ مذہب تو جان لینا سکھاتا ہے مذہب میں قوت برداشت نہیں ہے، مذہب میں وسعت نظر نہیں ہے، کشادگی نظر نہیں ہے، یہ اختلاف رائے کو برداشت کرنے پر تیار نہیں، کسی نے اختلاف رائے کیا انہوں نے کہا، برن مارو۔ ایک تو کارخیر یہ انجام دیا، دوسرا کارخیر کیا انجام دیا؟ انہوں نے کہا بائیبل پڑھو، سائنس نہ پڑھو، ٹیکنالوجی نہ پڑھو۔ کیوں؟ سائنس کچھ کہتی ہے، بائیبل کچھ کہتی ہے، سائنس کے پڑھنے پر پابندی لگادی اور سائنٹسٹ کو سخت سے سخت اور ظالمانہ سے ظالمانہ سزائیں دیں، یہ تاریخ پیش نظر ہے نا آپ کے، تو دو انہوں نے بنیادی غلطیاں کیں۔ ایک یہ کہ ایک فرقے کو دوسرے فرقے سے لڑایا، دوسرے سائنس و ٹیکنالوجی کے دروازوں کو عیسائیوں پر بند کیا۔ نتیجہ کیا ہوا کہ عیسائیت ختم ہوگئی سائنس رہ گئی، ٹیکنالوجی رہ گئی، کیوں رہ گئی؟ اس لئے کہ عیسائیت کہتی تھی کہ جو ہم کہہ رہے ہیں وہ حق ہے، سائنس کہتی تھی کہ جو حق ہے وہ حق ہے۔ یہ بنیادی فرق تھا، انہوں نے کہا کہ جو ہم کہہ رہے ہیں وہ حق ہے، سائنس کہتی تھی جو حق ہے وہ حق ہے "فیکٹ از فیکٹ" تو جو حق سے ٹکرائے گا وہ باطل؛ نہیں، میں بہت ہی افسوس کے ساتھ عرض کررہا ہوں کہ اس ملک کے نام نہاد اسلام کے ٹھیکیدار بھی یہی دو غلطیاں کررہے ہیں۔ ایک تنگ نظری، فرقہ پرستی، تشدد انسان سے اس کی قوت فکر کو چھین لینا، اور اختلاف رائے کی سزا موت قرار دینا اور دوسرے یہ کہ سائنس و ٹیکنالوجی کے دروازوں کو مسلمانوں پر بند کردینا۔ کیوں؟ اس لئے بند کردینا، کہ سائنس ٹیکنالوجی اگر مسلمانوں کے پاس آگئی تو مسلمانوں میں اور کچھ پیدا ہو یا نہ ہو، آزاد فکر پیدا ہوجائے گی۔ اور آزادی فکر پیدا ہوجائے گی تو انسان مُلّا کی بات ماننے پر تیار نہیں ہوگا۔ عقل کی بات ماننے پر تیار ہوگا۔ اور یہ آپ جانتے ہیں کہ مُلّا کا پیٹ جتنا بڑا ہوتا ہے عقل اتنی ہی چھوٹی ہوتی ہے۔ یہ مسائل ہیں، اچھی طرح سے آپ حضرات اس کو سمجھ لیں، فرقہ پرستی کھائے جارہی ہے اس ملک کو۔ سورۂ مبارکہ

عنکبوت میں ارشاد ہوتا ہے، فرقہ پرستی کہاں سے پیدا ہوتی ہے؟ سورۂ عنکبوت میں ارشاد ہوتا ہے سنئے قرآن کیا کہتا ہے، و لاتکونوا من المشرکین من الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعا کل حزب بما لدیھم فرحون۔ شرک وہ گناہ ہے کہ جس کی مغفرت کرنے پر وہ تیار نہیں ہے، شرک کے نیچے کا گناہ معاف ہو سکتا ہے شرک معاف نہیں ہوگا، ہرگز معاف نہیں ہوگا، ارشاد ہو رہا ہے کہ دیکھو مشرک نہ بننا۔ اس لئے کہ شرک کے بیج سے فرقہ پرستی کا درخت روئیدہ ہوتا ہے، فرقہ پرستی کہاں سے پیدا ہوتی ہے بہ نص قرآن مجید جہاں شرک کے جراثیم ہوتے ہیں وہاں سے فرقہ پرستی پیدا ہوتی ہے۔ ہر فرقہ اپنے اپنے نظریات کو لے کر الگ ہو جاتا ہے کہ یہی حق ہے دوسرے کی بات ہی سننے پر تیار نہیں ہوتا تو فرقہ پرستی کہاں سے پیدا ہوتی ہے؟ جب انسانیت کی ذہنیت میں شرک کے جراثیم ہوتے ہیں تب فرقہ پرستی پیدا ہوتی ہے بہ نص قرآن مجید، سورۂ مبارکہ عنکبوت میں آیت موجود ہے جسے میں نے آپ کے سامنے پیش کیا۔ اب یہاں فرقہ پرستی کی صورت حال کیا ہے؟ صورت حال یہ ہے کہ میں نے عرض کیا کہ زندہ رہنے کا حق نہیں ہے، سب اس میں شامل ہیں میں کسی فرقہ کو نہیں کہہ رہا ہوں سب ایک حمام میں ہیں، میں کسی فرقہ کی بات نہیں کر رہا ہوں، میں تو مسلمان ہوں، غالباً میں نے کسی مجلس میں عرض کیا تھا کہ میں نہ تو شیعہ ہوں نہ سنی میں تو صرف مسلمان ہوں۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے بات کر رہا ہوں میں آپ کے سامنے، سب کا عالم ایک ہے، کوئی کم ہے، کوئی زیادہ۔ کوئی انیس ہے کوئی بیس ہے بس قصہ ختم، آگے اس سے زیادہ کوئی فرق نہیں ہے۔ تو اب کیا ہوتا ہے، اب پھر مجھے گورنمنٹ آف پاکستان سے شکوہ ہے کہ کسی نے کسی کو قتل کیا، وہ دوڑے، پکڑو، اس کو، مارو اس کو، ارے بھائی یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ یہ آپ غلطی کر رہے ہیں، ایسا نہ کیجئے۔ اگر آپ اس سڑک سے گزر رہے ہوں اور ایک کتا جا رہا ہو آپ کے سامنے سے اور آپ اس پر ڈھیلا ماریں تو مجھے بتائیے کہ وہ کتا اگر شکاری ہے تو وہ ڈھیلے کے پیچھے دوڑے گا کہ آپ کے پیچھے دوڑے گا؟ بتائیے؟ ارے بھائی تمھاری عقل کتے سے زیادہ ہونا چاہئے۔ وہ ڈھیلے کے پیچھے نہیں دوڑتا وہ اس ہاتھ کو ڈھونڈتا ہے جس ہاتھ نے وہ ڈھیلا پھینکا ہے۔ یہ تو ڈھیلے ہیں جن کے ہاتھوں میں ٹی ٹی ہے، یہ تو ڈھیلے ہیں

جن کے ہاتھوں میں گنز ہیں، ہاتھ دیکھئے کہاں ہیں۔ تو اگر کل کا "دی نیوز" آپ کی نظروں کے سامنے ہے تو معلوم ہوگا کہ سات سمندر پار ہاتھ ہے کام کر رہا ہے۔ کن کن کے نام و پتے نکلے ہیں، دی نیوز پڑھیئے آپ کل کا تو معلوم ہوگا، کن کن کے نام و پتے برآمد ہوئے ہیں۔ اے مسلمانوں کیا ہو رہا ہے؟ کدھر جا رہے ہو؟ کیوں تمھاری عقل نہیں کام کر رہی ہے، کیوں نہیں سمجھ رہے ہو؟ اس لئے میں نے ۹۲ء میں جو پہلی مجلسیں پڑھی تھیں تو آپ کو یاد ہوگا کہ اس کا موضوع میں نے یہ قرار دیا تھا کہ اسلام میں عقل کی کیا اہمیت ہے، اور میں نے یہ عرض کیا تھا کہ اسلام وہ دین ہے جو کہتا ہے کہ دین تمھارے آگے ہے مگر عقل دین کے بھی آگے ہے۔ مسئلہ یہ بھی ہوتا ہے کہ جب انسان کے پاس مذہب ہو اور مذہبی رسمیں ہوں اور عقل نہ ہو تو وہ اپنے دور کے شیطان کا آلۂ کار بن جایا کرتا ہے۔ اور جیسا کہ میں نے آج ڈاکٹر سکندر رضا صاحب کے یہاں مجلس میں عرض کیا چھوٹی سی مجلس تھی کہ "قربتہ الی اللہ" ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا خون بہاتا ہے، جیسے بکرا ذبح نہیں کیا جاتا بسم اللہ و باللہ، ویسے مسلمان مسلمان کو ذبح کرتا ہے تو ابھی میں آرہا تھا تو ایک بچے نے مجھ سے کہا کہ آپ مجلسوں میں پڑھا کرتے تھے کہ شادیوں میں اسراف نہ ہو اور شادی ہال میں شادیاں نہ ہوں اور شادی عبادت ہے اس کو سادے طریقے سے انجام دینا چاہیے۔ لوگوں نے آپ کی بات نہیں مانی تو نواز شریف نے آپ کی بات منوا دی اس لئے کہ میں زبان سے کہہ سکتا تھا ان کے پاس ڈنڈا تھا بھائی۔ بڑا اچھا کام کیا، واقعی بڑا اچھا کام کیا قابل تعریف۔ نواز شریف نے یہ کام بڑا مضبوط کیا، بہت اچھا کام کیا کہ شادی ہال ویران ہو گئے۔ اور جو اسراف ہوتا تھا کہ ایک طرف وہ لوگ جو گھر پر بھی بہترین کھانے کھا رہے تھے وہاں آکر اور بہترین کھانے کھا رہے ہیں اور دوسری طرف لوگ فاقے کر رہے ہیں۔ اسلام کے خلاف ہے یہ، حالانکہ میری بات بہت سے لوگوں نے مانی ہے۔ ایسی بات نہیں ہے بہت سے لوگوں نے مانی ہے لیکن بہت سے لوگوں نے نہیں مانی۔ تو جنھوں نے میری بات نہیں مانی اس کو حکومت نے منوا دیا۔ میں آج پہلی مرتبہ آپ کے سامنے کہہ رہا ہوں کہ میرا سر کبھی کسی کے

سامنے جھکا نہیں ہے۔ آج تک۔ نہ کسی صدر جمہوریہ کے سامنے نہ کسی وزیر اعظم کے سامنے لیکن میں نواز شریف کے سامنے سر جھکانے پر تیار ہو جاؤں گا اگر وہ اس رسم قبیح کو مٹا دینے کے ساتھ ساتھ دو کام اور کر دیں "ایک پاکستان سے مُلّائیت کا خاتمہ کر دیں دوسرے تعلیم کو فروغ دے دیں۔" تو میں سر جھکانے کے لئے تیار ہوں۔ جہالت سارے مصائب کی جڑ ہے، جب تک جہالت کو نہیں مٹایئے گا کچھ نہیں مٹنے والا ہے، جہالت کی سرزمین سے سارے مصائب پیدا ہوتے ہیں میں اکثر یہاں پر ہندوستان کا ذکر کرتا ہوں، ممکن ہے بعض حضرات کو ناگوار ہوتا ہو تو ایسی کوئی بات نہیں ہے، میں تو اس دین کا ماننے والا ہوں کہ جس دین نے کہا ہے اگر تمھیں عقل کی بات، سمجھ کی بات مشرک سے مل رہی ہے تو بھی لے لو۔ ایک بات کہوں گا' ایک مصرعہ خود پڑھوں گا۔ دیکھیے بعض اشعار ایسے ہوتے ہیں جن کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ ایک مصرعہ شاعر نے پڑھا اور دوسرا مصرعہ آدمی نے خود پڑھ دیا کہ اس کے بعد یہی مصرعہ ہوگا۔ تو میں ایک ہی مصرعہ پڑھوں گا۔ میرے یہاں ہندوستان میں سب خیریت نہیں ہے بڑی خرابیاں ہیں، جو یہاں ہیں وہ وہاں ہیں کوئی فرق تھوڑی ہے، جو کرپشن یہاں ہے بحمد اللہ وہاں بھی وہی ہے، جو عالم یہاں ہے وہی عالم وہاں بھی ہے، آدمی یہاں بھی بک رہے ہیں آدمی وہاں بھی بک رہے ہیں، سارا کارِ خیر یہاں ہو رہا ہے وہ سارا کارِ خیر وہاں انجام دیا جا رہا ہے۔ لیکن میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں یہاں پر بات ہو رہی ہے مذہبی لیڈر شپ کی۔ باتیں مجھے بہت کہنا تھیں لیکن آج مصائب کو زیادہ وقت دینا چاہتا ہوں۔ آخری بات کہہ رہا ہوں' دیکھئے آپ ہندوستان تشریف لائیں' میں آپ کو ہندوؤں کے بڑے بڑے مندروں میں لے کر چلوں' چلئے میرے ساتھ' آپ کو ان کے دھارمک گروؤں سے مِلاؤں' آپ کسی چھوٹے مندر میں جائیں گے تو معلوم ہوگا یہ دون اسکول کا پڑھا ہوا ہے، دون اسکول ہندوستان کے بسٹ اسکولوں میں سے ایک سکول مانا جاتا ہے۔ یہ ریخ مڑھی کا پڑھا ہوا ہے، یہ دارجلنگ کا پڑھا ہوا ہے، اگر بڑے بڑے مندروں میں جائیں گے، اور وہاں مہنتوں' پنڈتوں سے ملیں گے تو پتہ چلے گا۔ یہ آکسفورڈ کا پڑھا ہوا ہے، یہ کیمبرج کا فارغ ہے۔ ہمارے مُلّا' ان مدرسوں کے پڑھے ہوئے جہاں پاؤں میں

زنجیریں ڈالی جاتی ہیں بچوں کے۔ غلط تو نہیں کہہ رہا ہوں، جہاں بچوں کے پاؤں میں زنجیریں ڈال ڈال کے ان کو پڑھایا جاتا ہے، یعنی پہلے دن ہی سے انھیں مقید و قیدی رہنے کی عادت ڈال دی جاتی ہے، وہیں کوئی کیمبرج کا پڑھا ہوا، کوئی پرسٹن کا پڑھا ہوا، کوئی ہارورڈ کا پڑھا ہوا اب ڈاکٹریٹ لئے ہوئے۔ تو اس کا نتیجہ کیا ہے؟ میرا جو تعلیمی ٹرسٹ ہے اس کی اس سال کی سالانہ رپورٹ کی ابتدا اس حقیقت سے ہوئی اور یہی عرض کررہا ہوں آپ کے سامنے۔ میں ایک مندر بتادوں آپ کو، ساؤتھ انڈیا میں ایک مندر ہے "ترو مالا" مندر۔ آپ کو معلوم ہے کہ ترو مالا مندر کیا کررہا ہے، آمدنی ہورہی ہے مذہبی، نذرانے چڑھ رہے ہیں بتوں کے پاؤں پر، مگر وہ جو بیٹھا ہوا ہے پنڈت، مہنت وہ آکسفورڈ کا فارغ ہے، تو ایک ترو مالا مندر سے اٹھتی ڈگری کالجز چلائے جارہے ہیں، سن لیجئے اٹھتی ڈگری COLLEGES ایک مندر چلاتا ہے۔ نہ جانے کتنے اسکول اور پالی ٹیکنکس، کیوں بھائی بُرا تو نہیں مانئے گا، یہ بتائیے پورے پاکستان میں کتنے ڈگری کالجز ہیں بھائی۔ پورے پاکستان میں کتنے ڈگری کالجز ہیں؟ شرم آتی ہے بتاتے ہوئے۔ دیکھا آپ نے ایک باطل دین کا سربراہ اگر صاحب عقل ہو تو اس نے مذہب کے ذریعہ ہونے والی آمدنی کو کہاں لگایا صرف اور صرف تعلیم اور ایجوکیشن کے فروغ میں۔ کالجز بنائے، پالی ٹیکنک بنائے، ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹس بنائے۔ جتنا پیسہ آرہا ہے، مذہب کے نام پر، خرچ ہورہا ہے تعلیم پر، یہ پہلا مصرعہ ہے دوسرا آپ پڑھیں میں نہیں پڑھنے کی ہمت کرتا میں نے کہا تھا میں ایک ہی مصرع پڑھوں گا آپکے سامنے کہ جو پیسہ آرہا ہے مذہب کے نام پر وہ مذہبی امور پر بہت کم صرف ہورہا ہے تعلیم کے فروغ پر صرف ہورہا ہے۔ کیوں؟ وہ جانتے ہیں کہ آئندہ صدی آنے والی صدی ایجوکیشن کی صدی ہے وہ انفارمیشن کی صدی ہے۔ جس کے پاس جتنی ایجوکیشن ہوگی، جس کے پاس جتنی ایجوکیشن ہوگی جس کے پاس جتنی انفارمیشن ہوگی اتنا ہی وہ آگے ہوگا اور جو ایجوکیشن سے محروم ہوگا اس کا وہی حشر ہوگا جو یہاں ہورہا ہے کہ مُلّا لڑاتے رہیں گے، وہ لڑتے رہیں گے، لڑ لڑ کے ختم کے ختم ہوجائیں گے۔ خاتمہ بالخیر ہوجائے گا۔ تو میں نواز شریف صاحب سے باادب واحترام یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جہاں آپنے ایک

کارِ خیر کیا ہے وہاں دو کارِ خیر اور کر لیجئے، جہالت کو مٹائیے۔ جہالت جب لغت میں دیکھئے گا لفظ ملے گا جہالت اور اسی لفظ کو جب کانکریٹ شکل میں آپ دیکھنا چاہیں گے تو مُلّا کی شکل میں آپ کو نظر آئے گا۔

بہت کچھ مجھے پڑھنا تھا، رہ گیا، بس برادران عزیز! کیا ہمارے یہاں جو متشدّد دوسری طاقتیں ہیں غیر مسلم، وہ اس بات کے لئے کوشش نہیں کریں کہ یہاں بھی شیعہ سُنّی لڑیں پھر ہمارے یہاں شیعہ سُنّی کیوں نہیں لڑتے، ہمارے یہاں کیوں نہیں لڑتے؟ کیا ہمارے یہاں مدرسے نہیں ہیں؟ لکھنؤ میں جو مدرسہ ہے دیوبندی حضرات کا ندوۃ العلماء، ویسا مدرسہ پوری دُنیا میں کہیں نہیں ہے، پاکستان کی بات تو آپ چھوڑیئے، دیوبند کا مدرسہ بے نظیر مدرسہ ہے، ہزاروں طلبہ وہاں پڑھ رہے ہیں، یہ سب دیوبندی حضرات کے مدرسے یہاں ہیں۔ مظاہر العلوم سہارنپور کا مدرسہ ہے، ہزاروں طلبہ وہاں درس حدیث لے رہے ہیں لیکن یہاں علم سکھایا جاتا ہے اپنے فرقہ کے اعتبار سے سہی، کوئی بات نہیں لڑنا نہیں سکھایا جاتا، ملنا سکھایا جاتا ہے، میں ان مدرسوں میں جاتا ہوں اور جب میں جاتا ہوں تو وہاں کے بچّے، طلبہ مجھ سے اس طرح لپٹتے ہیں اتنے پیارے، اتنی محبّت سے وہ بچّے لپٹتے ہیں مجھ سے کہ میں آپ سے کیا بتاؤں؟ کبھی آیئے اور آکر وہ منظر دیکھئے آپ دیکھ لیجیے اور وہاں کے جو اساتذہ ہیں وہ جو مجھے عزّت دیتے ہیں، ندوہ ہو یا دیوبند کا مدرسہ وہاں کے پرنسپل مولانا محمد سالم قاسمی صاحب۔ میرے بارے میں پوچھئے کہ آپ کی ان کے متعلق کیا رائے ہے دیکھئے وہ کیا جواب وہاں سے دیتے ہیں۔ تو کیا ہمارے یہاں دیوبندی نہیں رہتے، کیا ہمارے یہاں سُنّی حضرات نہیں رہتے، کیا ہمارے یہاں بریلوی نہیں رہتے، کیا ہمارے یہاں شیعہ نہیں ہیں سب ہیں۔ مگر ہم جب جمع ہوتے ہیں تو ہم سب بھول جاتے ہیں، ملّی کونسل کا پلیٹ فارم ہو یا مُسلم پرسنل لا بورڈ کا پلیٹ فارم ہو، ہم جب جمع ہوتے ہیں تو جو بریلوی ہے وہ بریلوی ہونا بھول جاتا ہے، جو شیعہ ہے وہ شیعہ ہونا بھول جاتا ہے جو سُنّی ہے وہ سُنّی ہونا بھول جاتا ہے جو دیوبندی ہے دیوبندی ہونا بھول جاتا ہے جو اہلِ حدیث ہے وہ اہلِ حدیث ہونا بھول جاتا ہے جو مقلد ہے وہ

مقلّد ہونا بھول جاتا ہے، ہم سب بھول جاتے ہیں اور سب کو ایک بات یاد رہتی ہے کہ اس وقت ہم سب مسلمان ہیں اور کچھ بھی نہیں۔ تو اگر وہاں یہ ہو سکتا ہے تو آپ کے یہاں یہ کیوں نہیں ہو سکتا۔ آپ کے یہاں بھی ہو سکتا ہے، ہمّت چاہیے، مردانگی چاہیے ہے، میں آپ کو بتائے دیتا ہوں کہ میرا پرسنل تجربہ ہے کہ یہ فرقہ پرستی کا اتنا بڑا غبارہ جو آپ کو دکھائی دے رہا ہے، بیلون، اس بیلون میں کچھ نہیں ہے، ایک سوئی بھونکئے بس قصّہ ختم، جیسے کہ کراچی میں آپ نے دیکھ لیا۔ کراچی میں اب کوئی سُنّی شیعہ کو مار رہا ہے کوئی شیعہ سُنّی کو مار رہا ہے؟ آپ نے دیکھا ہوگا دو سال پہلے کیا ماحول تھا۔ سب ہوا نکل گئی نا بیلون کی؟ یہ چند لوگ ہیں دونوں طرف جن کی آپ ہمّت توڑ دیں۔ سارے مسائل صحیح ہو جائینگے سب ٹھیک ہو جائے گا، مگر بس فقط ہمّت کی ضرورت ہے۔ یہاں کیا ہوا تھا، آپ کو یاد ہوگا آج سے دو سال پہلے فضا یہاں کی بدلی تو کیا ہوا؟ یہی پنجاب میں اگر ہونے لگے، صرف اتنا ہی کام ہونے لگے، جب کوئی شیعہ مارا جائے تو سُنّی علماء اس کے جنازے میں آجائیں اور جب کوئی سُنّی مارا جائے کسی شیعہ کے ہاتھ سے تو شیعہ علماء اس کے جنازے میں آجائیں، دیکھئے ماحول تبدیل ہو جائے گا۔ اتنی سی بات میں ماحول تبدیل ہو جائے گا۔ اگر اتنی سی بات کے لئے ہمّت نہیں ہے تو پھر ٹھیک ہے تو پھر چوڑیاں پہن کر گھر میں بیٹھ جائیے۔ تو حضور جیسا کہ میں نے کل عرض کیا تھا کہ شیعوں کو بھی بڑی غلط فہمیاں ہیں، سنّیوں کو بھی بڑ غلط فہمیاں ہیں، یہ غلط فہمیاں کیوں پھیل رہی ہیں میں نے عرض کیا کہ مسجدیں سب کے لئے کھول دی جائیں دو چار دن دھر پٹک ہوگی۔ گدّم گدا ہوگی، بحثم بحثا ہوگی۔ پھر سب آپس میں جیسے پھیلنے بگھار کے ایک دوسرے کو ایڈجسٹ کرتے ہیں ویسے سب آپس میں ایڈجسٹ ہو جائیں گے۔ پھر ایک دوسرے کو خود سمجھیں گے۔ ان کو یہ غلط فہمی ہے کہ جب شیعہ پانی دیتے ہیں کسی سُنّی کو تو تھوک کے دیتے ہیں۔ "استغفر اللہ" اے بھیا، ہم تو کسی بکری کو بھی تھوک کے پانی نہیں پلاتے ہیں، کسی مُرغی کے چوزے کو بھی تھوک کے پانی نہیں پلاتے ہیں۔

کس کی عقل یہ گوارہ کر سکتی ہے کہ کوئی انسان اتنا ذلیل ہو جائے گا کہ ایک انسان کو پانی پلائے گا اور اس میں تھوک دے گا؟ مگر مُلّا پر اتنا ایمان ہے اور اللہ پر اتنا کمزور ایمان ہے۔ اللہ میاں غلط کہہ سکتے ہیں معاذ اللہ یہ مُلّا تھوڑی غلط کہہ سکتے ہیں؟ ہم تو اخلاق محمدی کے پیرو ہونے کی کوشش کرتے ہیں، ہم تو اخلاق علوی کے پیرو ہونے کی کوشش کرتے ہیں، ہمارے سامنے تو اخلاق فاطمہؑ ہے، ہمارے سامنے تو اخلاق حسنؑ ہے، ہمارے سامنے تو اخلاق حسینؑ ہے، ہم معاذ اللہ، استغفر اللہ آپ کے ساتھ یہ گستاخی کر سکتے ہیں کہ ہم آپ کو پانی پلائیں اور تھوک کے پلائیں جب کہ ہمارے سامنے اس حسینؑ کا اسوۂ حسنہ ہے جس نے حُرؑ کے لشکر کو اپنے بچّوں کی پیاس کو نظر انداز کر کے پانی پلایا تھا تو حسینؑ سے ہم لاکھ دور ہوں کیا اب اتنا دور دور ہو جائیں گے، وہ حُرؑ کہ جو حسینؑ کو قتل کرنے کے ارادہ سے آیا تھا اور آنے کے بعد اس نے کہہ دیا تھا کہ ہم آپ کو قتل کرنے کے لئے آئے ہیں یا گرفتار کر کے ابن زیاد کے سامنے لے جانے کے لئے آئے ہیں۔ تو حسینؑ نے پوچھا یہ ساری باتیں بعد میں ہوں گی پہلے یہ بتاؤ کہ تمہارے چہرے کا رنگ زرد کیوں ہے؟ تمھارے ہاتھ پاؤں کیوں کانپ رہے ہیں؟ کہا کہ پانی کا ذخیرہ ختم ہو گیا، کہا کہ سب باتیں بعد میں ہوں گی، ہم سے تمھاری پیاس نہیں دیکھی جاتی۔ ہم کیا کریں ہم تو اپنے دشمن کو بھی پیاسا نہیں دیکھ سکتے۔ تو جس قوم کے سامنے یہ اسوۂ حسنہ ہو وہ اتنی جسارت کر سکتی ہے! کیسے آپ اس کو مانتے ہیں؟ کیسے آپ اس پر یقین کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں؟

تو بس عزاداران حسینؑ! محرم کی آج تیسری تاریخ ہے۔ آج حسینؑ کے ایک دوست کا ذکر کرنا ہے اور دوست کو عربی زبان میں حبیب کہتے ہیں، ابھی مرثیے میں آپ سماعت فرما رہے تھے، حسینؑ کربلا کے میدان میں ہیں، چند بے کس بیبیاں ہیں، معصوم بچّے ہیں، تھوڑے سے افراد ہیں اور لشکر یہ لشکر آتا چلا جا رہا ہے، تعداد کوئی نہیں بتا سکتا۔ روایت اتنا بتاتی ہے کہ کربلا کا میدان لشکر کی کثرت سے چھلک رہا تھا۔ کتنے تھے آپ اندازہ کریں۔ شاہزادی زینبؑ نے آکر بھائی سے کہا بھیّا، آپ کے دشمن تو اتنے ہیں کیا آپ کا چاہنے والا اب ایک بھی نہیں رہ گیا۔

اُدھر لشکر پہ لشکر آرہے ہیں۔ ہدایت تھی ابنِ زیاد کی کہ جب کربلا میں داخل ہو تو گھوڑوں کو دوڑاتے ہوئے جاؤ۔ کیوں؟ تاکہ گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سے معصوم بچوں کے دل دہلنے لگیں۔ تو بی بی نے کہا بھیّا، لشکر پہ لشکر آرہے ہیں آپ کا بھی کوئی چاہنے والا ہو تو بلائیے۔ کہا، میں غریب، میں رسولؐ کا نواسہ کس کو بلاؤں، کہا سوچیے، کہا اچھا میرے بچپنے کا ایک دوست ہے کوفے میں حبیبؓ، اسے خط لکھتا ہوں، خط لکھا کہ حبیبؓ تم مجھ سے بڑی محبت کرتے ہو، رسولؐ سے اور رسالت سے جو ہمارا رشتہ ہے وہ بھی تم جانتے ہو۔ اس وقت اسلام خطرے میں ہے دین خطرے میں ہے، اسلام کا بچانے والا میں ہوں میرا بچانے والا کوئی نہیں ہے، اگر ہو سکے تو اس وقت میرے پاس آجاؤ ـــ
بھائی خط لکھ رہا تھا بہن دیکھ رہی تھی، جب حسینؑ نے خط ختم کیا کہا، بھیّا خط ختم ہو گیا؟ کہا ہاں ختم ہو گیا، کہا ابھی دستخط نہ کیجئے گا، کہا کیوں؟ کہا کہ ایک جملہ میری طرف سے بڑھا دیجئے۔ بھیّا نے کہا کیا؟ کہا کہ اتنے بڑھا دیجئے کہ الاجل الاجل ...... اے حبیب موت بہت تیزی سے ہماری طرف آرہی ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ تمھارے آنے سے پہلے موت ہم تک آجائے۔ جلدی کرو۔ خط امام نے بھیجا، رات کا وقت، حبیب کھانا نوش فرما رہے ہیں، دق الباب ہوا، پوچھا کون؟ آواز آئی میں حسینؑ کا نامہ بر ہوں، دروازہ کھولا، خط لیا، آنکھوں سے لگایا، سر پر رکھا، خط پڑھا، اس وقت کوفہ کا ماحول اتنا خطرناک تھا کہ شوہر و بیوی تک کا اعتماد ایک دوسرے پر اٹھ چکا تھا۔ بیوی نے پوچھا کس کا خط ہے، کہا حسینؑ کا خط ہے، کہا کیا لکھا ہے، کہا مجھے اپنی مدد کے لئے بلایا ہے کہا پھر تم کیا سوچ رہے ہو، کہا کہ میں یہ سوچ رہا ہوں کہ دو شہزادوں کی جنگ ہے میں کیوں بیچ میں پڑوں۔
کہا، ارے حبیبؓ، رسولؐ کا بیٹا، فاطمہ کا جایا، علیؑ کا نورِ نظر تمھیں بلائے مدد کے لئے اور تم پس و پیش کرو، بس یہ کہتے کہتے ایک مرتبہ کھڑی ہوئیں اور چادر سر سے اُتاری اور چاہا کہ حبیبؓ کے سر پر ڈال دیں اور کہا کہ لو یہ چادر اوڑھ کے گھر میں بیٹھو، میں جاتی ہوں۔ کہا، بی بی مولیٰ بلائے اور میں نہ جاؤں میں تو امتحان لے رہا تھا تمھاری محبت کا۔ غلام سے کہا، کوفہ کا ماحول بڑا خراب ہے، میرا گھوڑا لے کر جاؤ اور فلاں مقام پر تیار کرو، میں آتا ہوں، رات کا وقت غلام گھوڑا لے کر گیا۔ حبیبؓ کا بیان

ہے کہ مجھے چلنے میں تھوڑی دیر ہوگئی جب اس مخصوص مقام پر پہنچا تو میں نے دیکھا کہ گھوڑا سر جھکائے ہوئے ہے، دانا سامنے رکھا ہوا ہے مگر وہ کھا نہیں رہا ہے، پانی سامنے رکھا ہوا ہے مگر وہ پی نہیں رہا ہے۔ جانور کی آنکھ سے آنسو بہہ رہے ہیں غلام یہ کہہ رہا ہے کہ اسپ باوفا گھبرا نہیں اگر میرے آقا کو آنے میں دیر ہوئی میں تیری پشت پر سوار ہو کر فرزند فاطمہؑ زہرا کی مدد کے لئے جاؤں گا۔ ایک مرتبہ حبیبؓ نے جو یہ منظر دیکھا، کہا مولا کیا وقت پڑ گیا ہے آپ پر۔ میرے مولا کیا وقت پڑ گیا آپ پر کہ غلام تک آقا پر سبقت کرنے کے لئے تیار ہے۔ آگئے حبیبؓ پہنچ گئے حسینؑ تک۔ اور فضہؑ نے زینبؑ سے کہا شاہزادی آپ کے بھائی کے بچپن کے دوست حبیبؓ ابن مظاہر آگئے۔ کہا فضہؓ جلدی جاؤ اور حبیبؓ سے کہو کہ تم کو فاطمہؑ کی بیٹی سلام کہہ رہی ہے بس عزادارانِ حسینؑ فضہؓ نے جیسے ہی کہا آکر کہ حبیب! علیؑ کی بیٹی فاطمہؑ کی جائی تمھیں سلام کہہ رہی ہے، حبیبؓ نے اپنا منھ پیٹنا شروع کیا اور کہا کہ میری بھی یہ حیثیت کہ شاہزادی کونین مجھے سلام کرے۔ میں کہتا ہوں حبیبؓ تم نے سلام زینبؑ کی یہ قدر کی۔ ذرا بعد عصر عاشور آکر دیکھو۔ بس عزادارانِ حسینؑ! عاشور کا دن، قیامت کی گھڑی، جنگ جاری ہے۔ یہاں تک کے ظہر کی نماز کا وقت آیا اور نماز کی صفیں قائم ہوئیں۔ امام نے حبیبؓ سے کہا تم آگے بڑھو اور ان سے کہو جنگ روک دیں، یہ بھی نماز پڑھ لیں ہم بھی نماز پڑھ لیں۔ حبیبؓ آگے بڑھے اور آگے بڑھ کر کہا پسر سعد کیا تمام تعلیمات اسلام بھول گیا۔ کہا کیا کہنا چاہتے ہو، کہا دیکھتے نہیں ہو نماز کا وقت آگیا ہے، جنگ روکو تھوڑی دیر کے لئے تم بھی نماز پڑھو ہم بھی نماز پڑھیں۔ ایک ملعون آگے بڑھا اور آگے بڑھنے کے بعد اس نے ایک ایسا جملہ کہا کہ حبیبؓ نے کہا فرزند رسولؐ بس میں یہ جملہ سن نہیں سکتا، یہ کہنے کے بعد حملہ کر دیا۔ جنگ ہوئی، حبیبؓ نے اسی عالم میں نماز ادا کی، رجل فقیہہ ہیں اور جنت کو سدھارے۔ مگر حسینؑ نے دکھا دیا کہ ہماری نماز تمھاری اجازت کی محتاج نہیں ہے۔ آپ نے اپنے دو صحابیوں جناب سعیدؓ ابن عبداللہ اور زہیرؓ قینؓ سے کہا تم میرے سامنے کھڑے ہو جاؤ میں نماز پڑھ لوں حسینؑ کے یہ دو سپاہی حسینؑ کے سامنے کھڑے ہو گئے ان کے پیچھے حسینؑ، حسینؑ کے پیچھے جو بقیہ اصحاب تھے اور بنی ہاشم وہ

کھڑے ہوگئے۔ نماز شروع ہوئی اب لشکر پسر سعد جانتا ہے کہ یہ حسینؑ کو شہید کر دینے کا بہترین موقع ہے، لہٰذا تیروں کی بارش شروع ہوئی، نیزے آنے لگے۔ مگر ان دونوں بہادروں کا عالم یہ اگر کوئی تیر بچ کر بھی جانا چاہتا ہے تو یہ آگے بڑھ کر اپنے سینے پر روک لیتے ہیں، اپنے چہرے پر روک لیتے ہیں، اپنی کمر پر روک لیتے ہیں۔ حسینؑ کی نماز اطمینان سے جاری ہے۔ حسینؑ نے فرمایا تھا کہ میرے سامنے اس وقت تک کھڑے رہو جب تک میری نماز ختم نہ ہو جائے اور اطاعت امام کا یہ عالم تھا کہ میں تو کہتا ہوں کہ سعید اتنا زخمی ہو چکے تھے کہ روح کے جسم میں ٹھہرنے کا سوال نہ تھا مگر اطاعت امامؑ کا عالم یہ تھا کہ سعیدؓ جیسے روح سے کہہ رہے ہوں کہ جب تک امام کی نماز تمام نہ ہو جائے میرے جسم کو چھوڑنا نہیں۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ جیسے ہی امامؑ نے کہا کہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہٗ ویسے ہی سعیدؓ کی آواز آئی کہ السلام علیک یا ابا عبداللہ۔ فرزند رسولؐ آپ کی نماز ختم ہوئی اور میرا فریضہ ادا ہوا حسینؑ بیٹھ گئے۔ بس عزادارانِ حسینؑ! میں یہاں پر علامہ اظہر حسن زیدی مرحوم کے حوالے سے جو میرے والد گرامی کے بڑے قریبی دوست تھے اور مجھ سے بے انتہا محبت فرماتے تھے، جو وہ فرماتے تھے اس منزل پر وہ پیش کر کے آپ کی زحمت کو ختم کرنا چاہتا ہوں، مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ حسینؑ نے سعیدؓ کا سر اٹھا کر اپنے زانو کے اوپر رکھا، سعیدؓ نے آنکھ کھولی دیکھا میرا سر حسینؑ کی گود میں رکھا ہوا ہے۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد آنکھیں بند ہوئیں اور زبان کھلی کہا فرزند رسولؐ، فرزند رسولؐ مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ جیسے کوئی میرے سرہانے آگیا ہے۔ حسینؑ نے کہا کہ سلام کرو سعیدؓ یہ میرے نانا ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد آواز آئی کہ مولا مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ جیسے کوئی میری بائیں طرف کھڑا ہو گیا ہو آکے۔ کہا کہ سلام کرو یہ میرے بابا علی مرتضیٰؑ ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد کہا کہ مولا مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ جیسے کوئی میری داہنی طرف کھڑا ہو، کہا سلام کرو یہ میرے بھائی حسن مجتبیٰؑ ہیں۔ اس کے بعد سعیدؓ نے کہا کہ مولا مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے کوئی میرے پیروں کی طرف بڑھ رہا ہے، کہا کہ سعید اپنے پیروں کو جلدی سمیٹو، جلدی سمیٹو، یہ میری ماں فاطمہ زہراؑ ہیں جو تیری طرف آرہی ہیں۔

—— تمام شد ——

چوتھی مجلس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

هُوَ الَّذِیٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۔

اللہ وہ ہے کہ جس نے اپنے رسولؐ کو ذمہ دار ہدایت بنا کر بھیجا ہے ایک ایسے دین کے ساتھ جو حق کا ساتھی ہے تاکہ اس دین کو تمام ادیان باطلہ پر غالب کر دے، شرک کے پرستاروں کو خواہ یہ بات کتنی ہی ناگوار کیوں نہ گزرے۔

آج چوتھی محرم کی مجلس ہے اور تمہید میں قرآن مجید کے بارے میں مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اللہ کی طرف سے جتنی کتابیں نازل ہوئیں ان سب پر اگرچہ ہمارا ایمان ہے مگر اس ایمان کے ساتھ ساتھ اس بات پر بھی ہمارا ایمان ہے کہ ان میں سے کوئی کتاب اپنی اصلی شکل میں باقی نہیں رہ گئی۔ ہر کتاب میں تحریف ہو گئی۔ ہر کتاب میں کچھ سے کچھ کر دیا گیا، لیکن صرف ایک کتاب جس کا نام ہے قرآن مجید، صرف اور صرف یہ کتاب وہ ہے جو ہر قسم کی تحریف سے، ہر قسم کی کمی سے ہر قسم کی زیادتی سے، ہر قسم کی تبدیلی سے محفوظ ہے اور یہ ہمارا عقیدہ بھی ہے اور یہ فیکٹ بھی ہے۔ یہ حقیقت اور واقعیت بھی ہے۔ اس سلسلے میں جو حیرتناک پہلو نظروں کے سامنے آتا ہے وہ ہمارے لحاظ سے حیرتناک ہے، مگر جو مزاج مشیت سے آشنائی رکھتے ہیں اور پہچان رکھتے ہیں ان کو یہ چیز مزاج مشیت کے بالکل مطابق نظر آئے گی۔ کل میں نے حضرت ابراہیمؑ کا قصہ آپ کے سامنے مختصراً عرض کیا تھا، اللہ یہ بھی کر سکتا تھا کہ ہوائیں چل رہی ہوں اور آگ اُڑ جائے۔ لیکن اگر یہ سب ہوتا تو اس کی قدرت کا

ثبوت تو ہوتا مگر یہ بات نہ ہوتی کہ آگ آگ رہی، گرمی رہی، جلانے کی صلاحیت رہی جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ جلانے کی صلاحیت نہ رہی ہوتی تو رسّی جلتی کیسے؟ بس رسّی جلی ابراہیم کے داغ نہ لگا" تاکہ قدرت دکھا دے کہ ہم جسے بچانا چاہیں، اسے آگ جلا نہیں سکتی۔ اب قرآن مجید کے لئے یہ ارشاد ہوا کہ "ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم خود قرآن کو بچائیں گے"۔ ہم اس میں کسی قسم کی تحریف، ترمیم، تبدیلی، کمی، بیشی نہیں ہونے دیں گے۔ تو اس کا بہتر طریقہ تو یہ تھا کہ رسولؐ کو یہ حکم دیا جاتا کہ پورے قرآن مجید کو آپ ایک بکس میں بند کیجئے، اور بند کرنے کے بعد "لاک" کر کے چھپا کے رکھ دیجئے کہ کوئی اس میں تبدیلی نہ کر سکے۔ لیکن اللہ نے یہ نہیں کیا۔ قرآن کی نقلیں یہودیوں کے ہاتھوں میں بھی آگئیں، عیسائیوں کے ہاتھوں میں بھی آگئیں، دشمنانِ خدا کے ہاتھوں میں بھی آگئیں مگر یہ اللہ کی طرف سے بٹھائے ہوئے پہرے تھے کہ مشرکین، یہودی، نصاریٰ و دشمنانِ اسلام کے ہاتھوں میں قرآن رکھنے کے باوجود بھی اس بات پر قدرت نہ رکھ سکے کہ قرآن کے زیر و زبر میں فرق کر دیں۔ یہی وہ شئے ہے جس کو معجزہ کہا جا سکتا ہے۔ اللہ نے قرآن کے لیے وعدہ کیا تھا کہ ہم بچائیں گے، اس نے قرآن کو بچایا۔ حدیثوں کے لیے وعدہ نہیں کیا تھا اس نے۔ کوئی نہیں یہ کہہ سکتا کہ حدیثوں کے لئے وعدہ کیا تھا کہ اے رسولؐ آپ کی زبان سے نکلے ہوئے جملے بھی ہم بچائیں گے۔ نہیں، اس کے لئے وعدہ نہیں ہوا تھا۔ میں تو مسلمات اسلامی آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں کوئی تفرقہ والی بات کرتا ہی نہیں۔ مسلّمات تاریخ اسلامی میں یہ ہے کہ جس کی حفاظت کا اللہ نے وعدہ کیا وہ قرآن دشمنوں کے ہاتھوں میں رہا اور اس میں تبدیلی نہ کر سکے اور جس کی حفاظت کا وعدہ نہیں کیا اس میں خود مسلمانوں نے تبدیلیاں کر دیں۔ اس سے آپ انکار ہی نہیں کر سکتے۔ آپ کہتے ہیں ہم نے تبدیلی کر دی۔ ہم نے کی ہوں یا آپ نے کی ہوں مجھے اس سے مطلب نہیں ہے۔ تبدیلیاں تو ہوئیں بہر حال۔ جھوٹی حدیثیں تو گڑھی گئیں۔ تمام اسلامی اسکالر جانتے ہیں کہ پورا ایک چیپٹر ہے "اسرائیلات" کا۔ تو تمام میتھالوجی بنی اسرائیل سب اسلام میں، بنام اسلام داخل ہو گئیں تو اس کا "سارٹ آؤٹ" کرنا مشکل

ہوگیا۔ تو حدیث کی حفاظت کا وعدہ نہیں تھا، حدیث کی حفاظت کا وعدہ نہیں تھا، حدیث کی حفاظت نہیں ہوسکی اور اسی لئے اگر ساری حدیثیں صحیح ہوتیں تو صحاح ستہ کی ترتیب ہی کیوں ہوتی۔ صحاح ستہ کے معنی کیا ہیں کہ احادیث کے ان ۶ مجموعوں میں جو حدیثیں آئی ہیں وہ ہمارے معین کردہ معیاروں کے اعتبار سے صحیح ہیں۔ تو باقی؟ باقی مشکوک ہیں کم سے کم۔ اگر غلط نہ کہیں آپ تو مشکوک تو آپ کو ماننا ہی پڑے گا۔ تو اس کا مطلب ہے کہ جس کی حفاظت کا وعدہ اللہ نے نہیں کیا اس کی حفاظت نہیں ہوئی جس کی حفاظت کا وعدہ کیا وہ کتاب یہود و نصاریٰ، مشرکین اور کافروں کے ہاتھ میں دے دی گئی کہ تم میں اگر ہمت ہو تو اس میں تبدیلی پیدا کر دو اور ان کا تبدیلی نہ کر سکنا اس بات کی دلیل ہے کہ جو ابراہیمؑ کو آگ میں بچا سکتا تھا وہ کتاب کو یہود و نصاریٰ کے ہاتھ میں بھی بچا سکتا تھا۔

اب یہ قرآن مجید کیا ہے؟ میں کیا بتاؤں کہ کیا ہے؟ اور آپ کیا بتائیں کیا ہے؟ اور کوئی قاری صاحب کیا بتائیں کیا ہے؟ اور کوئی حافظ جی کیا بتائیں کہ کیا ہے؟ کوئی نہیں بتا سکتا۔ میرے عزیزو! اس کو بتا سکتا ہے تو وہی بتا سکتا ہے کہ جس کو قرآن کے ساتھ کیا گیا تھا۔ یہ میں عرض کروں کہ میں قرآن ہی قرآن ہی کے بارے میں گفتگو کرتا ہوں لیکن اگر کبھی کوئی روایت پیش کروں گا، کوئی حدیث پیش کروں گا تو عام طور پر وہ حدیثیں پیش کروں گا کہ جس کو سنی بھی مانتے ہیں اور شیعہ بھی مانتے ہیں دونوں میں سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ تو میں نے کہا وہ بتا سکتا ہے جو قرآن کے ساتھ ہو تو رسولؐ نے فرمایا "علیؑ مع القرآن والقران مع علی" علیؑ قرآن کے ساتھ اور قرآن علیؑ کے ساتھ۔ تو اب جو میں نے علیؑ سے پوچھا مولا یہ قرآن کیا ہے؟ تو مولا نے کیا بتایا؟ مجھ سے نہیں بتایا، اپنے شاگرد ابن عباسؓ سے بتایا، ایک بات عرض کرنا ہے آپ کے سامنے۔ بات سنی ہوگی لیکن شائد نہ یاد ہو کہ ایک رات سورۂ فاتحہ کی تفسیر بیان کرنا شروع کی۔ ابن عباسؓ بہت ذہین آدمی تھے۔ اشاروں پر چلنے والے۔ اجمالی گفتگو ہو رہی تھی مگر اس کے باوجود ایک سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں پوری رات ختم ہوگئی اور جب پوری رات ختم ہونے لگی تو علیؑ نے کچھ جملے کہے۔ کہا یہ تو سورۂ فاتحہ کی تفسیر ہے اگر موقع ملتا مجھے تو

سورۂ فاتحہ شروع ہوتا ہے "الحمد" سے الحمد کا پہلا حرف ہے "الف" میں اس ایک الف کی تفسیر میں پوری رات ختم کر دیتا۔ آپ سمجھ سکتے ہیں علیؑ جھوٹ کہیں گے معاذ اللہ۔ پھر فرمایا کہ ایک "لام" کی تفسیر میں پوری رات ختم کر دیتا۔ ایک ہائے حطی "بڑی ح" جو آئی ہے الحمد میں، اس کے رموز معارف و معارف اور گہرائیاں ہیں اس میں پوری رات ختم کر دیتا۔ اور اس کے بعد فرمایا کہ یاد رکھو ابن عباسؓ یہ کون کہہ رہا ہے، یہ وہ سچا کہہ رہا ہے کہ جس سچے نے یہ دعویٰ کیا ہے اپنی ضعیفی کے دور میں کہ بچپن سے لے کر آج تک میری زبان پر کبھی جھوٹ نہیں آیا۔ یہ دعویٰ بہت مشکل ہے۔ دیکھئے۔ جھوٹ کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک جھوٹ یہ ہے کہ بات کا خلاف عقیدہ ہونا۔ جو بات مجھے معلوم ہے میں اس کے خلاف کہہ رہا ہوں یہ بھی جھوٹ ہے اور بات کا خلاف واقعہ ہونا یہ بھی جھوٹ ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ علیؑ کی زبان پر نہ بات کوئی ایسی آئی کہ دل میں کچھ ہو اور زبان میں کچھ ہو، اور نہ کبھی ایسی بات آئی کہ حقیقت کچھ ہو اور بیان کچھ ہو۔ تو فرماتے ہیں کہ جتنے کائنات کے علوم ہیں وہ سمٹ کر آگئے ہیں قرآن میں۔ پورے علوم کائنات سمٹ کر آگئے ہیں قرآن میں۔ ابھی ایک بچے سے گفتگو ہو رہی تھی ماشاء اللہ وہ فزکس میں ریسرچ کر رہا ہے تو میں نے اپنی مجبوری بتائی کہ ہمارے تو ہاتھ پاؤں باندھ دیے ہیں ائمہ طاہرینؑ نے تو انہوں نے کہا کہ اگر تمھیں کچھ باتیں معلوم ہوں اور لوگ ان سے نا آشنا ہوں تو لوگوں میں وہ باتیں بیان نہ کرو۔ لوگ بھڑک جائیں گے۔ ہم کو بہت احتیاط کے ساتھ گفتگو کرنا پڑتی ہے۔ یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ کہاں تک آپ میں طاقت برداشت ہے۔ بڑی مشکلیں ہیں بھائی۔ تو اب مولا فرماتے ہیں کہ جو کچھ سارے علوم کائنات ہیں، وہ سمٹ کر آگئے ہیں قرآن میں، اور پورا قرآن سمٹ کر آگیا ہے سورہ حمد میں اور پورا سورہ الحمد سمٹ کر آگیا ہے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں اور "بسم اللہ" سمٹ گئی ہے "ب" میں اور "ب" سمٹ گیا ہے نقطے میں بے کے۔ تو اب کوئی پوچھے کہ یہ سارے علوم سمٹ کر ایک نقطے میں کیسے آگئے؟ تو میں عرض کرتا ہوں، دنیا کی سب سے بڑی لائبریری ہے، "لائبریری آف کانگریس" واشنگٹن میں۔ واقعی وہ عجیب و غریب لائبریری ہے۔ آپ جا کے دیکھئے اس کو۔ مگر جب مجھے اطلاع ملی کہ ہندو وہاں پڑھنے کے

لئے آتے ہیں، سکھ وہاں پڑھنے کے لئے آتے ہیں، کرسچین وہاں پڑھنے کے لئے آتے ہیں، بدھسٹ وہاں پڑھنے کے لئے آتے ہیں، نہیں پڑھنے کے لئے آتے ہیں تو مسلمان۔ اس لئے کہ الحمد للہ وہ پہلے ہی سے پڑھے ہیں، ان کو پڑھنے لکھنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ کتنی کتابیں ہیں اس لائبریری میں؟ میں ان تفصیلات میں کہاں جاؤں۔ کوئی دنیا کی کتاب شاید ایسی رہ گئی ہو کسی بھی زبان کی کہ اسکی فوٹو کاپی، فلم یا اوریجنل وہاں پر موجود نہ ہو۔ سب کچھ موجود ہے، عجیب و غریب ذخیرہ ہے۔ اب بھائی سوال یہ ہے کہ آدمی کے پاس ٹائم کہاں ہے۔ اب ایک مخصوص چیز دیکھنا ہے تو لائبریری کہاں کھنگالیں تو اس بات کو آسان کرنے کے لئے "انسائیکلوپیڈیا" بنا دی گئی کہ آپ کو جو بھی دیکھنا ہے وہ انسائیکلوپیڈیا میں مل جائے گا۔ ٹھیک ہے انسائیکلوپیڈیا ایک لائبریری تو نہیں ہے لیکن اس کی بھی بیسوں جلدیں ہیں تو ضرورت ایجاد کی ماں ہوتی ہے۔ اب جب سے یہ کمپیوٹر ایجاد ہوا ہے اس نے ایک عجب انقلاب برپا کر دیا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ اب چھوٹے چھوٹے "ڈسکیٹ" ایجاد ہو چکے ہیں۔ ننھی منی سی "ڈسکیٹ" ہے اور اس کے اندر معلومات کا خزانہ، ایک پوری لائبریری محفوظ ہے، جس میں سسٹم یہ ہے کہ آپ کو اگر کوئی شے تلاش کرنا ہے تو ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ آپ نے کمپیوٹر کو بتایا کہ ہم کو صرف یہ مسئلہ چاہیے ہے اور کمپیوٹر نے آٹومیٹکلی ریڈ کر کے آپ کو وہ شے نکال کر دکھا دی کہ یہ لیجیے پڑھ لیجیے ساری باتیں۔ غور کیا آپ نے۔ لیکن میرے بچو! جو بات میں تمھیں بتانا چاہتا ہوں اور نوجوانو! جس حقیقت سے میں آپ کو مطلع کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ آئندہ چند برسوں میں یہ ڈسکیٹ "سمٹ کر کتنا چھوٹا ہو جائے گا" یہ آپ کو معلوم ہے؟ میں نے پڑھا ہے کہ انسائیکلوپیڈیا برٹینکا، انسائیکلوپیڈیا امریکانا، دنیا کی بڑی سے بڑی "انسائیکلوپیڈیاز" سمٹ کر ایک اتنے سے چھوٹے سے سائز کے "ڈسک" میں آجائیں گی کہ جس کا سائز "آلپین" کے ہیڈ کے برابر ہوگا۔ اتنی سی ڈسک ہوگی اور اس کے اندر پوری انسائیکلوپیڈیا سموئی ہوئی ہوگی۔ پوری پوری لائبریریوں کی جو معلومات ہیں وہ سب اسکے اندر موجود ہوں گی۔ تو آج جب یہ حقیقت ہمارے سامنے آئی کہ علوم سمٹ کر آسکتے ہیں انسائیکلوپیڈیا میں اور انسائیکلوپیڈیا سمٹ کر ——— ایک ایسی

"ڈسکیٹ" میں آسکتی ہے کہ جس کا سائز "آلپین" کے ہیڈ کے برابر ہو تو آج ہم کو علیؑ کے قول کی قدر ہوسکتی ہے۔ اگر دُنیا انسائیکلو پیڈیا کو آلپین کے ہیڈ میں سمٹ سکتی ہے تو قرآن کو نقطہ بائے بسم اللہ میں کیوں نہیں سمیٹ سکتے۔ (صلوٰۃ)

بس برادران عزیز۔ مسئلہ یہی ہے کہ اسلام کا کھیل بگڑ گیا۔ اسلام کہتا تھا کہ جو کچھ ہے وہ عقل ہے، مسلمانوں نے کہا جو کچھ ہے وہ بے عقلی ہے۔ اسلام نے کہا جو کچھ ہے وہ علم ہے، مسلمانوں نے کہا جو کچھ ہے وہ جہالت ہے، اسلام نے کہا رسم اور دین ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتے، مسلمانوں نے کہا ہم دین کو چھوڑ دیں گے، رسموں کو پکڑ لیں گے۔ کیا کیا جائے، سارا معاملہ ہی اُلٹا ہے۔ میں نے کل آپکے سامنے عرض کیا تھا کہ میں آپ کے سامنے مدتوں سے کہتا رہا کہ بھائی شادی بیاہ میں رحم کیجئے، تھوڑے مرغے کم کر دیجئے، مچھلیاں کم کر دیجئے، ڈشیز کم کر دیجئے، غریبوں کا خیال کیجئے۔ آپ نے میری بات نہیں مانی حکومت نے آپ سے منوالی۔ اس کے آگے میں کچھ کہہ سکتا تھا لیکن کہوں گا نہیں۔ کہ کون کس کی بات مانتا ہے کہوں گا نہیں، جسارت ہوجائے گی۔ آج میں نے اخبار میں بیان دیکھا کہ اس ملک کا وزیر اعظم یہ کہہ رہا ہے کہ ہمارے سامنے اس وقت فرقہ واریت سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ شریف آدمی ہیں نا۔ ان کا نام ہی نواز شریف ہے، تو وہ جسے فرقہ واریت کہہ رہے ہیں میں اسے ملائیت کہتا ہوں۔ چاہے اسے آپ ملائیت کہیے اور چاہے فرقہ واریت کہیے۔ میں ان سے کہنا چاہتا ہوں کہ اگر آپ فرقہ واریت کے خلاف جہاد شروع کر رہے ہیں تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ پوری امت مسلمہ اس جہاد میں آپ کے ساتھ ہے۔ سوائے چند جاہلوں کے۔ باقی سب آپ کے ساتھ ہیں۔ لیکن ذرا بات کو آپ بھی سمجھ لیں کہ شاخوں کے کاٹنے سے درخت نہیں سوکھتا ہے، جڑ کو کاٹنا پڑتا ہے۔ فرقہ واریت کے خلاف آپ جہاد ضرور کریں مگر فرقہ واریت جس جڑ سے پیدا ہوتی ہے اس جڑ کا نام ہے جہالت۔ جب تک اس ملک سے جہالت کا خاتمہ نہیں ہوگا، ناخواندگی کا خاتمہ نہیں ہوگا۔ ہوشیار مُلّا جاہل عوام کو ورغلاتے رہیں گے، بھڑکاتے رہیں گے۔ لڑاتے رہیں گے۔ اس لئے کہ انہیں کے لڑتے رہنے میں ان کا فائدہ ہے۔ کئی روز سے

جب یہاں میں بیٹھا تھا لوگ مجھ سے پوچھتے تھے کہ لکھنؤ میں کیا ہوا؟ اب میں کیا بتاؤں لکھنؤ میں کیا ہوا۔ صرف آپ کو سمجھانے کے لئے میں مختصر سا بتاتا ہوں۔ کہ چند مہینے پہلے یہ ہوا تھا کہ سنی حضرات کا ایک محلہ تھا اس محلے میں ان کی ایک مسجد تھی، وہیں پر ایک ہندو بھی رہتا تھا اس نے چپکے چپکے راتوں رات اس مسجد کی دیوار سے ملا ہوا ایک مندر بنا لیا۔ صبح کو مسلمانوں نے دیکھا کہ اتنی تیزی سے یہ مندر کیسے بن گیا؟ وہ خود غریب آدمی تھا یہ بھی آپ سمجھ لیں، اس کا مطلب ہے کہ فنڈنگ کہیں اور سے ہوئی تھی کہ راتوں رات اتنا بڑا مندر اچھا خاصا بن کے تیار ہو گیا۔ اس میں ٹینشن ہوا، ہندو مسلم کا بدقسمتی سے تھوڑا بہت جھگڑا بھی ہوا۔ اب اس کے بعد صورتِ حال یہ ہوئی کہ تین دن تک کرفیو رہا۔ پھر کرفیو ایک دن دو گھنٹے کے لئے کھلا، چار سے لے کر چھ بجے تک تو حضرات لکھنؤ سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں، جو نہیں واقف ہیں ان کو بتا دوں کہ وہاں پر ایک محلّہ ہے محمود نگر۔ محمود نگر میں سوائے دیوبندی حضرات کے اور دوسرا کوئی نہیں رہتا۔ کافی بڑی آبادی ہے دیوبندی حضرات کی۔ اس کے آگے جو محلّہ ہے وہ کشمیری محلہ ہے اس میں سب شیعہ ہی شیعہ رہتے ہیں۔ یہ بھی مزے کی بات ہے کہ اس میں کوئی سُنی نہیں ہے۔ اس میں کوئی شیعہ نہیں ہے۔ خیر۔ تو جس دن دو گھنٹے کے لئے کرفیو کھلا اس دن مولانا محمد منظور نعمانی صاحب جن کا ابھی دو تین مہینے پہلے انتقال ہوا ہے، ان کے صاحبزادے مولانا خلیل الرحمان سجاد نعمانی صاحب کا میرے پاس ٹیلی فون آیا۔ وہ میرے دوست ہیں۔ اب یہ بھی کہہ دوں کہ لوگ تو کہتے ہیں کہ آپ تو وہابی ہیں۔ کیوں وہابی ہوں میں؟ کہا آپ کی دوستی وہابی حضرات سے بہت ہے تو مجھ سے جب یہ سوال کیا گیا تو ایسے مجمع میں سوال کیا گیا جہاں سب شیعہ ہی حضرات بیٹھے تھے تو میں نے ہنس کر کہا کہ آپ حضرات کیا ہیں؟ تو کہنے لگے ہم تو شیعہ ہیں۔ تو میں نے کہا میں یہاں ہوں کہ نہیں ہوں؟ کہنے لگے جی ہاں ہیں۔ تو میں نے کہا میں "یہاں بھی ہوں"، "وہاں بھی" ہوں۔ تو میرا مسئلہ جو ہے وہ یہی ہے کہ میں "یہاں بھی ہوں وہاں بھی ہوں"۔ تو انہوں نے کہا، آپ گورنر سے کہہ دیجئے مجھے اطلاع ملی ہے کہ وہاں مسلمانوں کی چھتوں پر پولیس کو بٹھا دیا گیا ہے کہ وہ عورتوں کے ساتھ چھیڑ خوانی کرے اور کرفیو کے پیریڈ میں پھر ہنگامہ ہو جائے تو میں نے کہا میں گورنر کو تو ٹیلیفون کرتا ہوں، مگر میں خود ہی جا کے مسئلے کو دیکھ لیتا ہوں،

کون بڑی بات ہے۔ وہ محلہ میرے محلے سے بالکل چند قدم پر ہے۔ میں گاڑی میں بیٹھا اور دو تین منٹ کے اندر اندر وہاں پہنچ گیا۔ مجسٹریٹ نے مجھ سے پوچھا کہ آپ یہاں کیسے آئے تو میں نے کہا کہ میں اس لئے آیا ہوں کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ یہاں پولیس اور پی اے سی کو آپ نے چھتوں پر بٹھایا ہے اس لئے کہ مسلمان عورتوں کے ساتھ چھیڑ خوانی کرے۔ تو میں آپ سے کچھ بھیک مانگنے کے لئے نہیں آیا ہوں آپ کو مطلع کرنے آیا ہوں۔ اب جا رہا ہوں ایک ایک گھر میں پوچھتا ہوں اور اگر کسی گھر سے مجھے یہ شکایت ملی کہ کسی سپاہی نے وہاں کسی مسلمان عورت کی عزت کے اوپر ڈاکہ ڈالا ہے تو میں اس سپاہی کو چھت سے نیچے پھینک دوں گا۔ میں نے جب یہ زور سے کہا اور کہہ کے سیدھا آگے بڑھا محلے کی طرف تو پی اے سی مسلح میرے پیچھے پیچھے چلی۔ تو میں نے ان سے کہا آپ ان کو ہٹا لیجئے میں انہیں خاطر واطر میں نہیں لاتا اور یہ رائفلیں میرا کچھ بنا بگاڑ نہیں سکتیں۔ مجھے جو کرنا ہے وہ میں کروں گا۔ اس کے بعد میں ایک ایک گھر میں گیا۔ میں نے عورتوں سے کہا کہ اگر کوئی سپاہی آپ کے ساتھ ذرا بھی چھیڑ خوانی کرے۔ آپ فوراً مجھے ٹیلی فون سے اطلاع کریں میں اکیلا نہیں آؤں گا، ایک لاکھ شیعہ آپ کی عزت بچانے کے لئے یہاں پر آجائیں گے۔ چنانچہ پھر اس کی ایسی دہشت بیٹھی کہ وہ سپاہی وہاں سے اُتار لئے گئے اور ان حضرات کا بہر حال یہ کہنا تھا کہ ہماری عورتوں کی عزت پر جب وقت پڑا تو ہمارے فرقہ کے علمار تو نہیں آئے۔ ہاں شیعوں کا ایک عالم آیا دوڑا دوڑا اور اسی وجہ سے ہماری عزت بچی۔ یہ واقعہ وہاں وہاں سارے اخباروں میں چھپا۔ اس کے چند روز بعد جب بی جے پی نے یہ دیکھا کہ ہندو مسلم رائٹ ہم نہیں کرا سکے تو اس نے ایک بہانہ کر کے اور ایک سازش کر کے شیعہ سنی رائٹ کرانا چاہا جس کی خبر آپ کو اب ہوئی ہوگی۔ میں اس سے زیادہ تفصیلات میں جانا نہیں چاہتا مگر میں آپ کو ایک سبق دینا چاہتا ہوں اور یہ بتانا چاہتا ہوں کہ معاملات کو کیسے "ڈیل" کیا جاتا ہے۔ تو اس وقت ایک ایسی صورت پیدا ہوگئی کہ وہ محلہ محمود نگر کا علاقہ جہاں سے کوئی شیعہ ماتم کرتا ہوا نہیں گزر سکتا تھا صورت حال ایسی پیدا ہوگئی کہ شیعہ نوجوان

وہاں سے ماتم کرتے ہوئے گزرنے لگے۔ اور کچھ لوگوں نے کہا بھی کہ یہ تو کبھی نہیں ہوا یہ آج یہاں کیسے ہو رہا ہے ان کو رد کو۔ تو وہاں کے محلّے والوں نے جواب دیا کہ ہم احسان فراموش نہیں ہیں۔ ان کو جانے دو۔ انھیں کے رہنما نے ہماری عورتوں کی عزت بچائی تھی۔ تو ہم اتنی جلدی یہ احسان کیسے بھول جائیں گے، ان کو جانے دو۔ یہ کیوں ہوا؟ یہ اس لئے ہوا کہ شیعہ بھی دیکھ رہے تھے کہ لڑانے والا کوئی اور ہے اور سنّی بھی دیکھ رہے تھے کہ لڑانے والا کوئی اور ہے۔ تو ہم وہاں لڑانے والوں کو دیکھ لیتے ہیں آپ یہاں لڑانے والوں کو کیوں نہیں دیکھ پاتے۔ بس میں آج اس موضوع کو ختم کر رہا ہوں، ہمارے لکھنؤ میں ایک شاعر تھے ناوک لکھنوی مرحوم، وہ مزاحیہ شاعری کیا کرتے تھے تو ان کا ایک شعر آپ کے سامنے پڑھتا ہوں، پہلے مطلع پڑھے دیتا ہوں۔ ہاں جو شعر میں پڑھوں گا اس میں میں نے تھوڑی ترمیم کر دی ہے حالات حاضرہ کے تحت۔ ہزل یہاں سے شروع ہوتی ہے کہ:

پھر شیشہ و شبنم کو ہم دیکھ رہے ہیں
پھر امن کی آغوش میں بم دیکھ رہے ہیں

اور جو شعر آپ کو سنانا چاہتا ہوں معمولی سی ترمیم کے ساتھ وہ یہ ہے کہ:۔

اس دور میں کچھ واقعی اندھے بھی ہیں مُلّا
کچھ ایسے ہیں جو جان کے کم دیکھ رہے ہیں

تو ایسی بات نہیں ہے کہ ہم دیکھیں اور آپ نہ دیکھیں۔ ہم دیکھنا چاہتے ہیں اس لئے دیکھ رہے ہیں۔ آپ جان بوجھ کے نہیں دیکھنا چاہتے۔ ان ہاتھوں کو جو مسلمانوں کو مسلمانوں سے لڑا کر اسلام کی طاقت کو کمزور کرنا چاہتے ہیں۔ آپ ان سازشوں کا شکار ہو رہے ہیں بس۔ تو میرے عزیزو اتنی مجلسیں ہوتی ہیں، اتنی تقریریں ہوتی ہیں، اتنی کتابیں لکھی جاتی ہیں مگر لوگ روز بروز مذہب سے دور ہو رہے ہیں، لوگ روز بروز خدا بیزار ہو رہے ہیں۔ بات یہ ہے کہ اس میں غلطی کسی اور کی نہیں ہے غلطی ہماری ہے۔ چند غلطیاں ہیں ہماری، جہاں تک وقت مجھے اجازت دے گا آج پڑھوں گا باقی انشاء اللہ کل پڑھوں گا۔ پہلی غلطی یہ ہے کہ نظریات کے سلسلے میں عقیدے کے سلسلے میں کبھی

کسی بڑے سے بڑے انسان سے مرعوب نہ ہویئے۔ اور متاثر نہ ہویئے۔ فلاں یہ کہہ رہا ہے تو کیسے غلط ہے، میرا مطالعہ یہ ہے کہ جو آدمی جتنا بڑا ہوتا ہے اتنی ہی بڑی غلطی کرتا ہے۔ ابھی وہ بحث جس سے فزکس والی بات شروع ہی تھی میں نے اس کو بتایا کل اس کی تفصیل آپ کے سامنے پیش کروں گا۔ رسل۔ برٹ رینڈرسل، بہترین لکھنے والا۔ ہمارے علماء کو طرز نگارش سیکھنا چاہیے برٹ رینڈرسل سے۔ ہمارے یہاں دستور یہ تھا کہ سہل سے سہل بات کو قابلیت کا معیار یہ ہے کہ اس کو اتنا مشکل بنا دو کہ کسی کی سمجھ ہی میں نہ آئے۔ اس کا اسٹائل یہ ہے کہ پہاڑ کو پانی بنا کر پیش کرو۔ لیکن یہی آدمی جب خدا کے موضوع پر آتا ہے تو اتنی بھیانک غلطی کرتا ہے بلکہ اتنی بچکانہ غلطی کرتا ہے کہ حیرت ہوتی ہے جو شخص اتنا بڑا فلسفی ہو اتنی بچکانہ بات کیسے کر رہا ہے اس کی تفصیل کل میں آپ کے سامنے پیش کروں گا۔ سقراط کا نام سُنا ہے آپ نے، بہت بڑا فلسفی تھا۔ اب سقراط کو دیکھئے، اس کے فلسفے کو دیکھئے۔ اس کی منزل کو دیکھئے، اس کی منزلت کو دیکھئے، اس کے درجے کو دیکھئے اور اس کی بھیانک غلطی کو دیکھئے۔ کہ سقراط کو بھی اس بات کا یقین تھا کہ مرد کے دانت ۳۲ ہوتے ہیں، عورت کے دانت ۳۱ ہوتے ہوتے ہیں۔ تو رسل نے کہا کہ سقراط کو بھی اس بات کا یقین تھا کہ مرد کے دانت ۳۲ ہوتے ہیں اور عورتوں کے دانت ۳۱ ہوتے ہیں۔ حالانکہ ۳۳ کہتا تو شائد زیادہ قابل قبول بات ہوگی تو رسل نے کہا کہ بھائی اس میں کون سی بڑی مشکل کی بات تھی کون سی ریسرچ کی ضرورت تھی، کون سی زمین کے طبقات کھودنے کی ضرورت تھی، اپنی بیوی سے کہا ہوتا کہ ذرا منھ کھولو میں تمہارے دانت گن لوں معلوم ہو جاتا کہ ۳۱ ہیں کہ ۳۲ ہیں۔ مگر وہ یقین جو پہلے چلا آرہا تھا اس میں ایسا مبتلا ہوا کہ بیوی کا منھ کھول کے دانت گننے کی زحمت گوارا نہ کی۔ جو سب کہہ رہے تھے وہ اس نے بھی کہنا شروع کر دیا کہ مرد کے دانت ۳۲ ہوتے ہیں، عورت کے دانت ۳۱ ہوتے ہیں۔ ہمیشہ میرٹ کے اوپر گفتگو کیجئے۔ یہ نہ دیکھئے کون کہہ رہا ہے۔ نمبر ایک بات۔ نمبر دو بات یہ ہے کہ مذہب سے لوگ بیزار ہو رہے ہیں مگر یہ غلط تصورات ہیں مذہب کے بارے میں، غلط نظریات دین کے بارے میں ہیں جو لوگوں کو دین سے بیزار کر رہے ہیں۔ تقریباً ہر مسلمان کو اس بات کا یقین ہے کہ مادیت الگ ہے روحانیت

الگ ہے۔ دونوں میں جنگ ہے، جہاں مادیت ہوگی وہاں روحانیت نہیں ہوگی وہاں مادیت نہیں ہوگی جہاں دین ہوگا وہاں دُنیا نہیں ہوگی جہاں دُنیا ہوگی وہاں دین نہیں ہوگا۔ اگر اب یہی صورتحال ہے تو وہی سوال سامنے آتا ہے کہ اگر ہم دین کو لیں تو دُنیا چھوڑنا پڑے گی یا دُنیا کو لیں تو دین چھوڑنا پڑے گا۔ کہاں ہے یہ؟ مادیت اور روحانیت میں کوئی جنگ نہیں ہے۔ دین و دُنیا میں کوئی جنگ نہیں ہے، دُنیا اور آخرت میں کوئی جنگ نہیں ہے۔ کاش کہ میں آپ کو سمجھا سے جاؤں۔ دین ایک راستہ ہے کہ جو نفس انسانی سے شروع ہوتا اور کھنچ کر سیدھا ذات الٰہی تک جاتا ہے۔ یہ ہے راستہ دین کا جو یہاں (دل) سے شروع ہوتا ہے اور وہاں تک جاتا ہے۔ لامکان کی طرف، غور کیا آپ نے۔ جو لوگ نفس میں سمٹ کر رہ جاتے ہیں وہ مادہ پرست اور مادیت پرست ہوتے ہیں۔ جو یہاں (نفس) سے اٹھتے ہیں، ابھرتے ہیں، جتنا جتنا وہ اوپر اٹھتے چلے جاتے ہیں۔ قربِ الٰہی حاصل کرتے چلے جاتے ہیں اتنا اتنا روحانیت میں وہ کمال حاصل کرتے جاتے ہیں تو اب مادیت وروحانیت کی تعریف کیا ہوئی؟ کہ مادیت پرست انسان کو اپنے نفس کے علاوہ کچھ نہیں دکھائی دیتا اور روحانیت کی منزل یہ ہے کہ انسان جتنا جتنا روحانیت میں بلند ہوتا جائے گا وہ خلق خدا کا چاہنے والا بنتا جائے گا۔ میں عرض کر دوں اسلام کو سمجھ لیجئے، معذرت چاہتا ہوں، معافی چاہتا ہوں آپ سے، مگر میں یہ باتیں کرنے کے لئے مجبور ہوں، مجھے مستقبل کو دیکھنا ہے، فیوچر کو دیکھنا ہے، مشکل یہ ہے کہ مسلمانوں نے مذہبی رسوم کو منزل سمجھ کر انہیں مذہبی رسوم پر ڈیرے ڈال دیے ہیں۔ حالانکہ آپ اگر دین کو دیکھیں تو دین کی جتنی اصطلاحیں ہیں وہ سب راہ اور راستہ کے معنوں میں ہیں، شریعت کے معنی کیا؟ راستہ، طریقت کے کیا معنی؟ راستہ، مذہب کے معنی کیا؟ راستہ، صراط کے معنی کیا؟ وہ بھی راستہ، تو جتنی اصطلاحیں ہیں وہ خود بتا رہی ہیں کہ یہ راستہ ہے منزل نہیں ہے اور ہم نے کیا غلطی کی کہ نماز ہے راستہ، ہم وہاں پر جم کے بیٹھ گئے منزل سمجھ کے۔ ایک وبا آپ کے یہاں نہیں ہے اللہ کا شکر ہے، بمبئی میں بہت ہے، بمبئی میں جیسے ہی آپ ایرپورٹ سے نکل کر جائیں گے تو آپ دیکھیں گے کہ سڑکوں کے کنارے فٹ پاتھ پر لاکھوں لوگ پڑے ہوئے ہیں۔ یہاں نہیں ہے اللہ کا شکر ہے، بمبئی میں بہت ہے، دہلی میں بھی ہے تو یہ سڑکوں پہ

کون لوگ پڑ جاتے ہیں جن کی کوئی منزل نہیں ہوتی۔ تو نمازوں پر کون لوگ پڑ جاتے ہیں؟ جن کو اپنی منزل نہیں معلوم، وہ نمازیں پڑھتے ہیں لیکن ان کو یہ نہیں معلوم کہ نماز راستہ ہے منزل نہیں ہے۔ وہ روزے رکھتے ہیں اور روزوں پر ڈیرے ڈال دیتے ہیں سمجھتے ہیں یہی ہماری منزل ہے۔ پلیٹ فارم پر جاکر بیٹھ گئے، گاڑی آئی بھی اور چل بھی گئی وہ پلیٹ فارم پر رہ گئے۔ تو رسموں کو منزل بنا دینا اس سے دین کو زبردست نقصان ہوتا ہے۔ ایک اور بنیادی خرابی کیا ہے؟ پھر وہی بات آجاتی ہے، میں تو گھوم پھر کے مُلّاؤں کا ذکر کرنے کے لئے مجبور ہو جاتا ہوں، معافی چاہتا ہوں، غلط کہوں تو مجھے ٹوک دیں۔ ایک کسی سڑے اُپلے شیعہ نے، دیمک چٹے شیعہ نے کوئی ایسی بات لکھ دی کہ جس کا لکھنا مناسب نہیں تھا یا کہہ دی کہ جس کا کہنا مناسب نہیں تھا، اُدھر سے کسی مُلّا نے کہا، شیعہ یہ کہتے ہیں، شیعہ یہ کہتے ہیں پہلے یہ تو دیکھو کہ وہ شیعہ کیسا ہے بھائی، اس کی صورت تو دیکھو پہلے، اس کی بیک گراؤنڈ تو دیکھ لو پہلے۔ اسی قسم کا کوئی سُنّی کھڑا ہوا اس نے کچھ بکواس کر دی، آپ نے کہا سُنّی یہ کہتے ہیں بس ایک شیعہ نے کچھ کہا اور سارے شیعوں نے وہ کہہ دیا۔ اور ایک سُنّی نے کچھ بکا اور سارے سنّیوں نے وہ بک دیا۔ یہ انداز ہوتا ہے مناظرے کا۔ دعوت و تبلیغ کا یہ انداز نہیں ہوتا۔ قرآن مجید کو آپ ملاحظہ فرمائیں، قرآن مجید مناظرے کی کتاب نہیں ہے، میں کہہ چکا لفظ لفظ مناظرہ قرآن میں ہے ہی نہیں۔ اگرچہ ہے یہ عربی کا لفظ، لیکن مناظرہ آپ قرآن میں نہیں دکھا سکتے یہ غیر قرآنی لفظ ہے، اس لئے کہ مناظرے سے لوگوں کی گردنیں کٹتی ہیں، شبہات کی گردنیں نہیں کٹتی۔ تو اب قرآن کیا کہتا ہے؟ دیکھئے قرآن کیا کہتا ہے؟ قرآن کہتا ہے "یہ اہلِ کتاب، یہود و نصاریٰ، یہ سب نہیں کہتے، یہ سب نہیں کہتے، کہتا ہے کہ ان میں ایک گروہ ایسا ہے جو یہ کہتا ہے کہ ایمان لاکے اگر اپنے دین کی طرف پلٹانا ہے تو اس کی بہترین شق یہ ہے کہ صبح کو جاگو تو کہو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور شام کو کہو کہ ہم کو تو ان کا باطل ہونا معلوم ہو گیا ہم اپنے پرانے دین پر پلٹ کر جا رہے ہیں تو جیسے کبوتروں کے ساتھ دوسرے کبوتر اُڑ کر چلے آتے ہیں نا، ان کے بھی پلٹ کے آجائیں گے بہت سے۔ یہ صبح کو ایمان لائے تھے شام کو جا رہے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دین باطل ہے۔ قرآن کہتا ہے،

دیکھئے ایمانداری قرآن کی کہ "ایک گروہ یہ کہتا ہے"۔ ایک اور منزل پر ارشاد ہوتا کہ "اہلِ کتاب کا ایک گروہ یہ چاہتا ہے کہ وہ تمھیں گمراہ کر دے۔ حالانکہ وہ تم کو گمراہ نہیں کر سکیں گے۔ خود ہی گمراہی میں بھٹکتے رہیں گے۔ ان مشرکوں میں، ان کافروں میں، ان بے دینوں میں کچھ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ایک دینار بھی ان کے پاس بطور امانت کے رکھوا دو تو واپس کرنے پر تیار نہیں ہوں گے۔ صبح سے لے کر شام تک کھڑے رہو تو شائد واپس کر دیں۔ مگر اس کے ساتھ ارشاد ہوتا ہے کہ "لیکن انھیں صاحبانِ کتاب میں اگرچہ یہ کافر ہیں مگر کچھ ایسے دیانت دار بھی ہیں کہ اگر سونے اور چاندی کے ڈھیر ان کے پاس جمع کر دو گے اور جب واپس لینے کے لئے پہنچو گے تو وہ تمہارے سامنے لا کر حاضر کر دیں گے تو پرابلم کیا ہوتی ہے؟ کہ تعلیم قرآن یہ ہے کہ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ اُخْرٰی ایک کا بوجھ دوسرا نہیں اُٹھا سکتا۔ دیکھ رہے ہیں آپ ایمانداری کی بات کہ قرآن کہہ رہا ہے کہ یہ کافر ہیں مگر ان میں کچھ ایسے ہیں کہ ایک دینار پر بے ایمان ہونے کے لئے تیار ہیں، اور کچھ ایسے ہیں کہ سونے چاندی کے ڈھیر اگر رکھوا دو تو فوراً تم کو واپس کر دیں گے۔ ہمارے یہاں صورتِ حال کیا ہوتی ہے؟ چونکہ قرآن دعوت و تبلیغ کی کتاب ہے اس لئے وہ صحت و حق کے پیچھے چلتی ہے۔ ہمیں لڑانا ہے لہٰذا ایک کسی آدمی نے کوئی بات کہہ دی تو ہم نے ساری قوم کی طرف منسوب کر دی کہ سارے کے سارے شیعہ یہ کہتے ہیں اور سارے کے سارے سُنّی یہ کہتے ہیں اور سارے کے سارے دیوبندی یہ کہتے ہیں۔ تو میرے مسلمان بھائیو اگر تم لوگ آپس میں اسی طرح لڑتے رہے۔ علمی مباحثے کی بات میں نہیں کر رہا ہوں۔ لڑائی دنگے کی بات کر رہا ہوں۔ یہ جو بے گناہ انسانوں کا خون بہایا جا رہا ہے بنام مذہب، اسلام آیا ہے جان بچانے کے لئے، تم اسلام کے نام پر دوسروں کی جان لے رہے ہو۔ بتائے دیتا ہوں میرے پاکستان کے بھائیو یہ بات لکھ لو کہ آئندہ آنے والی نسلیں نہ شیعہ ہوں گی اور نہ سُنّی۔ وہ اسلام ہی کو چھوڑ چکی ہوں گی۔ وہ یہی کہیں گی کہ ہم ایسے اسلام کو لے کر کیا

٭ آج ۲۰ دسمبر ۱۹۹۷ء کے اخبارات نے اس اندیشہ کی یوں تصدیق کی ہے کہ افغانستان کی مسلسل خانہ جنگی کے سبب تقریباً ایک لاکھ مسلمان عیسائی ہو کر ملک چھوڑ چکے ہیں۔ (ت ص)

کریں جو خون بہانے کا مذہب ہے، جن کو ترس نہیں آتا ہے، جن کو رحم نہیں آتا ہے، ایک جوان مرتا ہے آپ کو کیا خبر کہ اس کی ماں کے دل پر کیا گزر رہی ہے۔ سُنّی ہو یا شیعہ اس کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے انسان تو انسان ہے۔ کاش کہ انسان سوچے کہ جس آدمی کو ہم نے مارا ہے اس کی ماں پر کیا گزر رہی ہو گی۔ جس کو ہم نے مارا ہے اس کے بھائی کے دل پر کیا گزر رہی ہو گی۔ اس لئے میں نے آپ کے سامنے عرض کیا اور پھر دہرانا چاہتا ہوں، الحمدللہ کراچی میں تو امن و امان ہے اور اور انشاء اللہ یہاں امن و امان رہے گا۔ پنجاب کے شیعہ اور سُنّی علماء سے میری التماس ہے کہ اگر کوئی شیعہ مارا جائے تو سُنّی علماء اس کے جنازے میں شریک ہوں تاکہ شریک ہو کر وہ یہ بتائیں کہ کریمنل از کریمنل، مجرم مجرم ہے چاہے وہ شیعہ ہو یا سُنّی ہو اور کوئی سنّی جب کسی شیعہ کے ہاتھ سے مارا جائے تو شیعہ علماء کا فریضہ ہے کہ وہ اس کے جنازے میں شریک ہوں۔ اس لئے کہ جو بے خطا انسان کو مارے وہ مسلمان نہیں ہے چاہے وہ اپنے کو شیعہ کہتا ہو چاہے وہ اپنے کو سُنّی کہتا ہو۔ بے خطا انسان کو آپ نہیں مار سکتے ایک کافر کو آپ نہیں مار سکتے ایک مشرک کو آپ نہیں مار سکتے۔ اے بھائی آپ کو یہ خبر نہیں ہے کہ اسلام یہ کہتا ہے کہ آپ درخت کی ایک پتّی کو تفریحاً نہیں توڑ سکتے۔ درخت کی ایک پتّی کو آپ دوا کیلئے توڑیں وہ بات الگ ہے، کھانے کے لئے توڑیں وہ بات الگ ہے لیکن تفریحاً مسلنے کے نہیں۔ تو جو اسلام درخت کی ایک پتّی کو مسلنے کی اجازت نہ دے تو وہ کسی ماں کے دل کو مسلنے کی اجازت دے گا؟ کدھر ہیں آپ، کہاں ہیں آپ، کیسا ہے آپ کا اسلام؟ کیسا ہے آپ کا ایمان؟ یہ وہی ہے اسلام کہ جس کا کوئی کام شروع نہیں ہوتا ہے جب تک اللہ کی رحمانیت و رحیمیت کا اقرار نہ ہو جائے۔ بسم اللہ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، سورۂ فاتحہ شروع ہوا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، غور کر رہے ہیں آپ، نماز ختم ہوتی ہے، اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ بَرَکَاتُہٗ۔ رسول رحمت للعالمین۔ قرآن رحمت المومنین، ارے جس کی ہر شئے رحمت ہے اس کے ماننے والے سوائے زحمت کے اور کچھ نہیں، سوائے مصیبت کے اور کچھ نہیں۔

تو کربلا کی داستان کا دہرایا جانا اس لئے ضروری ہے کہ کربلا سے حق کا سبق ملتا ہے۔ کربلا ایک طرف یہ بتاتی ہے کہ حق کے مقابلے میں ڈٹو کیسے، کہ باطل کی بڑی سے بڑی طاقت تمھارے سر کو جھکا نہ سکے۔ دوسری طرف کربلا یہ بھی بتاتی ہے کہ رحم کرنے کے لئے موقعوں کی تلاش میں رہو۔ دشمن پر بھی رحم کرو، قاتل پر بھی رحم کرو۔ کل میں نے مثال آپ کے سامنے دی تھی اس لئے کربلا کا ذکر ضروری ہے۔

بس عزیزو حسینؑ نے کس پر رحم کیا کربلا کے میدان میں، اس پر رحم کیا کہ جس پر دنیا میں کوئی رحم نہیں کر سکتا تھا۔ آپ یہ بتائیں حرؓ رحم کرنے کے لائق تھا؟ کربلا میں جو کچھ ہوا اس سب کی ذمہ داری حرؓ پر ہے۔ جو کچھ ہوا اوّل سے لے کر آخر تک۔ کربلا سے لے کر کوفہ تک، کوفہ سے لے کر شام تک جو کچھ ہوا اس کی ذمہ داری صرف اور صرف حر کے کاندھوں پر آتی ہے۔ آج یہ جاہل انسان جانتا ہے حسینؑ نہیں جانتے تھے مگر جب حرؓ آگیا حسینؑ کے پاس ڈرتے ڈرتے اور کہا مولا کیا میری خطا معاف ہو سکتی ہے۔ حرؓ یہ خود سمجھ رہا ہے کہ میرا جرم معاف ہونے کے قابل نہیں ہے، حسینؑ یہ نہیں کہتے کہ میں نے معاف کیا۔ حرؓ کہتا ہے کہ میری خطا معاف ہو سکتی ہے۔ اور حسینؑ نے سر اٹھا کر سینے لگایا "تو تو میرا بھائی ہے، اب حرؓ کا بیان ہے کہ میں نے آنکھ اٹھا کر دیکھا تو دیکھا کہ حسینؑ کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے ہیں۔ کہا مولا کیوں رو رہے ہیں؟ کہا حرؓ اس لئے رو رہے ہیں کہ جب تو دشمن بن کے آیا تھا تو ہم نے تیری کچھ مہمانی کی تھی اب اس طرح جاں نثار بن کر آیا ہے تو کیا کریں ہمارے پاس تو اپنے مہمان کو پلانے کے لئے پانی کا جام بھی موجود نہیں ہے، کہا مولا آپ نے بخش دیا یہ آپ کا کرم آپ کی نوازش ہے۔ لیکن دیکھئے اب آتے ہی حسینؑ کے پاس فکر بدل گئی۔ کہا مولا جان تو میں بھی لڑوں گا لیکن میں چاہتا ہوں پہلے میرا بچہ میرے سامنے دم توڑے۔ اسے دم توڑتے ہوئے دیکھوں دل پر صدمہ گزرے تو اللہ سے دعا کروں کہ پالنے والے یہ کفارہ ہے گناہ کا۔ حسینؑ روکتے رہے، حرؓ نے اصرار کیا، حرؓ نے اتنا اصرار کیا کہ امام مجبور ہو گئے۔ حرؓ کا بیٹا میدان میں آیا، لڑا اور خوب لڑا۔ بہادر باپ کا بہادر بیٹا زخموں سے چور ہوا گھوڑے سے گرا۔ بس حرؓ نے یہ چاہا کہ بیٹا تو گھوڑے سے گر گیا ہے لیکن کوئی

سر نہ کاٹنے پائے اس لئے کہ یہ بڑی توہین کی بات ہوتی ہے، تو حُرؑ کا بیان ہے کہ میں جتنی تیز رفتاری سے چل سکتا تھا چلا لیکن جب میں اپنے بیٹے کے سرہانے پہنچا تو میں نے دیکھا کہ حسینؑ مجھ سے پہلے آچکے ہیں۔ پھر کہتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ فاطمہؑ کا لعل زمین پر بیٹھا ہوا ہے، میرے بچے کا گود میں سر رکھے ہوئے ہے، رومال سے خاک و خون کو پاک کر رہا ہے، میرا بیٹا آخری ہچکیاں لے رہا ہے یہاں تک کہ جب میرے بیٹے نے دم توڑا اور میں جھکا لاش اٹھانے کے لئے تو حسینؑ تڑپ کر کھڑے ہو گئے اور میرے سینے پر ہاتھ رکھ کر مجھے پیچھے ڈھکیل دیا۔ اور کہا حُر باپ بیٹے کی میت نہیں اُٹھانا ہم اٹھائیں گے تیرے لعل کا جنازہ۔ آپ سوچ رہے تھے کہ آج مجھے دو شہزادوں کا حال پیش کرنا تھا لیکن میں نے دیکھا کہ کربلا کے میدان میں آنے کے بعد اگر حُرؑ کی فکر یہ ہو گئی ہو کہ مجھ سے پہلے میرے بیٹے قربان ہوں تو ابھی ابھی چند لمحے پہلے جو آیا ہے جب اس میں یہ جذبۂ قربانی پیدا ہو جائے تو زینبؑ اگر رات کو اپنے بچوں کو سمجھا رہی ہیں کہ میرے بچوں کل آلِ محمدؐ کی قربانی کا دن ہے میرے بچوں مجھے میرے بھائی سے شرمسار نہ کرنا، ایسا نہ ہو کہ قاسمؑ شہید ہو جائیں اور تم زندہ رہو۔ ایسا نہ ہونے پائے کہ علی اکبرؑ شہید ہو جائیں اور تم زندہ رہو، یہ بچوں کو شاہزادی سمجھا رہی ہیں صبح عاشور نمودار ہوئی۔ انصار شہید ہوئے، اصحاب شہید ہوئے۔ روایت بتاتی ہے کہ اولادِ جعفرؑ شہید ہو گئی اولادِ عقیلؑ شہید ہو گئی تو زینبؑ نے کہا فضہؑ ذرا میرے بچوں کو بُلا کر لاؤ۔ بچے آئے تو ماں نے کہا عونؑ و محمدؑ۔ رات کو میں نے تمھیں سمجھایا تھا؟ کس کا انتظار کر رہے ہو کیا قاسمؑ بھی شہید ہو جائیں گے؟ کیا علی اکبرؑ بھی شہید ہو جائیں گے؟ کہا کہ مادرِ گرامی ہم کیا کریں ہم تو بار بار جا رہے ہیں ماموں کے پاس کہ ماموں جان ہمیں مرنے کی اجازت دیجئے مگر ہم کیا کریں کہ ہمارا ماموں ہمیں اجازت جہاد نہیں دے رہا ہے۔ روایت بتاتی ہے کہ بی بی نے کہا فضہؑ سے کہ ذرا میرے بھائی کو خیمے کے اندر بلاؤ۔ بھائی آیا، بہن نے بھائی کی صورت دیکھی، کہا بھائی کیا میرے بچوں سے کوئی خطا ہو گئی ہے کیا میرے بچوں سے کوئی تقصیر ہو گئی ہے، یہ بچے کہہ رہے ہیں کہ بار بار آپ پر جان قربان کرنے کی اجازت مانگ رہے ہیں آپ نہیں دیتے۔ حسینؑ نے فرمایا کہ بہن میرے ساتھ انصاف کرو میں بھی تو انسان

ہوں، صبح سے یہ وقت آچکا ہے ، سوائے مرنے کی اجازتیں دینے کے اور میں کیا کر رہا ہوں؟ ایک آتا ہے کہ مرنے کی اجازت، دوسرا آتا ہے کہ مرنے کی اجازت تیسرا آتا ہے کہ مرنے کی اجازت۔ یہ بچے تمہارے ، یہ لاڈلے بار بار تڑپ کر مجھ سے کہہ رہے ہیں مگر میں کیسے ان کو اجازت دوں زینبؑ نے کہا کہ میں سفارش کرتی ہوں ، میری بات کبھی آپ ٹالتے نہیں ، انھیں آپ اجازت دے دیں حسینؑ بچوں کو لئے ہوئے خیمے کے باہر تشریف لائے ۔ اپنے ہاتھ سے سہارا دے کر گھوڑوں پر سوار کیا۔ دونوں بچے آئے اور یوں جنگ کی کہ لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ یہ کس کے پوتے ہیں اور کس کے نواسے ہیں بس عزادارو! آخری لمحات ، یہاں تک کہ دونوں زخموں سے چور ہو کر گھوڑوں سے گرے ۔ جب بچے گرے تو حسینؑ نے کہا عباسؑ آؤ ۔ اگر ایک جنازہ ہوتا تو میں تنہا اٹھا لیتا ، دو جنازے میں کیسے تنہا اٹھاؤں گا ۔ آؤ میرے ساتھ چلو میرے بھائی ، عباسؑ و حسینؑ کربلا کے میدان میں آئے ، ایک نے عون کا جنازہ اٹھایا ، دوسرے نے محمدؑ کا جنازہ اٹھایا ، دونوں جنازے لائے گئے لاکر خیمہ کے اندر رکھے گئے ، فضہؓ تڑپ کر زینبؑ کے پاس گئیں ، میں نے روایت میں دیکھا ہے اس لئے عرض کرتا ہوں ، جاکر زینبؑ سے کہا شاہزادی آپ کے دونوں بچے میدان جنگ سے آگئے ، تو زینبؑ نے تڑپ کر کہا کیا میں اپنے بچوں کو اس لئے بھیجا تھا کہ میدانِ جنگ سے پلٹ کر آجائیں ، فضہؓ نے کہا کہ اپنے بچوں کا عالم تو دیکھئے ، اب جو شاہزادی آئیں تو خدا کسی ماں کو یہ منظر نہ دکھائے ، دیکھا کہ دو چاند کے ٹکڑے خیمے کے اندر زمین کے اوپر پڑے ہوئے ہیں ۔ نہ آنکھوں سے آنسو بہے نہ فریاد کی ۔ فوراً اللہ کی بارگاہ میں سجدۂ شکر کیا اور کہا معبود! تیرا شکریہ کس طرح سے ادا کروں کہ تو نے میری قربانی کو قبول کر لیا ، عزادارو! ذرا زینبؑ کے کردار کو دیکھو کہ اپنے بیٹے آئے تو خدا کا شکر ادا کر رہی ہیں لیکن جب علی اکبرؑ کی لاش لاکر حسینؑ نے خیمے کے در پر رکھی تو ایک مرتبہ بہن تڑپ کر خیمہ کے باہر آگئیں اور اپنے کو علیؑ اکبر کی لاش پر گرا دیا حسینؑ علی اکبرؑ کا غم بھول گئے اور زینبؑ کو خیمے کے اندر پہنچایا ...... "

——— تمام شد ———

پانچویں مجلس

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَہٗ بِالۡہُدٰی وَ دِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡہِرَہٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّہٖ وَ لَوۡ کَرِہَ الۡمُشۡرِکُوۡنَ۔

برادران عزیز! قرآن مجید میں صاحبان ایمان و اسلام و دین کو بشارت دی جا رہی ہے کہ اللہ نے اپنے رسولؐ کو بھیجا ہے ہدایت کے ساتھ اور دین حق کے ساتھ۔ اور حالات کیسے ہی ناسازگار کیوں نہ ہو جائیں، تم اس بات پر ایمان رکھو کہ یہ دین حق ایک روز غالب ہو کر رہے گا، نظامِ الٰہی میں شرک کرنے والوں کو یہ بات خواہ کتنی ہی ناگوار کیوں نہ گزرے۔

عزیزانِ گرامی! اب سے لگ بھگ پندرہ سو سال قبل قرآن مجید میں اس حقیقت کا انکشاف کیا گیا کہ دنیا میں کوئی شے مُردہ نہیں ہے، ہر شے زندگی کی روشنی رکھتی ہے، کہیں زندگی کے چراغ کی لَو تیز ہے کہیں مدھم ہے، لیکن زندگی سے دنیا کا ایک ذرہ تک خالی نہیں ہے۔ انسانوں کی زندگی تمھاری زندگی تمھاری نظروں کے سامنے ہے جانوروں کی زندگی تمھاری نظروں کے سامنے ہے، درختوں میں بھی زندگی پائی جاتی ہے، سمندروں میں بھی زندگی ہے، پہاڑوں میں بھی زندگی ہے، پتھروں میں زندگی ہے، زمین کے ذرّے ذرّے میں زندگی ہے مگر تمھاری کمزوری یہ ہے کہ مذہبی دنیا میں تم غیب پر ایمان لانے کے لئے تیار نہیں ہو، سائنس کی دنیا میں غیب پر ایمان لانے کے لئے تیار ہو۔ سائنس کے میدان میں اگر ملاحظہ کریں تو کتنی چیزیں آپ کو ملیں گی جو ہمارے حواس سے، ہمارے سینسیز سے معلوم نہیں ہوتیں۔ نہ معلوم ہوتی ہیں نہ معلوم ہو سکتی ہیں۔ مگر سائنس کی دنیا میں غیب پر ہمارا ایمان ہے۔ یہ پورا نظامِ کائنات جس کا

ہُوا ہے کشش کے اوپر، یہ کشش ختم ہو جائے تو پوری کائنات کلیپس ہو جائے۔ لیکن یہ کشش کسی کو دکھائی نہیں دیتی۔ نہ دکھائی دیتی ہے نہ سُنائی دیتی ہے نہ سونگھی جا سکتی ہے نہ چھوئی جا سکتی ہے نہ چکھی جا سکتی ہے۔ لیکن سائنس کا اس بات پر ایمان ہے کہ کشش ہم کو نہ دکھائی دے رہی ہو مگر چاند کا زمین کے گرد گھومنا اس بات کی دلیل ہے کہ کوئی شئے پکڑے ہوئے ہے اس کو۔ آپ ایک طرف مقناطیس رکھ دیجئے اور ایک طرف لوہا رکھ دیجئے۔ میگنٹ ذرا پاورفل ہو تو آپ دیکھیں گے کہ اس نے لوہے کو کھینچنا شروع کیا، مگر وہ کشش آپ کو دکھائی نہیں دے گی، کوئی ڈور آپ کو دکھائی نہیں دے گی، کوئی تاگا آپ کو دکھائی نہیں دے گا، کوئی دھاگا آپ کو دکھائی نہیں دے گا لیکن لوہے کا مقناطیس کی طرف کھینچنا خود اس بات کی دلیل ہو گا کہ موثر نہ دکھائی دے رہا ہو رہا ہو، اثر تو دکھائی دے رہا ہے۔ غور کیا آپ نے؟

تو مشکل مسائل ہیں، میں رُل کیسے بن جاؤں کہ مشکل مسائل کو آسان سے آسان زبان میں پیش کروں، کمال کیا ہے اس شخص نے، آپ ذرا انسان کی مشکل کا اندازہ کیجئے کہ پہلے کا انسان کتنی میں پڑا ہو گا کس وقت؟ کہ جب اس نے یہ دیکھا ہو گا کہ کسی اسٹیل کے گلاس میں اگر آپ نے تیز ٹھنڈا پانی رکھ دیا تو تھوڑی دیر کے بعد آپ نے دیکھا کہ اس گلاس کے اوپر باہر کی طرف پانی کے قطرے جمع ہونا شروع ہو گئے۔ اب آج تو آپ کو معلوم ہے، اس وقت غور کیجے کہ انسان کس چکر میں پڑتا ہو گا کہ یہ پانی کہاں سے آیا وہ سوچتا ہو گا کہ ٹھنڈے پانی کا اثر یہ ہے کہ یہ پانی گلاس کو توڑ کر باہر آجاتا ہو گا۔ تو انسان کی فطرت میں ہے تجربہ کرنا، وہ اس پانی کو پونچھ دیتا ہو گا۔ پھر پانی آتا ہو گا پھر وہ پونچھ دیتا ہو گا۔ جب وہ دیکھتا ہو گا کہ گلاس کے پانی میں تو ایک قطرہ بھی کم نہیں ہوا تو یہ پانی کہاں سے آرہا ہے؟ معلوم ہوا کہ فضا میں پانی رہتا ہے اور یہی پانی سردی پاکر، ٹھنڈک پاکر گلاس کے چاروں طرف منجمد ہو جاتا ہے۔ یہ پانی تو پوری فضا میں جہاں آپ بیٹھے ہیں یہاں بھی پھیلا ہوا ہے جسے آپ نمی کہتے ہیں۔ یہ آپ کو نہ چھونے سے محسوس ہو رہی ہے نہ چکھنے سے محسوس ہو رہی ہے، کسی سمت سے نہیں محسوس ہو رہی ہے جب

آپ ٹھنڈا پانی رکھیں گے تو پانی کے گلاس پر قطروں کا جمع ہو جانا اس بات کی دلیل ہے کہ فضا میں پانی نہ ہوتا تو گلاس کے چاروں طرف پانی کہاں سے جمع ہوتا ___ بادل آئے اور بادل سے چند قطرے پانی کے ٹپکے تو آپ نے غور کیا تو آپ نے یہ سوچا کہ یہ بادل میں پانی کہاں سے آیا، اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی مرکزِ آب موجود ہے۔ کوئی پانی کا زبردست ذخیرہ موجود ہے جہاں سے یہ خیرات ہم کو دی جا رہی ہے۔ بات کیا ہے کہ اللہ نے جب کائنات کو بنایا تو ارشاد کیا کہ ہم نے جتنی بھی چیزیں بنائی ہیں ان سب کو پیمانوں کے اندر بنایا ہے، ان میں بریکٹس لگے ہیں۔ بچوں کو سمجھانا چاہتا ہوں، کیا آپ ہر آواز سن سکتے ہیں؟ ہر آواز نہیں سن سکتے بریکٹ لگا ہوا ہے ڈیوز فری کوینسی (WAVES FREQUENCY) کا۔ اتنی فری کوینسی کے اوپر جو آواز ہو گی وہ تو سنائی دے گی اس کے نیچے جو ہو گی وہ ہو گی مگر سنائی نہیں دے گی۔ دیکھنے کا مسئلہ بھی یہی ہے روشنی کی لہروں میں بریکٹس لگے ہوئے ہیں، غور کر رہے ہیں آپ۔ بس ایک لمٹ (LIMIT) ہے ایک بریکٹ ہے کہ اس کے اندر اگر روشنی کی لہریں ہوں گی تو وہ آپ کو دکھائی دیں گی۔ اس سے اُدھر گئیں تو آپ کو نہیں دکھائی دیں گی۔ اِدھر گئیں تو نہیں دکھائی دیں گی۔ اب میں الٹراوائلٹ کی اور دوسری ریز کی بات کیا کروں، جو ریز روز آپ کو دکھائی دیتی ہیں اس کی بات کروں "ایکس ریز" "ایکس ریز" کو آپ دیکھ نہیں سکتے۔ پھر کیسے معلوم ہوا کہ "ایکس ریز" ہیں۔ ایکس ریز آپ کو نہیں دکھائی دے سکتیں۔ لیکن اس ایکس ریز میں خاصیت یہ ہے کہ یہ خود تو نہیں دکھائی دیتی مگر چھپی ہوئی حقیقتوں کو دکھا دیا کرتی ہے۔ پیٹ کے اندر کیا ہے، اگر کوئی زخم ہے تو یہ دکھا دیں گی اور معاذ اللہ توبہ توبہ۔ استغفر اللہ۔ حاجی صاحب پیٹ کے اندر کچھ لے کر آ رہے ہیں تو وہ بھی دکھا دیں گی تو اس کا کام ہے چور کو پکڑ لینا جو نہیں دکھائی دے رہا ہے اسے دکھا دینا تو اب یہ کتنی زیادتی کی بات ہے کہ سائنس کی دنیا میں، فزکس کی دنیا میں تو آپ کا غیب پر ایمان ہے۔ لیکن جب مذہب کی بات آتی ہے تو آپ کہتے ہیں کہ جب تک ہم خدا کو دیکھیں گے نہیں اس وقت تک مانیں گے نہیں۔ تو بھائی یہ اپنے طرزِ فکر کی بات ہے آپ کہتے ہیں کہ ہم خدا کو دیکھیں گے تو مانیں گے

اور میں کہتا ہوں کہ جس دن خداوند عالم نے میرے سامنے آکر کہا کہ میں ہوں تمھارا خدا اس دن میں اس کے وجود سے انکار کر دوں گا۔ اس لئے کہ ہم کو وہی شئے دکھائی دیتی ہے جو محدود ہو جو لامحدود ہو وہ دکھائی نہیں دیتی۔" صلوٰۃ۔

تو اب مجھے یہ دیکھنا ہے کہ قرآن مجید نے یہ جو کہا، جو میں نے عرض کیا ہے آپ کے سامنے کہ ہر شئے زندہ ہے تو کہاں کہا؟ قرآن نے بتایا، بس چند آئتیں پیش کر رہا ہوں آپ کے سامنے، سورۂ جمعہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ "یسبح للہ ما فی السمٰوات وما فی الارض الملک القدوس العزیز الحکیم" کائنات میں، یہ انسانوں کا ذکر نہیں ہے، انسان کا ذکر ہوتا، ملائکہ کا ذکر ہوتا، جنوں کا ذکر ہوتا تو عربی گرائمر کے اعتبار سے "من" کہا جاتا۔ "من" نہیں کہا جا رہا ہے، "ما" کہا جا رہا ہے، "من" آتا ہے صاحبانِ عقل کے لیے "ما" کہتے ہیں چیزوں کو۔ تو ارشاد ہوتا ہے کہ کائنات میں جتنی بھی چیزیں ہیں یہ اللہ کی تسبیح و اللہ کی حمد و ثنا مسلسل کر رہی ہیں۔ ایک اور منزل پر ارشاد ہوتا ہے کہ "اِن من شیئٍ الا یسبح بحمدہٖ" کائنات کا کوئی ذرہ نہیں ہے جو واقعی ہماری حمد و ثنا نہ کر رہا ہو لیکن تم کو ان کی حمد و ثنا سنائی نہیں دیتی اور فقط اتنا ہی نہیں ہے، کائنات کے ذرّے ذرّے میں قوت سماعت بھی ہے، قوت بصارت بھی ہے۔ یہ سب دیکھ بھی رہے ہیں اور یہ سب سُن بھی رہے ہیں اور ماشاء اللہ یہ حافظ جی بھی ہیں۔ جو کچھ دیکھ رہے ہیں جو کچھ سُن رہے ہیں یہ سب ریکارڈ کرتے جا رہے ہیں، سب ریکارڈ ہو رہا ہے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی یہ ہو رہا ہے کہ "یومئذٍ تُحدّثُ اخبارھا بان ربّکَ اوحیٰ لھا۔"

قیامت کے دن زمین کا ایک ایک ذرّہ بتا رہا ہو گا کہ کیا گذری زمین کے اوپر۔ کیا دیکھا اس نے، کیا سُنا۔ اس دن اللہ حکم دے گا کہ بتاؤ اور یہ سب بتائے گی۔ تو ان کا بتانا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حس رکھتے تھے اور دیکھ بھی رہے تھے اور سن بھی رہے تھے، اور محفوظ بھی کر رہے تھے۔ اور میں پوچھنا چاہتا ہوں سُنیوں سے اور شیعوں سب سے، یہ امامت و خلافت علیؑ میں اختلاف ہے، صداقت علیؑ میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے یا اس میں بھی کوئی اختلاف ہے۔

اس میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے، تو امامت و خلافت میں اختلاف ہے صداقت علیؑ میں تو کوئی مسلمان اختلاف نہیں کر سکتا۔ نہج البلاغہ کو پڑھئے کہ مولا اپنی آنکھوں کا دیکھا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک کافر نے رسولؐ سے کہا کہ میں تو آپ کو رسولؐ اس وقت مانوں گا جب سامنے یہ جو درخت ہے آپ اسے بلائیں اور یہ آپ کے پاس آجائے، کہا کیا واقعی ایمان لے آئے گا، کہا ہاں ایمان لے آؤں گا۔ تو مولا فرماتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے اشارہ کیا اور وہ درخت پیغمبرؐ کی طرف چلا، اور پیغمبرؐ کے سامنے آکر کھڑا ہوا۔ اور پیغمبرؐ نے کہا اپنی جگہ واپس ہو جا اور وہ واپس ہو گیا تو اگر وہ سُن نہیں رہا تھا تو پیغمبرؐ کی اس نے اطاعت کیسے کی؟ غور کر رہے ہیں؟ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کائنات کی ہر شئے زندہ ہے، اب مجھے یہ دیکھنا ہے کہ فزکس کیا کہتی ہے۔ کچھ حضرات ایسے ابھی مجھے اطلاع تو نہیں ہے لیکن ضرور ہوں گے جو بچارے مروت میں نہیں کہتے ہوں گے لیکن اندر اندر کڑھتے ضرور ہوں گے یہ مولانا صاحب کیسے ہیں کہ جب منبر پر بیٹھتے ہیں تو ٹیکنالوجی اور سائنس کی ضرور بات کرتے ہیں۔ اے بھائی کیا کروں میں مجبور ہوں بات کرنے کے لئے۔ اس لئے کہ میرے ایک طرف نظر کے سامنے ہے قرآن کی آیت جو کہہ رہی ہے کہ دین غالب ہو کر رہے گا اور دوسری طرف میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ سائنس و ٹیکنالوجی روز بروز اسلام کی حقانیت کو ثابت کرتے چلے جا رہے ہیں تو میں کیا کروں۔ میں جانتا ہوں میں اکیسویں صدی میں نہیں رہوں گا مگر یہ میری آواز تو رہے گی، یاد رکھئے گا، اکیسویں صدی کی آنے والی نسلوں کو میں سُنائے دیتا ہوں کہ اس اکیسویں صدی میں اسلام کی حقانیت کو ثابت کرنے کے لئے مولوی حضرات بے بس ہو جائیں گے صرف سائنس ہو گی جو اسلام کی حقیقتوں کو ثابت کرے گی اور وہیں سے اسلام کے غلبے کی تاریخ شروع ہو گی۔ نہ دشمن بنائیے سائنس کو نہ دروازہ بند کیجئے ٹیکنالوجی کا، یہ بھیانک غلطی نہ کیجئے ابھی میں آگے بڑھ کے کہتا ہوں، بتاتا ہوں آپ کو کہ میں یہ بات کیوں کہہ رہا ہوں تو اب سائنس فزکس اس کی تصدیق کرتی ہے یا تردید کرتی ہے۔ تو میرے بھائی یہ ساری کائنات بنی ہے میٹر سے۔ دُنیا کی ہر چیز بنی ہے میٹر سے جس کو کہتے ہیں مادہ، مادے کا جب آپ تحلیل و تجزیہ کرتے چلے جائیں تو میٹر بنتا ہے ایٹم سے اور ایٹم کے مختلف عناصر سے دُنیا کی مختلف چیزیں

بنتی ہیں جیساکہ فزکس کے اسکالر و اسٹوڈنٹس جانتے ہیں معمولی بات ہے۔ اور اٹیم کا جب آپ تجزیہ کریں تو آپ کو نظر آئے گا کہ اس میں منفی اور مثبت برق پارے کام کر رہے ہیں ایک مرکز کے گرد الکٹران و پروٹران اتنی تیزی سے گردش کر رہے ہیں کہ جو ناقابل تصور ہے۔ میرے عزیزو۔ جمود ہے علامتِ موت اور حرکت ہے علامتِ حیات۔ تو جب کائنات کا سارا میٹر مادہ بنا ہے اٹیم سے اور اٹیم کا دل دھڑک رہا ہے اس کے ذرّات متحرک ہیں، ساکن نہیں ہیں، تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کائنات کی ہر شئے میں کسی نہ کسی عنوان سے زندگی پائی جاتی ہے۔ اس لئے کہ یہ "انرجی" ہے، یہ طاقت ہے، اور طاقت ہی زندگی ہوتی ہے اور زندگی طاقت ہوتی ہے۔ (صلوٰۃ)

ابھی تک ویڈیو ریکارڈنگ ایجاد ہوئی۔ آڈیو ریکارڈنگ ایجاد ہوئی۔ اگر یہ ویڈیو ریکارڈنگ نہ ہوتی تو جو بچّے دس برس پہلے پیدا ہوئے تھے وہ علاّمہ رشید ترابی کی تقریر کو کیسے سُنتے اور کیسے دیکھتے۔ کسی کے احسان کو بھولے نہیں، جب نئی نسلیں علاّمہ رشید ترابی کو تقریر کرتے ہوئے دیکھیں تو سائنس و ٹیکنالوجی کو دعائیں دیں۔ یہ ٹیکنالوجی کی برکت ہے، ٹیکنالوجی اور سائنس اللہ کی نعمت ہے۔ اب مجھے یہ اطلاع ملی ہے، یہ اطلاع صحیح ہے کہ جاپان میں جو نیا ریکارڈنگ سسٹم ایجاد ہو رہا ہے وہ کیا ہے؟ دیکھئے اللہ کا ایک نام ہے "بدیع"۔ "بدیع" کے معنی بھی ہیں خالق کے، "بدیع" کے معنی بھی ہیں پیدا کرنے والے کے۔ غور کرتے رہیئے گا۔ تو خالق اور بدیع میں کیا فرق ہے؟ خالق کے معنی ہیں پیدا کرنے والا' اور بدیع کے معنی ہیں ایسا پیدا کرنے والا کہ جس کے یہاں "ڈپلیکیشن" نہ ہو۔ ایک چیز دوبارہ نہ بنی ہو۔ ہر چیز انوکھی۔ اب آپ یہ غور کیجئے کہ اب تک کتنے انسان اس نے بنائے ہیں، کوئی گنتی شمار ہے؟ کوئی گنتی شمار نہیں۔ یہ اتنا سا انگوٹھا ہے، جو انسان اب تک پیدا ہوئے ہیں اللہ نے ان سب کو یہ انگوٹھا دیا ہوگا ــــ مگر اب اس کے بدیع ہونے کی شان یہ دیکھئے کہ اربوں اور کھربوں انسان پیدا ہوئے مگر کسی ایک کے انگوٹھے کا نشان دوسرے کے نشان سے مل نہیں سکتا۔ غور کیجئے گا ذرا دستخط کی، سگنیچر کی جس کو ہندی میں کہتے ہیں "ہستا کچھر" اس کی کاپی ہو سکتی ہے۔ اچھا میں آپ کو خود بتاتا ہوں کہ ایک صاحب بڈھے میرے پاس آئے لکھنؤ میں کہنے لگے کہ

مَیں نقلی دستخط کرنے کا ماہر ہوں۔ مجھے یہ غلط فہمی تھی کہ میری دستخط ایسی ہے کہ اس کی کوئی نقل ہی نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ میں اتنا بدخط ہوں کہ بدخطی کا اگر انٹرنیشنل کمپٹیشن ہو تو فرسٹ ایوارڈ انشاء اللہ مجھ کو ملے گا۔ تو مَیں نے کہا کہ میں تو جب جانوں کہ میری دستخط کی آپ نقل کریں میں نے ایک سادے کاغذ پر دستخط کر کے دے دیا وہ کاغذ کا ٹکڑا اٹھا میں دیکھتے رہے پھر انہوں نے میرے دستخط ویسے ہی کاغذ کے ٹکڑے پر کر کے وہ کاغذ مجھے دیا اور کہا کہ اب ملائیے کہ آپکے دستخط کون سے ہیں۔ میں چکر میں پڑ گیا کہ میرے دستخط کون سے ہیں تو جو انسان بناتا ہے اس کی نقل ہو سکتی ہے جو اللہ بناتا ہے اس کی نقل نہیں ہو سکتی۔ ایک اتنا سا انگوٹھا، کھربوں انسان گزر چکے۔ اچھا انگوٹھے کو جلا دیجئے جیسے بھی جلائیے، دوسری کھال پیدا ہو گی، دوسری کھال بھی جو پیدا ہو گی وہ نیا نقش لے کر نہیں پیدا ہو گی، وہی پرانی لکیریں، وہی دائرے، وہی خط۔ ہم نے ٹرسٹ بنایا تو جب ہم کورٹ میں گئے، تو انہوں نے کہا مولانا صاحب انگوٹھا لگائیے تو میں نے کہا، ہم اتنے جاہل نہیں ہیں دستخط کر سکتے ہیں تو انہوں نے کہا دستخط تو آپ کریں گے مگر آپ کو انگوٹھا بھی لگانا پڑے گا، میں نے کہا کیوں؟ کہا کہ دستخط کی نقل کی جا سکتی۔ تو اب آپ دیکھئے کہ "بدیع" اتنا سا انگوٹھا اور جو انگوٹھا بنایا اس نے مختصر سے دائرے کے اندر۔ اس کی ہر لائن ہے الگ۔ کیا فقط اتنا ہی، آگے بڑھئے، اب یہ طے ہو چکا ہے کہ ہر انسان کے جسم سے "اسمل" آتی ہے بُو آتی ہے یہاں بھی "بدیع" ہے کھربوں انسان پیدا ہو چکے مگر ہر انسان کے جسم سے آنے والی بو اور اسمل بالکل الگ، ابھی تک تو بات یہیں تک تھی اب "بدیع" کی تیسری شان سُنئے کہ صرف یہی نہیں ہے، بلکہ ہر انسان کے دہن سے جو بات نکلتی ہے وہ بھی جتنے انسان ہیں اتنی آوازیں ہیں، تو اب جاپانی ٹیکنالوجی جو بہت ایڈوانس ہو چکی ہے اور جو امریکا کی کمر توڑے دے رہی ہے تو ان کے یہاں جو نیا ٹیپ ریکارڈر ایجاد ہو رہا ہے وہ کہتے ہیں کہ آپ ہم کو آڈیو کیسٹ کسی کا لا کر دیجئے، ہم اس آڈیو کیسٹ کے ذریعہ سے اس آدمی کو پکڑ لیں گے جس کے دہن سے یہ آواز نکلی ہے اس کی تصویر بھی آپ کو دکھا دیں گے۔ حد ہے کوئی ٹیکنالوجی کی کوئی حد ہے؟ انسانی اقتدار کی کوئی

حد ہے؟ میں مر چکا، کسی کو خبر بھی نہیں، ۲۵ برس کے بعد آپ نے ان کو آڈیو کیسٹ دیا اور اور آپ نے کہا بتائیے کہ مقرّر کون ہے؟ کہا وہ تو قانونِ قدرت ہے کہ فضا میں تصویریں محفوظ ہیں، انہوں نے آواز کے ذریعہ سے سراغ لگایا کہ یہ کس دہن سے آواز نکلی تھی اور اس کی تصویر بھی آپ کو انہوں نے اسکرین کے اوپر دکھانا شروع کر دی ہے تو اب اللہ ہے "بدیع" مجھے بہت افسوس ہے کہ میں فضائلِ اہلبیت آپ کے سامنے نہیں پیش کر پا رہا ہوں۔ غلام ہوں اُن کا، کبھی ایسا نہ سوچئے کہ میں معاذ اللہ فضائل کی اہمیت کا قائل نہیں۔ استغفر اللہ۔ مر جاؤں میں اگر کبھی سوچوں بھی ایسا، لیکن وقت نہیں ملتا۔ تو اب اللہ کی قدرت، جب اس نے آدمؑ کو بنایا تو کیا کہا کہ شیطان تو نے آدمؑ کو سجدہ کیوں نہیں کیا، جس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا تھا۔ اب اللہ کے ہاتھ کے معنی وہ یہ ہاتھ نہیں جو میرے اور آپ کے ہیں، وہ منزل دوسری ہے لیکن قرآن میں یہ ہے کہ آدمؑ کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا اور اللہ بدیع ہے۔ تو اللہ جس کو اپنے ہاتھ سے بناتا ہے اس کی شان یہ ہوتی ہے کہ اس میں "ڈپلی کیشن" نہیں ہوتا۔

اَب میں جب ایک ایسے انسان کے در پر آتا ہوں کہ جس کے ہاتھ کو "یداللہ" کہا گیا تو وہاں بھی "تاریخ" کا یہ بیان دکھائی دیتا ہے کہ علیؑ ابنِ ابیطالبؑ نے اپنی جہادی زندگی کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا کہ میں نے دس ہزار لوگوں کو قتل کیا ہے اور تاریخ کی تصریح یہ ہے کہ یہ دس ہزار ضربتیں جو چلی ہیں اس میں ہر ضربت "اوریجنل" تھی، یہ نہیں ہوا کہ ضربتوں میں ڈپلی کیشن ہو جائے جیسے ایک کو مارا ویسے ہی دوسرے کو مارا، ہر ضربت نئے انداز کی، ہر ضربت نئے طریقے کی، آپ کہیں گا کہ یہ بات ممکن کیسے ہے کہ دس ہزار انسانوں کو قتل کیا جائے اور ہر ضربت نئی ہو؟ میں کہتا ہوں کہ جب اللہ کے اختیار میں یہ ہے کہ اربوں کھربوں انگوٹھے بنائے اور ہر ایک کا نقش نیا ہو تو جس کو اس نے یداللہ قرار دیا ہے اگر اس کی ضربتوں کو یکسانیت پیدا نہ ہونے پائے تو اس میں کون سی حیرت کی بات ہے۔

تو بس میرے عزیزو! بات کو یاد رکھئے کہ جس طرح سے بارش کا قطرہ بتاتا ہے کہ کہیں

خزانۂ آب موجود ہے، اسی طرح سے یہ حیات بتاتی ہے کائنات میں دوڑی ہوئی کہ کوئی نہ کوئی مرکز حیات ہے چاہے ہم کو دکھائی دے چاہے نہ دکھائی دے، ذرّے ذرّے کا سمیع و بصیر ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ کوئی ذات ایسی ہے کہ جو مرکز سماعت و مرکز بصارت ہے۔ کائنات میں قوت کا رواں دواں ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ کوئی قادر مطلق کائنات میں موجود ہے۔ (صلوٰۃ)

باقی باتیں کل عرض کروں گا۔ کہنے والے یہ کہتے ہیں کہ صاحب مذہب کے ساتھ مصیبتیں آتی ہیں، تو مصیبتیں تو سب چیزوں کے ساتھ آتی ہیں، آپ مجھے یہ بتادیں کہ دُنیا میں کون سی شئے ہے کہ وہ آئے اور مصیبت نہ آئے۔ شادی نہ کیجئے سب سے بڑی مصیبت ہے، آتی ہے کہ نہیں آتی؟ آپ کہیں گے کہ مصیبت تھوڑی آتی ہے وہ تو اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہے، مگر شادی شدہ افراد سے اس نعمت کا مزا پوچھیں۔ کاریں ایجاد ہوئیں تو اس کے ساتھ مصیبت آگئی۔ دیکھ رہے ہیں کراچی کا عالم ٹریفک کا، سب مصیبتیں ہیں، مصیبت سے کہاں آپ بچ سکتے ہیں۔ انہوں نے کہا مصیبت آتی ہے، مذہب آتا ہے عصبیت لے کر آتا ہے، مذہب کے نام پر جھگڑے ہوتے ہیں مذہب کے نام پر دنگے ہوتے ہیں مذہب کے نام پر فساد ہوتے ہیں، مذہب کے نام پر خون بہتا ہے یہ صحیح بات ہے۔ چھوڑ دیجئے۔ مذہب کے نام پر جھگڑا ہوتا ہے چھوڑ دیجئے، مذہب کے نام پر فساد ہوتا ہے چھوڑ دیجئے مذہب کو، مذہب کے نام پر خون بہتا ہے چھوڑ دیجئے مذہب کو مگر پھر اصول یہ بن گیا کہ جس شئے کے نام پر جھگڑا ہو اسے آپ چھوڑ دیں، چھوڑیئے مذہب کو۔ لیکن یہ بتایئے مجھے کہ مذہب کو چھوڑا اور سیاست کو اختیار کیا تو کیا سیاست میں جھگڑے نہیں ہوں گے، سیاست میں دنگے نہیں ہوں گے، سیاست میں گدم گدا نہیں ہوگی، سیاست میں رشوتیں نہیں چلیں گی۔ اے بھائی، دور کے ڈھول بڑے سہانے ہوتے ہیں۔ آپ یہ سمجھتے ہیں کہ امریکن کانگریس میں رشوت نہیں چلتی، وہاں بھی چلتی ہے، اس کا نام بدل دیا ہے، آپ کے یہاں رشوت کہا جاتا ہے، گھونس کہا جاتا ہے وہاں اس کی جگہ ایک خوبصورت نام ہے "لابی اینگ" ـــ یہ لابی اینگ کیا ہے؟ بڑی خوبصورت پیکنگ میں لپٹی ہوئی رشوت، اب ظاہر ہے کہ وہ اونچے ہیں تو

ریٹ بھی اونچا ہے۔ لیکن یہ کاروبار وہاں بھی جاری ہے اور ہر ملک کو یہ فکر رہتی ہے کہ ہماری "لابی اینگ" امریکن کانگریس میں مضبوط ہو تو وہاں کی دنیا میں بھی یہ کاروبار جاری ہے، یہ دنیا میں عالمگیر جنگیں ہوئیں یہ کاہے کی دین ہے؟ سیاست کی دین ہے، سیاست چھوڑیئے، تجارت میں جھگڑا نہیں ہوتا، یہ بڑی بڑی عالمی جنگیں ہوئی ہیں یہ کاہے کی دین ہے؟ منڈی کی منڈی کی تلاش۔ آج میں آپ سے بتاتا ہوں کہ دنیا میں اگر واقعی امن قائم ہو جائے تو مغربی طاقتوں کا تو بھٹا بیٹھ جائے۔ بھائی ان کا "اکانمی" فیل ہو جائے اس لئے کہ ان کی تو اکانمی دار بیسڈ اکانمی ہے۔ دنیا میں کہیں نہ کہیں جنگ ہوتی رہے تاکہ ان کی توپیں بکتی رہیں۔ دنیا میں کہیں نہ کہیں جنگ ہوتی رہے تاکہ ان کی بندوقیں بکتی رہیں، دنیا میں جنگ ہوتی رہے تاکہ ان کے ٹینک بکتے رہیں اور دنیا میں اگر امن قائم ہو گیا تو ان کو تو غرق کر دینا پڑے گا اپنا اسلحہ سمندر میں لے جا کر اکانمی ان کی کلیپس ہو جائے گی۔ دیکھئے میں غلط تو نہیں کہہ رہا ہوں، غلط کہہ رہا ہوں تو ٹوک دیں آپ، انسان کی لاشوں کے اوپر تجارت کی جارہی ہے۔ یتیموں کی آہوں پر تجارت کی جاتی ہے، بیواؤں کی سسکیوں پر تجارت کی جاتی ہے، کھنڈروں پر تجارت کی جارہی ہے۔ اب اسے بھی چھوڑیئے، اس کو بھی چھوڑیئے اور نیچے کے اسکیل پر آیئے گا تو میں نے عرض کیا کہ بھائی شادی ہوتی ہے تو گھر میں جھگڑا ہوتا ہے، بیوی کو بھی چھوڑیئے، زبانوں پر جھگڑا ہوتا ہے، آپ سمجھتے ہیں کہ کیا یورپ میں سب خیریت ہے آپ اگر فرینک فورٹ ایرپورٹ پر اترے ہیں تو وہاں جو آدمی بیٹھا ہوا ہے اس کو انگریزی آتی ہے مگر وہ آپ سے انگریزی نہیں بولے گا، وہ انگریزی بولنا اپنی توہین سمجھے گا، وہ کہتا ہے کہ ہم اپنی زبان بولیں گے۔ غور کر رہے ہیں آپ، تو اس کا مطلب یہ کہ زبان بھی آپ چھوڑیئے، کیا کیا آپ چھوڑیئے گا بھائی؟ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اختلاف کی وجہ سے کوئی شئے چھوڑی نہیں جاتی ہے۔ بات کیا ہے؟ بات یہ ہے کہ نہ مذہب پر جھگڑا ہوتا ہے، نہ سیاست پر جھگڑا ہوتا ہے، نہ تجارت پر جھگڑا ہوتا ہے، نہ بچاری معصوم بیوی جھگڑا کراتی ہے، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ جھگڑا کیوں ہوتا ہے؟ انسان کی طبیعت میں فساد ہے۔ مذہب اگر سچا ہے تو وہ فساد کو کنٹرول کرتا ہے، سیاست میں اگر جھگڑا ہوتا ہے تو

اس میں گناہ بے گناہ سب مارے جاتے ہیں، تجارت کے نام پر جو جھگڑا ہوتا ہے تو اس میں گنہگار، بے گناہ سب مارے جاتے ہیں لیکن اگر مذہبی، معصوم رہنما کی نگرانی میں جہاد ہوتا ہے تو بے خطا نہیں مرنے پاتا۔ کم سے کم اتنا آپ کو ماننا پڑے گا۔ صرف خطا وار مرتے ہیں بے خطا نہیں مرتے، جو میدانِ جنگ میں لڑنے کے لئے آتے ہیں ان سے جنگ ہوتی ہے جو بھاگ جاتا ہے اسے بھاگنے کا موقع دیا جاتا ہے۔

تو عزیزو! میں نے عرض کیا آپ کے سامنے کل پھر عرض کروں گا کہ آئندہ آنے والی صدی میں میرا یقین یہی ہے کہ اللہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے ذریعہ ایمان کو غلبہ دے گا، اسلام کو غلبہ دے گا۔ کچھ لوگ نہیں سمجھ رہے ہیں اس بات کو، میں آپ کو بتاؤں آپ اسلام کے مبلغ ہیں، آپ امریکہ میں اسلام کی تبلیغ کرنے کے لئے جانا چاہتے ہیں، آپ امریکہ کے بارڈر پر نہیں پہنچ سکتے اگر آپ کے پاس پاسپورٹ اور ویزا نہیں ہے، جا سکتے ہیں آپ؟ بارڈر پر نہیں پہنچ سکتے، کنڈم کر دئے جائیں گے آپ۔ واپس گو بیک، وہاں سے آپ لوٹا دئے جائیں گے خیریت کے ساتھ۔ ارے بارڈر میں آپ انٹر نہیں کر سکتے۔ وہ آپ کو پاسپورٹ کیوں دینے لگے، ویزا کیوں دینے لگے؟ اس لئے کہ وہ اسلام کو پسند کرتے ہیں، بشرطیکہ امریکن اسلام ہو۔ محمدی اسلام کو پسند نہیں کرتے۔ تو آپ تبلیغ کے لئے مجبور ہیں آپ اسکالر ہیں، آپ عالم ہیں سب کچھ ہیں مگر آپ اپنا پیغام امریکہ کی سرزمین تک نہیں پہنچا سکتے، یورپ تک نہیں پہنچا سکتے ہیں مجبور ہیں ویزا نہیں ملا، اسرائیل جانا چاہتے ہیں آپ تبلیغ کے لئے، نہیں جا سکتے، ویزا نہیں ملا، دیکھا آپ نے پھنس کے رہ گئے آپ؟ آپ حق کا پیغام پہنچانا چاہتے ہیں آپ اس ملک میں داخل نہیں ہو سکتے، اس واسطے کہ ویزا نہیں ہے لیکن ٹیکنالوجی کی دین کیا ہے؟ ان کی تبلیغ آپ کے ملک میں نہیں آپ کے گھروں کے اندر داخل ہو گئی ہے۔ کیوں بھائی بتائیے، غلط تو نہیں کہہ رہا ہوں۔ ان کی تبلیغ، نہ پاسپورٹ کی ضرورت ہے نہ ویزا کی ضرورت ہے۔ جہاں ٹی وی موجود وہاں حضور موجود اپنی خباثتیں لئے ہوئے۔ غور فرمایا آپ نے۔ اپنا کلچر لئے ہوئے، اپنی تہذیب بلکہ بدتہذیبی لئے ہوئے اپنی عریانیت لئے ہوئے آپ آج ہر مسلمان کے گھر تشریف لے جائیں۔ آپ کے پاس سائنس و ٹیکنالوجی نہیں ہے آپ نہیں

ان کو تباسکتے۔ جو تباناچاہ رہے ہیں وہ خوب آپ کو تبارہے ہیں۔ آپ کے بچوں کو تبارہے ہیں، آپ کی عورتوں کو تبارہے ہیں۔ اگر آپکے پاس بھی یہی سائنس ٹیکنالوجی ہوتی تو اس کا جواب اسی طرح سے آپ دے رہے ہوتے مگر آپ کے پاس نہیں ہے تو قرآن کیا کہتا ہے کہ دشمن کو جواب دینے کے لئے جو قوت اس کے پاس ہو ویسی ہی قوت تمھارے پاس ہونا چاہیے۔ نہیں سمجھتے آپ اس بات کو بھائی! جو میں دیکھ رہا ہوں وہ آپ نہیں دیکھ رہے ہیں، جو میں دیکھ رہا ہوں وہ آپ، نہیں دیکھ رہے ہیں۔ بس میرے عزیزو! آج کے دور میں کیا ہے ہندوستان میں، جو اب فرقہ پرست پارٹیاں ہیں آر ایس ایس ہے، وشو ہندو پریشد ہے، بی جے پی ہے، بھارتیہ جنتا پارٹی اب ان کا نظریہ بدل گیا ہے ابان کا نظریہ یہ ہو گیا ہے، دیکھئے دشمن کے عمل سے اپنی اسٹریٹجی (حکمت عملی) کو بنانا سیکھیں۔ اب ان کا نظریہ یہ ہے کہ ہمیں مسلمانوں کو مارنا نہیں ہے اس سے ہم بدنام ہوتے ہیں اور مسلمان مرتے نہیں۔ اس لئے مسلمانوں کو کوئی کام آئے یا نہ آئے بچے پیدا کرنا خوب آتا ہے تو ہم بیس مارتے ہیں یہ پچاس پیدا کر دیتے ہیں، ہم دو مارتے ہیں یہ دس پیدا کر دیتے ہیں تو انہوں نے کہا بھیا مار دو ار و نہیں ان کو اب۔ اس لئے کہ بدنامی ہوتی ہے اور ان کی تعداد روز بروز بڑھتی چلی جارہی ہے تو اب سر کاٹنے کے بجائے ان کے پاؤں کاٹو، خوبصورتی کے ساتھ ان کو ایجوکیشن کے میدان سے ہٹاتے چلے جاؤ۔ جتنا جتنا یہ تعلیم اور ایجوکیشن کے میدان میں پچھڑتے جائیں گے، زندگی کے ہر میدان میں پچھڑتے جائیں گے اور جب زندگی کے ہر میدان میں یہ پچھڑتے جائیں گے تو انجام یہ ہوگا کہ ایک دن وہ آئے گا جب ہم آقا بن کر رہیں گے اور یہ غلام بن کر رہیں گے۔ میں زیادہ کچھ کہنا نہیں چاہتا بڑی نازک منزلیں ہیں، مگر میں نہ کہوں تو کیسے نہ کہوں وہ بھی آپ مجھے تبادیں، میں تفصیلات میں تو نہیں جانا چاہتا۔ عراق میں کیا ہوا؟ عراق میں تو آپ کی اکثریت تھی۔ امریکہ کے ٹائم میگزین کو آپ دیکھئے جیسی بہت گھٹاتے گھٹاتے بھی دکھایا ہے کہ آپ عراق میں ۶۵ پرسنٹ تھے، وہاں پر بھی یہی سازش ہوئی کہ اکثریت میں آپ ہیں مگر تعلیم میں آپ آگے نہ بڑھنے پائیں۔ نتیجہ کیا ہوا؟ ایڈمنسٹریشن سے آپ غائب، انتظامیہ سے آپ غائب، پالیٹکس سے آپ غائب، اسمبلی سے آپ غائب، پارلیمنٹ سے آپ غائب،

پولیس میں اچھے عہدوں سے آپ غائب، فوج میں اچھے عہدوں سے آپ غائب، جب زندگی کے ہر میدان سے غائب ہو گئے تو آپ کی حیثیت کیا رہ گئی؟ نتیجہ آپ کی نظروں کے سامنے ہے۔ کتب خانے کیسے جلے وہ آپ کی نظروں کے سامنے ہے، روضوں کی کتنی بے حرمتی ہوئی وہ آپ کی نظروں کے سامنے ہے، آپ پر کیا مظالم ہوئے وہ آپ کی نظروں کے سامنے ہے، اگر وہاں کے ہمارے بھائیوں نے سمجھ لیا ہوتا گورنمنٹ کی سازش کو اور دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ سائنس و ٹیکنالوجی کے میدان میں آگے بڑھے ہوتے تو ہر جگہ برابر کا ان حصہ ہوتا۔ پھر آتنی آسانی سے نہ کاٹے جاتے تو جو کچھ عراق میں ہوا اسی پر ہندوستان میں بھی عمل کرنے کی کوشش کی جارہی ہے لیکن وہاں کے مسلمان اب ہوشیار ہو چکے ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ کافی فرق ہوا ہے ہندوستان کے مسلمان تعلیم کی اہمیت کی طرف کافی حد تک متوجہ ہو چکے ہیں۔ اسکول کھول رہے ہیں، کالجز کھول رہے ہیں، اور یہ اس لئے ضروری ہے کہ ہمارا اسکول یا کالج جب کھلے گا تو مرتے کھپتے کچھ نہ کچھ اسلامک ٹسٹ تو اس میں ہوگا ہی۔ ہمارے سامنے ہندوستان میں دو راستے ہیں۔ ایک راہ یہ ہے کہ یا ہم اپنے بچوں کو جاہل بنادیں دوسری راہ یہ ہے کہ پڑھادیں مگر وہ مسلمان نہ رہیں۔ اسلئے کہ وہ دوسرے کالجوں میں جائیں گے تو وہاں وہ دوسرے مذہب کے لحاظ سے پڑھائیں گے۔ مجبوری ہوتی ہے، تو میرے عزیزو! آپ سمجھ لیجئے اس بات کو اچھی طرح سے، میں دینی تعلیم کی مخالفت نہیں کرسکتا۔ دینی تعلیم بھی ضروری، ہاں میں دینی مدرسوں کے نصاب سے اختلاف کرسکتا ہوں، جو میرا اپنا ایک نقطۂ نظر ہے لیکن میں دینی تعلیم سے اختلاف کردوں، یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ یہ نہیں ہوسکتا۔ دُنیا پر قبضہ کرنے کے لئے سائنس ضروری ہے ٹیکنالوجی ضروری ہے اور انسان قابو میں رہے اس کے لئے دین ضروری ہے۔ بس ایک جملہ کہہ کے مجلس کا رُخ موڑ رہا ہوں، یاد رکھئے کہ اگر مسلمانوں نے سائنس اور ٹیکنالوجی نہیں پڑھی تو اکیسویں صدی میں ان کا خاتمہ ہو جائے گا اور اگر دنیا والوں نے پڑھی اور مسلمانوں نے نہیں پڑھی تو دُنیا کا خاتمہ ہو جائے گا اس لئے کہ سائنس و ٹیکنالوجی اک قوت کا نام ہے۔ یہ قوت ذمہ داروں کے ہاتھ میں رہتی ہے تو برکت بنتی ہے اور قاتلوں کے ہاتھ میں آتی ہے تو تباہی و

بربادی بن جاتی ہے۔ کیا رسولؐ کے پاس طاقت نہیں تھی؟ اتنی طاقت تھی کہ جب اشارہ کیا تو چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ کیا مولا علیؑ کے ہاتھ میں طاقت نہیں تھی؟ ابھی کچھ عرصہ پہلے تک سعودی عرب میں مسجد رجعت شمس موجود تھی میں خود اس میں نماز پڑھ چکا ہوں، جہاں اور چیزیں ختم ہو گئیں وہ بھی ختم ہو گئی لیکن بہر حال میں خود اس میں نماز پڑھ چکا ہوں۔ سورج پر کتنی قوت تھی؟ مگر اس قوت کے ساتھ ساتھ نفس پر کتنی قوت تھی، نفس پر اتنی قوت تھی کہ دنیا میں سب سے زیادہ توہین آمیز بات کبھی کوئی ہو سکتی ہے، آپ مجھے طمانچہ مار دیں میں برداشت کر لوں گا، آپ مجھے گالی دے لیں میں برداشت کروں گا لیکن خدانخواستہ میرے اوپر تھوک دیں تو معاملہ ذرا مشکل ہو جائے گا۔ سب سے زیادہ توہین آمیز بات ہے یہ کہ آپ کسی کے چہرے پر تھوک دیں۔ لیکن جب عمرو کا سر مولا کاٹ رہے تھے تو عمرو نے کیا کیا تھا؟ یہی گستاخی تو کی تھی کہ علیؑ کے روئے اقدس کی طرف اپنا لعاب دہن پھینکا تھا اور علیؑ اس کے سینے سے اُتر آئے تھے یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ علیؑ عمرو کا سر کاٹنے سے پہلے اپنے نفس کا سر کاٹ رہے تھے۔ اور اس کے بعد عمرو کو قتل کیا، اور قتل کر دیا تو یہ دکھا دیا کہ میری جنگ دوست دنیا کے لئے تھوڑی ہے، اور میں کسی کی توہین بھی نہیں کرنا چاہتا، اس کی ٹانگ کٹ گئی تھی۔ اب دیکھئے کہ میدانِ جنگ میں آدمی کو جب بڑی کامیابی ہوتی ہے تو اسے جلدی ہوتی ہے کہ میں جلدی جا کر اسے دوسروں کو بتاؤں بھی، اتنی بڑی کامیابی ملی مگر علیؑ کو بتانے کی ضرورت ہی نہیں اپنی ڈیوٹی انجام دے رہے ہیں۔ دور سے اس کی ٹانگ اٹھا کر لائے، لا کر اس کی ٹانگ سے ملائی اور ٹانگوں کو سیدھا کیا، زرہ کی کڑیوں کو برابر کیا، تلوار پہلو میں رکھ دی، سپر ادھر رکھ دی، کسی شئے کو ہاتھ نہیں لگایا۔ بہن آئی مگر آنے کے بعد جب بھائی کی لاش کو دیکھا، کپڑے برابر ہیں، زرہ کی کڑیاں برابر ہیں سپاہی کے انداز سے۔ کفر کا سپاہی ہے مگر پڑا ہوا ہے تلوار پہلو میں رکھی ہوئی ہے، کچھ لوٹا نہیں گیا ہے کچھ چھینا نہیں گیا ہے تو پوچھا کہ یہ کس نے میرے بھائی کو قتل کیا ہے؟ تو لوگوں نے کہا علیؑ نے۔ تو بھائی کے سرہانے سے یہ کہہ کر اٹھ گئی کہ بھائی آئی تھی تیرا مرثیہ پڑھنے کے لئے لیکن میں تیرا مرثیہ نہیں پڑھوں گی بلکہ تیرے قاتل کا قصیدہ پڑھوں گی۔ کتنا کریم ہے تیرا قاتل۔ کتنا بلند نظر ہے تیرا قاتل، کتنا دوسروں کی عزت

دیکھنے والا ہے تیرا قاتل کہ اس نے تجھے قتل کرکے تیری توہین نہیں کی۔ مگر میں کہتا ہوں کہ لے عمرو کی بہن تو بڑی خوش قسمت تھی۔ کربلا میں زینبؑ نے اپنے بھائی کی لاش کو کیونکر دیکھا۔ بس عزادارانِ حسینؑ! آپ اگر سُن لیتے ہیں محلّے میں کسی کا انتقال ہوگیا ہے تو آپ بھول جاتے ہیں کہ وہ سُنی ہے یا شیعہ ہے، ہندو ہے کہ مسلمان ہے آپ اس کے گھر میں تعزیت کے لئے جاتے ہیں۔ اور خدانخواستہ اگر آپ کو یہ اطلاع ملی کہ کڑیل جوان اچانک مرگیا تب تو آپ تڑپتے ہوئے جاتے ہیں آج آپ کو حسینؑ کی خدمت میں تعزیت پیش کرنا ہے ایک کڑیل جوان کی۔

بس عزادارانِ حسینؑ۔ شب عاشور جناب عبّاسؑ نے علی اکبرؑ، قاسمؑ، عونؑ و محمّدؑ اور بنی ہاشم میں سب کو بُلایا اور کہا کہ دیکھو کل کی جنگ میں کوئی بچنے والا تو ہے نہیں۔ تو ایسا کرنا کہ پہلے ہم سب اپنی جانیں دے دیں گے اس لئے کہ پہلے اگر اصحاب شہید ہوگئے تو کہنے والے کہہ اٹھیں گے کہ حسینؑ نے اپنوں کو بچایا اور دوسروں کو قربان کردیا۔ مگر جب اصحاب کو اس بات کی خبر ہوئی تو اصحاب نے کہا کہ ہم اپنی گردنیں اپنے ہاتھوں سے کاٹ لیں گے۔ یہ گفتگو شب عاشور ہوئی ہے یا صبح عاشور ہوئی ہے۔ توجّہ کے ساتھ آپ سُنا کرتے ہیں اس لئے میں چاہتا ہوں کہ بیک گراؤنڈ آپ کو بتادوں کہ دونوں باتیں صحیح ہیں۔ حُسینؑ نے سب سے پہلے علی اکبر سے کہا تھا کہ بیٹا آگے بڑھو۔ مگر جب بیٹا آگے بڑھنے لگا تو اصحاب و انصار آکے حسینؑ کے قدموں سے لپٹ گئے۔ کہا کہ مولا یہ نہیں ہوسکتا، آپ امام وقت ہیں آپ علیؑ اکبر کو شہید ہوتے ہوئے دیکھ سکتے ہیں ہم نہیں دیکھ سکتے۔ چنانچہ ترتیب بدلی، پہلے اصحاب و انصار شہید ہوئے پھر بنی ہاشم شہید ہوئے اور پھر جب کوئی نہیں رہ گیا تو اب یا علی اکبرؑ ہیں سپاہیوں میں یا پھر حسینؑ ہیں سپہ سالار، اب آپ ذرا تصوّر کریں ایک ساٹھ برس کا بوڑھا انسان، ایک اٹھارہ برس کا کڑیل نوجوان، ایسا کہ دشمن دیکھیں تو دیکھتے رہ جائیں حسین، اتنا خوبصورت، اتنا اطاعت گزار، اتنا فرمانبردار، صورت میں، سیرت میں چلنے میں پھرنے میں رسُولؐ کی تصویر۔ اور وہ بیٹا آیا ہے کہ بابا! مجھے بھی مرنے کی اجازت دیجئے کیا سخت وقت ہے حسینؑ کے اوپر۔ کہا بیٹا جاؤ میں نے تمھیں اجازت دے دی لیکن جاکر

پھوپھی سے اجازت لے لو۔ اس لئے کہ اس نے بڑی محنتوں سے تم کو پالا ہے۔ چنانچہ علیؑ اکبر خیمے کے اندر آئے اور میں نے روایت میں دیکھا ہے کہ جب شاہزادہ خیمے کے اندر آیا تو بیبیوں نے، سیدانیوں نے جن میں کہ اب بہت سی بیوائیں بھی ہو چکی ہیں، چاروں طرف سے علیؑ اکبر کو گھیر لیا، اور گھیرنے کے بعد تاریخ نے ایک جملہ لکھا ہے میں اس کو آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں کہ بیبیوں نے کہا، اے علیؑ اکبر ہماری بے وارثی پر رحم کرو۔ تمھارے علاوہ کوئی وارث ہمارا نہیں ہے، سب ختم ہو گئے۔ شبیہ پیغمبرؐ، حسینؑ کے فرزند، زینبؑ کے گود کے پالے علی اکبرؑ ہماری بے وارثی پر ترس کھاؤ، بے وارثی پر رحم کرو، تمھیں اکیلے وارث ہمارے رہ گئے ہو علی اکبرؑ نے جواب دیا کہ بی بیو! آپ فیصلہ کریں کہ آپ کی بے وارثی پر رحم کھاؤں یا بابا کی بے وارثی پر رحم کھاؤں۔ میرا بابا بھی تو بے وارث ہے، سیدانیاں چپ ہو گئیں، زینبؑ اجازت نہیں دیتیں۔ اس شہزادے نے کہا کہ پھوپھی اماں آپ کی اجازت کے بغیر میں خیمے کے باہر قدم نہیں نکال سکتا لیکن ایک بات آپ سمجھ لیجئے کہ کل حشر کے میدان میں اگر میری دادی نے آپ سے یہ سوال کیا کہ علیؑ اکبر پیارا تھا یا حسینؑ، تو آپ دادی کو کیا جواب دیجئے گا۔ اب جب زینبؑ نے دیکھا کہ ایک طرف علیؑ اکبر ہے ایک طرف حسینؑ، بھائی کو بچاؤں یا بھتیجے کو، بچاؤں جسے گود میں پالا ہے کہا بیٹا جاؤ خدا حافظ۔

عزادارانِ حسین! حمید ابنِ مسلم کہتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ علی اکبرؑ جب خیمے کے باہر نکل رہے تھے تو خیمے کا پردہ اٹھتا تھا اور گرتا تھا۔ سات مرتبہ خیمے کا پردہ اٹھا، سات مرتبہ گرا۔ حمید کہتا ہے کہ جب میں نے غور سے دیکھا تو یہ دیکھا کہ جب علیؑ اکبر نکلنا چاہتے ہیں تو کوئی دامن سے لپٹ جاتا ہے۔ علی اکبرؑ کو پیچھے کھینچ لیتا ہے۔ ذرا غور فرمائیے کہ اگر بی بیاں علی اکبرؑ کو روک رہی ہوتیں تو ان کے قد بلند تھے۔ بازو پکڑ کے روک لیتیں، دامن کا پکڑ کر کھینچنا اس بات کی دلیل ہے جن بچوں کا ہاتھ بازو تک نہیں پہنچ رہا تھا وہ بچے دامن سے لپٹ جاتے تھے اور علی اکبرؑ کو پیچھے کھینچ لیتے تھے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس میں سب سے آگے آگے سکینہؑ ہو گی، بھیا، مجھے کس پر چھوڑ کے

جارہے ہو۔ بس عزادارانِ حسینؑ! علی اکبرؑ خیمے کے باہر نکلے، گھوڑے پر سوار ہوئے، حسینؑ نے فرمایا کہ بیٹا، اپنے پیروں سے موت کی طرف جارہے ہو۔ علی اکبرؑ نے گھوڑے کو سرپٹ دوڑایا۔ بخدا اس روایت میں دیکھے بغیر کوئی جملہ نہیں کہتا ہوں، یہ میں نے آج ہی روایت میں دیکھا ہے کہ علی اکبرؑ جب گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے چلے تو انھیں یہ محسوس ہوا کہ پیچھے کوئی گرا۔ گرنے کی آواز آئی۔ اب جو پلٹ کر دیکھا تو دیکھا کہ حسینؑ زمین پر گرے ہوئے پڑے ہوئے ہیں۔ بس علی اکبرؑ رک گئے۔ بوڑھا انسان اگر گھوڑے کی رفتار کا مقابلہ کرنا چاہے گا تو کیا ہوگا انجام؟ منہ کے بَل باپ گرا، علی اکبرؑ کانپ گئے۔ تھرتھراگئے۔ گھوڑے سے اترے باپ کے قریب گئے۔ بابا یہ کیا؟ حسینؑ نے کہا کہ تم صاحبِ اولاد ہوتے تو تم کو معلوم ہوتا کہ تم جارہے ہو تو دل میرے سینے سے نکلا جارہا ہے۔ کلیجہ باہر آیا جارہا ہے، کہا کہ بابا، میں آپ کو اپنے جد کی قسم دیتا ہوں واپس ہو جائیے۔ کہا کہ اچھا بیٹا واپس ہو رہا ہوں مگر میری بھی ایک بات ہے مان لو، کہا، ارشاد۔ کہا جاؤ میں خیمہ کی طرف واپس ہوتا ہوں لیکن میں واپس ہوں گا خیمہ کی طرف نظریں رہیں گی میری میدان کی طرف۔ بیٹا جب تک میرا تمھارا سامنا رہے پلٹ پلٹ کر مجھے یہ چاند سی صورت دکھلاتے جانا۔ بس عزادارانِ حسینؑ! آئے علی اکبرؑ اور آنے کے بعد حملہ کیا اور ایکسو بیس آدمیوں کو قتل کیا اور اس کے بعد پلٹ کر بابا کے پاس آئے کہا بابا زخمی ہو چکا ہوں، پیاس کی شدت ہے اگر تھوڑا سا پانی مل جائے تو میں دکھاؤں کہ بنی ہاشم کے شیر کیونکر جنگ کرتے ہیں۔ حسینؑ کی مجبوری، حسینؑ نے کہا بیٹا پانی کہاں؟ ہاں اپنی زبان میرے دہن میں دو۔ علی اکبرؑ نے زبان دہن میں دی اور گھبرا کر باہر نکالی۔ کہا کہ بابا آپ کی زبان میں تو میری زبان سے زیادہ کانٹے پڑ گئے ہیں۔ اس کے بعد امام نے ایک انگشتری دی اور کہا کہ بیٹا جاؤ اب ہمارے نانا تمھیں یوں سیراب کریں گے کہ پھر تمھیں کبھی پیاس محسوس نہیں ہوگی۔ علی اکبرؑ کربلا کے میدان میں آئے اور آنے کے بعد پھر حملہ کیا، اسّی آدمیوں کو پھر قتل کیا لیکن اب ایک مرتبہ سنان ابن انس آگے بڑھا، موقع کی تاک میں تھا اس نے علی اکبرؑ کے کلیجے پر برچھی کا وار کیا۔ اب روایت میں جو منظر ہے وہ میں آپ کے سامنے کیسے پیش کروں کہ برچھی علی اکبرؑ کے کلیجے میں در آئی۔

سنان کی کوشش ہے کہ یہ نیزہ میں باہر کھینچ لوں اور کلیجے میں برچھی یوں الجھی ہے کہ کشمکش ہے، یہاں تک کہ قاتل نے جب زیادہ زور لگایا تو نیزہ تو باہر آگیا مگر پھل نیزے کا ٹوٹ کر علی اکبرؑ کے کلیجے میں رہ گیا۔ اب اس کے بعد علی اکبر کو یقین ہو گیا کہ میں بچنے والا نہیں ہوں، جو روایت میں نے آج دیکھی ہے وہ روایت یہ بتاتی ہے کہ علی اکبرؑ نے اپنی جگہ یہ محسوس کیا کہ قاسمؑ کی لاش پر حسینؑ پہنچ گئے اس لئے کہ کوئی سنبھالنے والا موجود تھا، عباسؑ کی لاش پر حسینؑ پہنچ گئے اس لئے کہ میں سنبھالنے والا موجود تھا' میرا بابا میری لاش تک کیسے آئے گا، میرا بابا میری لاش تک نہیں آسکتا، تو میں خود ہی اپنے بابا تک پہنچ جاؤں، یہ کہہ کے گھوڑے کے گلے میں باہیں ڈالیں اور گھوڑے کا رُخ خیمہ کی طرف کیا کہ بابا کے پاس پہنچ جائیں مگر لشکر نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اب روایت کے جملے یہ ہیں کہ جدھر سے گزرے، جس کے ہاتھ میں جو ہتھیار تھا اس نے وہ استعمال کیا، یہاں تک کہ جسم کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ عزادارانِ حسینؑ آپ نے علماء اور روضئین سے سماعت فرمایا ہوگا کہ حسینؑ کا جو بھی سپاہی گھوڑے سے گرا اس نے گرتے وقت آواز دی کہ "یا مولا ہ اِدرکنی۔ اے مولا میری خبر لیجئے۔ مگر حسینؑ کا بیٹا یہ نہیں کہتا کہ بابا میری مدد کو آیئے، فرماتے ہیں، "یا ابتاہ علیک منّی السّلام" بابا اپنے بیٹے کا سلام قبول فرمایئے۔ اور یہاں تک آنے کی زحمت نہ کیجئے مگر حسینؑ کیسے ٹھہرتے، علی اکبر زمین پر گرے اور حسینؑ گرتے پڑتے چلے، یا علیؑ یا علیؑ یا علیؑ کہتے ہوئے حسینؑ نے دیکھا کہ علی اکبر سینے پر ہاتھ رکھے ہوئے ہیں، کہا، بیٹا، کیا بات ہے؟ کہا بابا برچھی کا پھل کلیجے میں اٹک گیا ہے، بڑی تکلیف ہو رہی ہے بابا، اگر ہو سکے تو برچھی کے پھل کو میرے کلیجے سے کھینچ لیجئے۔ اب حسینؑ پر وہ وقت پڑا جو اب تک نہیں پڑا تھا، جوان بیٹا، گود میں سر حسینؑ نے کہا بیٹا اپنا ہاتھ ہٹاؤ، علی اکبرؑ نے ہاتھ ہٹایا، حسینؑ نے برچھی کے پھل پر ہاتھ رکھا، میں کہتا ہوں یا علیؑ، حسینؑ کے ہاتھ پر آکر ہاتھ رکھ لیجئے، بڑی دشوار منزل ہے۔ حسینؑ نے ایک مرتبہ جھٹکا دے کر جب برچھی کے پھل کو نکالنا چاہا تو برچھی کے پھل کے ساتھ علی اکبرؑ کا کلیجہ بھی نکل کے باہر آگیا اور حسینؑ اس منظر کو دیکھتے رہے،

بس عزادارِ حسین، بچے نے دم توڑ دیا۔ حسینؑ نے لاش اُٹھانا چاہی مگر علی اکبرؑ کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے ہو چکے تھے۔ راوی کہتا ہے کہ میں یہ منظر دیکھ رہا تھا کہ حسینؑ اگر سر کو ہاتھ لگاتے تھے تو سر الگ ہوا جارہا تھا، ہاتھ کو ہاتھ لگاتے تھے تو ہاتھ الگ ہوا جارہا تھا، پاؤں پر ہاتھ رکھتے تھے پاؤں الگ ہوا جارہا تھا، کہا کہ لاش کو میں تنہا نہیں اُٹھا سکتا، آواز دی کہ بنی ہاشم کے بچّو آؤ، "میرے کڑیل جوان کی ٹکڑے ٹکڑے لاش اٹھا کرلے چلو۔ بچّوں نے لاش اٹھائی، حسینؑ پیچھے پیچھے ماتم کرتے چلے۔ واعلیّا واعلیّا۔"

تمام شد

چھٹی مجلس

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ۔

برادران عزیز! وہ قہار وجبار اور وہ قادر علی الاطلاق پیروانِ اسلام کو پیروانِ دین کو یہ بشارت دے رہا ہے کہ ہم نے رسوؐل کو بھیجا ہے ہدایت کے ساتھ اور دین حق کے ساتھ اس لئے کہ حق کی شان یہ ہے کہ وہ مغلوب نہیں ہوتا، غالب ہو کے رہتا ہے، تو ایک دن دنیا کو عقل آجائے گی اور یہ دین سارے ادیان باطلہ کو مٹا کر سب پر غالب ہو جائے گا چاہے یہ بات مشرکوں کو کتنی ہی ناگوار کیوں نہ گزرے۔

اعتراض کیا جاتا ہے کہ ہم اگر مسلمان ہو بھی جائیں تو مسلمان ہونے کے بعد، پھر ہم آ کے ایک ایسے نقطہ پر کھڑے ہو جاتے ہیں کہ جس نقطے سے مختلف راستے جا رہے ہیں، کوئی کہتا ہے وہابی ہو جاؤ، کوئی کہتا ہے بریلوی ہو جاؤ، کوئی کہتا ہے مقلد ہو جاؤ اور کوئی کہتا ہے غیر مقلد ہو جاؤ، کوئی کہتا ہے شیعہ ہو جاؤ اور کوئی کہتا ہے سنی ہو جاؤ، تو مسلمان ہونے کے بعد بھی ہم کدھر جائیں، یہ مسئلہ سیریس ہے اور سنجیدہ ہے جو ہمارے سامنے آتا ہے اور بات غلط نہیں کہی جاتی ہے لیکن میں تو اسلام کی بات آپ کے سامنے عرض کر رہا ہوں، وہ اسلام کہ جو اللہ کا بھیجا ہوا ہے اور جس کو رسوؐل لے کر آئے۔ مسلمانوں نے اس اسلام کی گت کیا بنا دی اس کا میں ذمہ دار نہیں ہوں۔ نظریے پر بحث ہوتی ہے، نظریہ پر عمل کرنے والے اس کی کیا گت بنا دیں اس پر غور نہیں کیا جاتا۔ جمہوریت، ڈیماکریسی، اس وقت کا سب سے زیادہ محبوب

نظریہ ہے انسان کا بنایا ہوا، لیکن انصاف کی بات اس منبر پر آپ کے سامنے کہتا ہوں.
غلط بات نہیں سکتا کہ اسی ڈیماکریسی کو یورپ میں آپ جاکر دیکھیں اور امریکہ میں دیکھیں تو
وہاں رنگ آپ کو کچھ اور دکھائی دے گا۔ معلوم ہوگا کہ واقعی ڈیموکریسی ہے کہ جہاں ہر
انسان کو رائے کا حق ہے، ہر انسان کو اپنی رائے دینے کا پورا پورا حق حاصل ہے، کسی کو
حق نہیں ہے کہ اس زبان پر پہرے بٹھا سکے، جہاں لوگ تعلیم یافتہ ہیں لہٰذا ان کو جذباتی
نعرے لگاکر درغلایا نہیں جا سکتا، اور بھڑکایا نہیں جا سکتا ______ ہر ایک
سوچ سمجھ کر فیصلہ کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ کہ جہاں ایجوکیشن ہوتی ہے، جہاں نالج ہوتی
ہے جہاں تعلیم ہوتی ہے وہاں جمہوریت کا رنگ یہ ہوتا ہے، اور وہی جمہوریت ہمارے یہاں
ہندوستان میں ہے، میں پاکستانی ہوتا تو پاکستان کا نام لے لیتا، ڈر کے مارے یہاں کا نام نہیں
لے رہا ہوں تو وہی جمہوریت ہمارے یہاں ہندوستان میں ہے جسے ہندی میں کہا جاتا ہے
"گنتر تنتر" بڑا سخت لفظ ہے، تو اب ہمارے یہاں جمہوریت میں کیا ہوتا ہے وہی جمہوریت
ہے مگر جمہوریت میں کیا کچھ نہیں ہوتا یہ ہم سے پوچھئے۔ ایک ایک آدمی مکے کے سو ووٹ
ڈالتا ہے یہ ہم سے پوچھئے، جو ووٹ بچ جاتے ہیں وہ ریٹرننگ آفیسر خود ٹھپے لگا لگا کر
جس پارٹی کا رسیا ہوتا ہے اس کے بکس میں ڈال دیتا ہے، کیا کیا اس میں فراڈ ہوتا ہے
کیا کیا اس میں فریب برتے ہیں، یہ ہم سے پوچھئے تو ہندوستان میں اگر جمہوریت کا بیڑا
غرق ہو رہا ہے تو کیا جمہوریت کا نظریہ قابل اعتراض ہے، جمہوریت کا نظریہ قابلِ اعتراض
نہیں ہے لوگوں کی جہالت قابلِ اعتراض ہے۔ جمہوریت کے لئے تعلیم سب سے بنیادی
بات ہے جب تک تعلیم نہ ہو، ایجوکیشن نہ ہو جمہوریت سے کوئی فائدہ ہی نہیں ہے، اس لئے
اسلام نے کہا تھا کہ اسلام تمھارے آگے رہے مگر دیکھئے رحمت للعالمین کو اللہ کی طرف
سے حکم دیا جا رہا ہے کہ جاہلوں کی طرف آپ رخ نہ کریں جاہلوں کی طرف سے آپ منھ موڑ لیں
جاہلوں کی طرف رسولؐ کو منھ کرکے بات کرنے کی اجازت نہیں دی جا رہی ہے۔ یہ جہالت

جہاں ہوتی ہے جیساکہ میں عرض کرچکا ہوں آپ کے سامنے کہ جتنی خرابیاں ہیں، جتنی برائیاں ہیں، جتنی بیماریاں ہیں وہ سب ایک جڑ سے پیدا ہوتی ہیں جس کا نام ہے جہالت تو اسلام کی اگر آپ کو یہ بھیانک شکل دکھائی دیتی ہے تو اس میں اسلام کی تقصیر نہیں ہے، مسلمانوں کی جہالت کا قصور ہے، حضور مسجد اللہ کی ہوتی ہے نہ مسجد شیعہ کی ہے نہ سُنّی کی ہے نہ دیوبندی کی ہے نہ بریلوی کی ہے، مُلّاؤں نے اسے تقسیم کردیا اپنے حلوے مانڈے کے لئے وہ بات الگ ہے، لیکن مسجد کا حکم کیا ہے؟ دیکھئے اختلافات کی جتنی قسمیں ہوسکتی ہیں، رنگ کا اختلاف ہوتا ہے کالا ہوتا ہے، گورا ہوتا ہے، پیلا ہوتا ہے، صورت شکل کا اختلاف ہوتا ہے، ملک کا اختلاف ہوتا ہے، نسل کا اختلاف ہوتا ہے، خاندان کا اختلاف ہوتا ہے صحیح ہو یا غلط اس سے مجھے مطلب نہیں ہے میں تو اختلاف پیش کررہا ہوں۔ سید، مغل، پٹھان کا اختلاف ہوتا ہے ہندوستانی پاکستانی کا اختلاف ہوتا ہے، بچے بوڑھے کا اختلاف ہوتا ہے، دولت مند، غریب کا اختلاف ہوتا ہے، زبان کا اختلاف ہوتا ہے، کوئی پنجابی بول رہا ہے، کوئی سندھی بول رہا ہے، کوئی اردو بول رہا ہے، کوئی گجراتی بول رہا ہے، لیکن جب آپ اللہ کے گھر میں آگئے، مسجد میں تو سارے اختلاف ختم۔ اب آقا و غلام، نوکر و مالک ایک ہی صف میں، کالا و گورا ایک صف میں، چھوٹا و بڑا ایک صف میں، مختلف ملکوں کے نمائندے ایک صف میں، مختلف بولیاں بولنے والے ایک زبان بول رہے ہیں جس کا نام ہے عربی، غور کیا آپ نے؟ اور ایک امام کے پیچھے پوری صفیں ایستادہ ہیں۔ کوئی فرق نہیں ہے، ہاں جو صاحبانِ فہم ہیں میری بات کو سمجھنے کی کوشش کریں گے کہ کوئی فرق نہیں ہے جو آکے پہلے جہاں کھڑا ہو گیا وہی اس کی جگہ ہے آپ اس کو ہٹا نہیں سکتے۔ لیکن شریعت نے یہ بات ضرور کہی ہے کہ امام کے بالکل پیچھے ایسے لوگ دو تین ہونا چاہیے ہیں کہ جو صالح ہوں، متقی ہوں، مسائل دین سے واقف ہوں جن کی قرأت درست ہوں، کیونکہ کسی بلندی کے لئے نہیں ایمرجنسی کے لئے۔ ارے بھئی سو آدمیوں کی نماز جماعت ہو رہی ہے، چھوٹی سی نماز ہے، مسجد کے اندر سَو سَو آدمی کھڑے ہوئے ہیں ایک امام آگے ہے تو

شریعت یہ کہتی ہے کہ "آلٹرنیٹ ارینجمنٹ" رکھنا چاہیئے۔ خدانخواستہ امام کو "ہارٹ اٹیک" ہوگیا، خدانخواستہ بے ہوش ہوگیا، کوئی بیماری ہوگئی، گر پڑا تو شریعت نے "آلٹرنیٹ ارینجمنٹ" رکھا ہے کہ اسے کچھ ہو جائے تو بلافصل یہ اس کی جگہ آجائے کہ اُمت کی بات تو آپ جانے دیجئے، جماعت بھی ایک لحظہ بغیر امام کے نہ رہے۔ اس کے بعد جب آپ حج کے موقع پر تشریف لے گئے تو حج کے میدان میں کون نہیں ہے؟ ہے شیعوں میں دم کہ وہ کہہ دیں کہ سُنّی حج کرنے کے لئے نہیں آسکتے، ہے سنّیوں میں یہ ہمّت کہ وہ کہیں کہ شیعہ حج کرنے کے لئے نہیں آسکتے۔ بریلوی وہاں موجود، دیوبندی وہاں موجود، مقلّد وہاں موجود، غیر مقلّد وہاں موجود، کالے وہاں موجود، گورے وہاں موجود، انڈونیشیا سے لے کر امریکہ تک کے رہنے والے، الگ الگ بولیاں بولنے والے، الگ الگ زبانیں بولنے والے، الگ الگ کلچرل، الگ الگ صورتیں مگر جب اللہ کے گھر میں آگئے تو سب کا لباس ایک، سب کی وضع ایک، سب کی قطع ایک، اور سب ایک ساتھ نماز پڑھ رہے ہیں، تفرقہ ختم ہوگیا اور قربت پیدا ہوگئی کیوں؟ سارے تفرقے ختم ہوگئے، مسلک کے تفرقے ختم ہوگئے، فرقے کے تفرقے ختم ہوگئے، زبان کے تفرقے ختم ہوگئے، سارے تفرقے ختم ہوگئے، کیوں ختم ہوگئے؟ اس لئے کہ اس وقت مسلمان کو کچھ یاد نہیں ہے اللہ کا گھر نظروں کے سامنے ہے۔ بس مشکل یہ ہوتی ہے کہ انسان جب مسجد الحرام میں آکر نماز پڑھتا ہے تو رُخ اللہ کی طرف ہوتا ہے، اور جب وہاں سے نکل کر باہر چلتا ہے تو اپنے اپنے شہروں اپنے اپنے گھروں اپنے اپنے ملکوں کی طرف تو اس کا رخ تبدیل ہوجایا کرتے ہیں، اگر یہ تعلیم لے کر چلیں کہ ہمیشہ ہمیشہ ہمارا رُخ اللہ کی طرف ہونا چاہیئے تو جو اتحاد وہاں پیدا ہوتا ہے وہی اتحاد پورے عالم اسلام میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے پیدا ہو جائے۔ صلواۃ

ڈرتے ڈرتے ایک تجویز پیش کر رہا ہوں، میں پردیسی آدمی، مسافر، مجھے تجویز پیش کرنے کا حق کیا ہے؟ مگر میں گورنمنٹ آف پاکستان کے سامنے ایک مختصر سی تجویز رکھنا چاہتا ہوں، علماء کی بات نہیں کر رہا ہوں، علماء مقدس ہیں شیعہ ہوں یا سُنّی، حنفی ہوں، دیوبندی ہوں یا بریلوی، جو

علما ہیں، اسکالر ہیں۔ اسکالر کبھی لڑانے کی بات نہیں کرے گا، وہ گفتگو تو کرے گا، وہ یہ نہیں کرے گا کہ مار دو۔ وہ جو کہتے ہیں، کہ زبان و قلم سے کام نہ لو۔ "کلاشنکوف" سے کام لو۔ ان کے لئے میری چھوٹی سی تجویز ہے، کہ انسان کو قتل کرانے میں دلچسپی ہوتی ہے مگر شہید ہونے کے لئے کوئی تیار نہیں ہوتا، بھئی شہادت تو بہت بڑا مرتبہ ہے، آپ دوسروں سے کہتے ہیں خدا کی راہ میں شہید ہو جاؤ۔ تو صدر اسلام میں کیا ہوتا تھا؟ رسولؐ سب کے آگے آگے رہتے تھے، آپ تاریخ اسلام پڑھ کے مجھے بتائیں کہ رسولؐ کے ساتھ گارڈس کبھی رہتے تھے؟ آپ تاریخ اسلام پڑھ کے مجھے بتائیں کہ مولا علیؑ کے ساتھ گارڈس کبھی رہتے تھے؟ مولا علی تو عین میدانِ جنگ میں جب کہ جنگ شروع ہونے والی ہوتی تھی خالی کرتا پہن کے آجاتے تھے تو میری مختصر سی تجویز یہ ہے کہ جو حضرات "کٹھ ملا" ہیں چاہے ان کا تعلق کسی فرقہ سے ہو، گورنمنٹ آف پاکستان ان سے گارڈس کو ہٹائے اور ان کو اجازت نہ دے پرائیوٹ گارڈس رکھنے کی بھی تو انشاءاللہ سارے مسائل خود نمٹے ہو جائیں گے یا تو وہ سیدھے ہو جائیں گے اور یا تختۂ غسل انہیں سیدھا کر دے گا۔ مسئلہ ختم ہو جائے گا، میں سیدھی سادی بات بتائے دیتا ہوں آپ کو: یہ ساری پرابلم ہے ہی اسی لئے کہ یہ معلوم ہے ان کو کہ دوسروں کی جان خطرے میں ہے، الحمد للہ ہمارے جان خطرے میں نہیں ہے۔ جب اپنی جان خطرے میں آئے گی تو ان کو دوسروں کی جان کی قدر ہو گی۔ ایک مرتبہ صلوات بھیجیں آپ حضرات۔

اب اللہ کے سلسلے میں گفتگو ہو رہی ہے خدا کے بارے میں کچھ کچھ باتیں میں آپ کے سامنے نئے انداز میں ہلکی پھلکی پیش کر رہا ہوں، جو بچہ یہاں بیٹھا ہے آکر ماشاءاللہ فزکس کا اسٹوڈنٹ ہے اور بھی لڑکے فزکس کے طلبہ ہوں گے، سائنٹسٹ ہوں گے، اتنا بڑا مجمع ہے میرے سامنے ایک بات بہت ادب و احترام سے کہنا چاہتا ہوں اور اس کو انشاءاللہ پیش کرتا رہوں گا جہاں تک میرے امکان میں ہے کہ آج جو ملحدین ہیں، جو خدا کے منکر ہیں، آج کے زمانے میں مر چکے ہیں یا ابھی ہیں، میں اپنے بچوں سے اور نوجوانوں سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں اس پر

یقین کرلیں وہ کہ میں ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گیا کہ رسل نے یا پروفیسر ہاکنس نے یا ان کے ایسے دوسرے لوگوں نے کوئی ایسی بات لکھی ہو کہ جو نہیں ہو۔ تو جیسے آجکل مجلسیں پڑھنا بہت آسان ہو گیا ہے، اس لئے کہ مجلسیں پڑھنے کے لئے مطالعہ کی ضرورت نہیں ہے دیگر مقررین کے ٹیپ سن سن کر مجلسیں پڑھ دیا کرتے ہیں، اسی طرح سے میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں، آپ یقین کیجئے اس منبر پر آپ کے سامنے کہہ رہا ہوں کہ کوئی اعتراض اللہ کے وجود پر آپ مجھے رسل یا ہاکنس کا یا اسی طرح کے جو اور لوگ ہیں، ان کا نہیں دکھا سکتے کہ جو زمانہ رسولؐ میں اور زمانۂ ائمہ طاہرینؑ میں پیش نہ کیا گیا ہو اور اس کے جوابات نہ دیئے جا چکے ہوں، لینگویج کا فرق ہے خالی، لباس بدلا ہوا ہے جسم وہی ہے تو آپ بھی جواب کے سلسلے میں بات وہی رکھئے لباس کو بدل دیجئے۔ جیسا زمانہ ہوتا ہے اس کے لحاظ سے گفتگو کی جاتی ہے تو اب جہاں تک وقت مجھے اجازت دے گا میں عرض کرتا ہوں۔ رسل کہتا ہے میں کرسچین کیوں نہیں ہوں، بہت سی باتیں اس نے کہی ہیں، ایک بات اس نے کہی ہے کہ اللہ، خدا خوف کی پیداوار ہے، انسان بجلی سے ڈرا، زلزلے سے ڈرا، آندھی سے ڈرا، فلاں چیز سے ڈرا، اِس سے ڈرا، اُس سے ڈرا، اور اس کو ڈر کے لئے ایک سہارے کی تلاش تھی تو اس نے خدا کو گڑھ لیا تو خدا نے انسان کو نہیں بنایا ہے، انسان نے خدا کو بنایا ہے، یہ کوئی آرگومنٹ ہے؟ میں نے عرض کیا تھا بڑوں کی بڑی غلطیاں ہوا کرتی ہیں یہ کوئی آرگومنٹ ہے، یہ کوئی دلیل ہے، میں یہ کہتا ہوں کہ انسان کی سرشت میں ہے آزادی۔ آزادی کا لفظ میں غلط استعمال کر گیا، آوارگی، وہ چاہتا ہے کہ میں جو چاہوں کروں، کوئی مجھے روکنے والا نہ ہو، کوئی مجھے ٹوکنے والا نہ ہو، ایک لڑکا تھا، بڑا ذہین بہت انٹلی جنٹ، اس کی بسم اللہ ہو رہی تھی، مولوی صاحب نے کہا کہو بسم اللہ، وہ نہیں کہتا، بسم اللہ کہنے میں کیا بات ہے بھائی، مٹھائی رکھی ہے، لڈو رکھے ہیں پیڑے رکھے ہیں، ہار پھول سب رکھے ہیں بسم اللہ کہہ دو۔ مگر وہاں ایک مصیبت تھی، نہیں کہتا بچہ بسم اللہ، اور بچہ بہت ذہین تھا، تو اس کے باپ نے کہا بیٹا تم اتنے ذہین ہو بسم اللہ کہنے میں کیا حرج ہے، اس نے کہا بسم اللہ کہنے میں تو مجھے

کوئی عذر نہیں ہے، مسئلہ یہ ہے کہ بسم اللہ کہوں گا تو کہیں گے، کہو الف، اور الف کہوں گا تو کہیں گے کہو "ب" اور پھر مجھے پوری تختی پڑھوائیں گے، پھر لکھوائیں گے اور پھر مجھے اسکول بھیجیں گے، یہ چکر چلے گا لمبا تو میں بسم اللہ ہی کیوں کہوں کہ چکر میں پھنسوں۔ غور کیا آپ نے میں بسم اللہ ہی کیوں کہوں کہ چکر میں پھنسوں، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جہاں چکر میں پھنسنے کا اندیشہ ہوتا ہے وہاں اللہ کے نام سے انسان بھاگتا ہے۔ غور فرمایا آپ نے تو میں اس ایشو کا کرتا ہوں نفسیاتی تجزیہ، کہ انسان چونکہ آوارگی پسند ہے، اور اس کو اس بات کا یقین ہے کہ میں اللہ کو مانوں گا تو خود بخود سوال پیدا ہوگا کہ اللہ کو مانتے ہو تو اللہ نے کس مقصد کے لئے پیدا کیا ہے، جب مقصد کے لئے پیدا کیا ہے تو جو اس کے موافق ہے اسے استعمال کرو، جو مقصد کے موافق نہیں ہے اسے چھوڑو تو پھر چکر چلیں گے تو اللہ کو ماننے ہی کیوں، نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ میں نے آپ کے سامنے عرض کیا تھا کہ کوئی نئی بات آپ پیش نہیں کر سکتے۔

امام جعفر صادق علیہ الصلوٰۃ والسّلام۔ رسل کی بات یاد رکھئے گا انسان کے خوف سے اللہ پیدا ہوتا ہے، امام جعفر صادق علیہ السّلام کے دور میں ایک شخص آیا ملحد تھا، اللہ کو نہیں مانتا تھا، آکر بیٹھا، امام نے پیار محبت سے بات کی۔ کہا کہ جتنی بھی آپ مجھ سے محبت کریں میں اللہ کو ماننا وانتا نہیں ہوں۔ کہا نہیں مانو، کوئی بات نہیں، مجھے ایک بات کا جواب دے دو، کہا فرمائیے، کہا کہ تم نے کبھی سمندر کا سفر کیا ہے؟ کہا ہاں کیا تو ہے ایک مرتبہ۔ کہا کیا کبھی ایسا ہوا تھا کہ کشتی تمھاری طوفان میں پھنسی ہو؟ کہا ہاں ہوا تھا، کہا کہ کیا ایسا تو نہیں ہوا تھا کہ طوفان اتنا شدید ہوا ہو کہ ناخدا نے کہا ہو کہ اب بچنے کی کوئی امید نہیں رہ گئی۔ کہا کہ ہاں ہوا تھا، ایسا ہوا تھا، کہا کہ ذرا غور کر کے بتاؤ بات تو پرانی ہے کہ اس وقت ناخدا نے یہ کہا تھا کہ اب کوئی امید بچنے کی نہیں ہے اور یہ کشتی ڈوب کر رہے گی؟ اس وقت بھی تمہارے دل میں کہیں دور پر یہ خیال موجود تھا کہ اب بھی کوئی چاہے تو بچا سکتا ہے، کہا۔ بات تو صحیح ہے اس وقت بھی میرے دل میں خیال یہ تھا کہ اس وقت بھی اگر کوئی چاہے تو مجھے بچا سکتا ہے،

کہا وہی کوئی" خدا ہے صلواۃ۔ تو مطلب کیا؟ امام نے بتایا اپنے جواب سے کہ خدا خوف کی پیداوار نہیں ہے بلکہ جب انسان کی مایوسیاں شعور سے سارے پردے ہٹا دیتی ہیں تو "الست" کا اقرار تحت الشعور سے ابھر کر شعور کی منزل میں آتا ہے اور انسان کو بھولا ہوا اللہ یاد آجاتا ہے، وہ چپکا رہا تھوڑی دیر۔ غور کیجئے گا جو بات کہہ رہا ہوں آپ کے سامنے۔ کچھ دیر چپکا رہا، اس کے بعد کہا کہ "اشهد ان لا اله الا الله" کیا بات ہوئی کیوں اس نے کہہ دیا، روایت تو اتنی ہی ہے جتنی میں نے آپ کے سامنے پڑھی ہے، آپ ذرا غور کیجئے کہ امام نے کہا تھا کہ جب ایسا ایسا ہوا تھا تو ذہن میں خیال آیا کہ کوئی ہے کہ جس نے مجھے بتایا کہ میں چاہوں تو بچا سکتا ہوں تو اب اس نے کہا کہ ایک "کوئی" تو وہ تھا، غور کیجئے گا۔ ایک "کوئی" تو وہ تھا کہ جس کا تصور میرے دل میں پیدا ہوا تھا اور یہ دوسرا کون سا "کوئی" ہے کہ جس نے ان کو یہ سب بتا دیا، گزری تھی سب میرے اوپر ان کو کیسے خبر ہو گئی۔ اب غور کیجئے کہ امام سے اس کے تعلقات نہیں، روابط نہیں اور دوسرے شہر کا رہنے والا وہ، دوسرے ملک کا رہنے والا، پہلی مرتبہ امام کے پاس آرہا ہے اور جو کچھ اس پر گزری تھی، نہ صرف یہ کہ واقعہ کی خبر دی تھی بلکہ دل کی دھڑکن کی بھی خبر دی تھی، تو یہ کون سی طاقت تھی جس نے امام کو بتایا، تو اس کا مطلب یہ کہ وجودِ الٰہی کے لئے ایک گواہ نہیں بلکہ شاہدین وعادلین موجود تھے۔ صلواۃ بھیجدیں محمدؐ وآل محمدؐ پر۔

بس رسل کو آج لئے لیتا ہوں، ہاکنس کو کل لے لوں گا وقت کی کمی ہے۔ رسل و ہاکنس تو چلتے رہیں گے۔ یہی دو سب سے زیادہ مشہور ملحد ہیں۔ اب رسل نے ایک بات اور کہی، اس کا جواب امام نے نہیں دیا، امام کے ایک شاگرد نے دے دیا۔ میں نے آپ سے کہا کہ کوئی بات آپ نئی نہیں بتا سکتے۔ اسی کتاب میں لکھتا ہے رسل، کہ مذہب ہم کو دو نقصانوں میں سے ایک نقصان کے بیچ میں پھانس دیتا ہے، وہ کہتا ہے کہ دنیا میں سکون اٹھاؤ گے تو عاقبت میں سکون اٹھانا ہے تو دنیا میں مصیبتیں سہو۔ تو بھیا اسلام یہ نہیں کہتا، اسلام یہ کہتا ہے کہ وہ ہم میں سے ہے نہیں کہ جو دنیا کو آخرت کے لئے چھوڑ دے یا آخرت کو دنیا کے لئے

چھوڑ دے۔ ایک ہاتھ میں دین ہو دوسرے ہاتھ میں دُنیا ہو، ایک ہاتھ میں دُنیا ہو، دوسرے ہاتھ میں آخرت ہو یہاں بھی کامیابی وہاں بھی کامیابی، رسل کا جواب کس نے دیا؟ ایک دیوانے نے کہ جس کی دیوانگی پر سینکڑوں فرزانوں کی فرزانگی نثار۔ بہلول دانا، دیکھئے رسل کا جواب دے رہے ہیں، رسل کیا کہتا ہے؟ رسل کہتا ہے کہ ہمارے لئے مشکل یہ ہے کہ اگر ہم مذہب کو اختیار کریں تو مذہب کہتا ہے کہ اگر آخرت میں تکلیف اٹھانا ہے تو دُنیا میں نعمتیں اٹھالو، آسانیاں اور سکون اٹھالو، عیش کر لو اور وہاں تکلیف اٹھاؤ اور وہاں نعمتیں حاصل کرنا ہیں تو یہاں مصیبتیں جھیلو۔ اب بہلول دیوانہ تھا یہ تو جانتے ہی ہیں آپ مگر بڑے تیز آدمی تھے، دُنیا پہچانتی تھی ان کو کہ یہ دیوانگی مسلط کئے ہیں اپنے اوپر طاغوت وقت سے بچنے کے لئے، یہ تاریخ ہے آپ کی۔ اب لوگ کھڑے ہوئے ہیں دیکھا بہلول چلے آرہے ہیں، دیوانے کی شکل میں، میدان میں ایک بہت لمبا سا لٹھا پڑا ہوا تھا، یہ آئے اور لوگ تماشہ دیکھ رہے تھے کہ یہ کچھ کریں گے ضرور۔ چنانچہ وہ آئے اور انہوں نے کچھ کیا، کیا کیا انہوں نے؟ اس لٹھے کے ایک سرے پر آئے اور آنے کے بعد موٹا لٹھا وزنی تھا، اس کو اٹھایا اور اٹھاتے اٹھاتے بالکل سیدھا کر دیا، پھر دھم سے چھوڑ دیا، کیا کر رہے بھائی؟ کبھی ایک سرا اٹھاتے ہو کبھی دوسرا سرا اٹھاتے ہو، اب اس کے بعد بیچ میں آئے اور چاہا کہ بیچ سے اٹھائیں تو لاکھ لاکھ زور لگا رہے ہیں وہ ہلتا نہیں، کہا کہ یہ کر رہے ہیں کہا کہ تم کو تمہارا تھا دین کا مسئلہ یہی ہے ایک سرا دین ہے، اور دوسرا ہے دُنیا۔ فقط دُنیا کو اٹھالینا آسان ہے، فقط دین کو اٹھالینا آسان ہے، دین دُنیا ملا کر اٹھاؤ، یہ بہت مشکل بات ہے۔ بیچ سے اٹھاؤ کہ نہ دُنیا ہاتھ سے جانے پائے نہ دین ہاتھ سے جانے پائے۔ حالانکہ یہ بہت مشکل کام ہے تو چونکہ یہ مشکل کام ہے لہٰذا کچھ لوگ دُنیا کو لے کر الگ ہو گئے اور کچھ لوگ دین کو لے کر الگ ہو گئے مگر بہلول دانا نے بتایا کہ یہ دین نہیں ہے، دین آسانیاں فراہم نہیں کرتا، مشکل راستہ ہے۔ یوں چلو کہ نہ دین ہاتھ سے جانے پائے اور نہ دُنیا تمہارے ہاتھ سے جانے پائے۔

بس برادران! میرے لئے بڑی مشکلیں ہیں، سوالات ہیں، جو حضرات سوالات کرتے رہتے ہیں ان سے میری التماس ہے کہ وہ مجلس کو غور سے سماعت فرمائیں۔ میں کبھی دورانِ مجلس میں یہ کچھ جملے ایسے کہہ جاتا ہوں کہ اگر وہ متوجہ رہیں تو ان کو خود معلوم ہو جائے گا کہ میں ان کی بات کا جواب دے رہا ہوں اور ان کو سمجھا رہا ہوں۔ تو اب ایک بات اور میں آپ کے سامنے عرض کرنا چاہتا ہوں، خدا ہے کہ نہیں ہے۔ اچھا یہاں سے گئے میرے ساتھ کیماڑی، کراچی میں جو بجلی کا حشر ہے وہ تو آپ دیکھ ہی رہے ہیں، ہمارے یہاں بھی کچھ اچھا حال نہیں ہے، وہاں بھی یہ حالت ہے کم و بیش۔ وہ تو میں نے کہا "ٹوئینز" ہیں ہندوستان پاکستان، جیسے جڑواں بچے ہوتے ہیں جو ایک کو ہوتا ہے وہ دوسرے کو ہوتا ہے تو کبھی یہ سوچنا ہے آپ کو کہ ہندوستان میں کیا ہو رہا ہے یہ دیکھئے پاکستان میں کیا ہو رہا ہے، یہاں جو ہو رہا ہو گا وہ انشاء اللہ وہاں ہو رہا ہو گا دونوں جگہ کی حالت ایک ہے۔ تو یہاں سے گئے کیماڑی، اب میں بالکل جاہل، بیوقوف، کوردیہ کا رہنے والا، میں نے نہ بجلی دیکھی نہ کرین دیکھی، کچھ نہیں دیکھا، آپ مجھے کراچی گھمانے لے گئے، لے گئے کیماڑی، اب کیماڑی میں میں نے دیکھا، میں نے دیکھا کہ ایک ٹنوں وزنی بنڈل رکھا ہوا ہے اور سامنے کرین کھڑی ہوئی ہے اور کرین میں ایک ہک زنجیر میں، آپ نے کہا کہ یہ ہک ابھی تھوڑی دیر میں اس کو اتنے ٹنوں وزنی بنڈل کو اٹھا کر جہاز کے اندر اتار دے گا تو آگے بڑھ کر میں نے اس ہک کو ہلایا ڈلایا، میں نے سیدھا کیا اس کو وہ گر گیا دھم سے۔ میں نے کہا کہ اس میں خود اٹھنے کی صلاحیت نہیں ہے، میں اس کو سیدھا کر رہا ہوں تو وہ دھم سے گرا جا رہا ہے، یہ کیا اٹھائے گا غور کیا آپ نے لیکن تھوڑی دیر کے بعد میں نے دیکھا کہ اب اس ہک نے اس ٹنوں وزنی بنڈل کو اٹھانا شروع کیا، وہاں تک لے گیا اتنے اونچے پر اور لے جانے کے بعد اس کو گھما کے جہاز کے اندر اتار دیا۔ تو مجھے بجلی کی بالکل خبر نہ ہو، میں بالکل ایک دیہات کوردیہ کا رہنے والا، میں نہ پہچانوں بجلی کیا چیز ہے لیکن یہ تو میں سمجھوں گا کہ یہ اس کا کام نہیں ہے، یہ کوئی اور قوت ہے اور وہ کون سی قوت ہے مجھے نہیں پتہ۔ میں یہ نہیں جانتا، میں سمجھوں گا کہ کوئی قوت ہے، کوئی دوسری

طاقت ہے جو اب اس میں کام کر رہی ہے جب تک وہ کام نہیں کر رہی تھی تب تک اس میں دم نہیں تھا، اور اب کام کر رہی ہے تو اس میں اتنی طاقت آگئی کہ جو خود سیدھا نہ ہو سکتا تھا اس نے ٹنوں وزن اٹھا کر یہاں سے وہاں پہنچا دیا۔ آپ اس سے انکار تو نہیں کریں گے۔ اب آئیے مولا علیؑ کے دربار میں چلیں، کوفہ کی مسجد میں ایک آدمی بیٹھا ہوا ہے جو اتنا کمزور ہے کہ جَو کی سوکھی ہوئی روٹی کو توڑنا چاہ رہا ہے تو ہاتھ سے ٹوٹ نہیں رہی ہے، گھٹنے پر رکھ کے توڑ رہا ہے، اتنا کمزور ہے، جَو کی روٹی توڑ نہیں سکتا یہ آدمی اور اس کے بعد یہی آدمی جب جنگِ خیبر میں کئی مرتبہ کے حادثوں کے بعد۔ رسُولؐ فرماتے ہیں کہ بس اب سارا تماشہ ہو چکا۔ کل میں عَلم اس کو دوں گا کہ جو مردِ بے کرار ہے، غیر فرار ہے، اللہ اور رسولؐ اس کو دوست رکھتے ہیں، وہ اللہ اور رسُولؐ کو دوست رکھتا ہے اور وہ اس وقت تک واپس نہیں ہوگا، جب تک قلعہ خیبر فتح نہ ہو جائے۔ اب کل کے انتظار میں لوگوں کی بے کلی دیکھنے کے لائق تھی، تاریخ کو پڑھئے کوئی بڑی بات نہیں ہے، فطرتِ بشر ہے۔ بڑے بڑے جلیل القدر صحابۂ کرام ان کی عظمتیں مسلّم، ان کا بیان یہ ہے کہ جب وہ کل آئی تو ہماری بے کلی کا عالم یہ تھا کہ ہم چاہ رہے تھے کہ رسُولؐ ہم کو دیکھ لیں تو ہم اُونچے ہو ہو کر اپنے کو دکھا رہے تھے کہ ہم بھی یہاں موجود ہیں۔ ٹھیک ہے بھئی بہت اچھی بات ہے، ایک فضیلت حاصل کرنے کے لئے کون سی بڑی بات ہے بہت اچھی بات ہے۔ لیکن ایک مرتبہ رسُولؐ نے کہا علیؑ کہاں ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ ان کی تو آنکھیں دکھ رہی ہیں۔ کہا "بلاؤ ان کو" علیؑ چلے، اسی منزل پر ہے "نادِ علی" اُدھر سے حکم آیا تھا کہ علیؑ کو بلاؤ۔ علیؑ کو بلایا، آنکھیں اتنی آئی ہوئی تھیں کہ علیؑ کو دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ تو آج سلمانؓ فارسی، عصائے علیؑ بن کے چلے، سلمان کے کاندھے پہ ہاتھ رکھا ہوا آئے، کہا جاتا ہے تم کو، لیٹو، زانو پر لیٹے۔ رسُولؐ نے لعابِ دہن لگایا، آنکھوں سے بیماری رخصت ہوئی، علیؑ گھوڑے پر سوار ہوئے اور بس فوراً روانہ، لوگوں نے کہا کہ ہم بھی چل رہے ہیں کہا کہ میں تنہا چل رہا ہوں جب آپ کا وقت آئے گا تو انشاء اللہ آپ کو بلا لوں گا۔ میں چل رہا ہوں، جب چلے تو خیبر کے قریب پہنچے تو وہاں نگہبان نے پوچھا کہ کون؟

تو نام بتایا کہ علیؑ، تو اس نے کہا علیؑ، تو معاملہ خراب ہو گیا۔ اس نے پڑھا ٹک نہیں۔ مختصر یہ کہ مرحب علیؑ سے لڑنے کے لئے باہر نکلا۔ میں نے آج تک تاریخ میں، جہاد علیؑ کے کبھی کسی سپاہی کو اس شان سے آتے نہیں دیکھا ہے۔ آپ نے سماعت فرمایا ہوگا، اس کا عالم کیا تھا؟ اس نے خواب میں دیکھا تھا کہ مجھے کسی شیر نے پھاڑ کھایا ہے۔ ماں سے خواب بیان کیا، کہا دیکھو سب سے لڑنا، کسی ایسے سے نہ لڑنا کہ جس کا نام شیر ہو۔ اب جو یہ علیؑ کے مقابلے میں آیا اور اس نے رجز خوانی کی تو علیؑ نے۔ دیکھئے اب یہ خواب کی طرف اشارہ ہو رہا ہے۔ اُس سے کہا تھا کہ علیؑ ہوں اور مرحب سے کیا کہا "انا الذی سمتنی امی حیدرہ" میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام شیر رکھا ہے۔ حیدر کے معنی ہوتے ہیں شیر۔ بس شیر کا نام سننا تھا کہ بھیٹر بن کے چلا۔ یہ تو بھیا معاملہ بڑا خطرناک ہے۔ ایک جملہ عرض کروں آپ کے سامنے، روایتیں بتاتی ہیں کہ شیطان آ گیا، اس نے کہا کہاں جا رہے ہو، کہا ماں نے کہا تھا کہ شیر کے نام والے آدمی سے نہ لڑنا یہ شیر آ گیا۔ کہا ایک نام کے بہت سے ہوتے ہیں۔ ایک اشارہ کروں سمجھ لیں گے آپ، سمجھ لیں گے ضرور۔ شیطان کو کبھی ساتھی نہ بنائیے چاہے وہ کل کا شیطان ہو یا آج کا شیطان ہو۔ شیطان کی صفت یہ ہوتی ہے تماشہ دیکھنے کے لئے اپنے دوستوں کو بھی پٹوایا کرتا ہے۔ تو آپ تاریخ جہاد علیؑ میں نہیں بتا سکتے کہ کوئی آدمی اس طرح سے آیا ہو، اس طرح سے آیا کہ دو خود ایک لوہے کا اور ایک پتھر کا، غور کر رہے ہیں؟ دو زرہیں، تاریخ کو پڑھ لیجئے، دو تلواریں، دو سپریں، ہر چیز دو، دو خود، خود ایک اور گھوڑا ایک۔ باقی چیزیں دو دو۔ زرہیں دو، تلواریں دو، سپریں دو، خود دو۔ جب علیؑ کے سامنے آیا تو علیؑ نے انصاف سے کام لیا کہ جب ہر شئے دو ہے تو یہ کیوں ایک رہ جائے۔ اس کو بھی ایک وار میں مع گھوڑے کے دو کر دیا۔ میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ جس انسان میں یہ طاقت نہیں تھی کہ وہ جو کی روٹی ہاتھوں سے توڑے۔ دونوں ہاتھوں سے روٹی جو نہ توڑ پاتا تھا اس کے ایک ہاتھ میں یہ طاقت کہاں سے آ گئی کہ لوہے کو کاٹا، پتھر کو کاٹا، سر کو کاٹا، گردن کو کاٹا، زرہوں کو کاٹا، جسم کو کاٹا، گھوڑے کو کاٹا، زین پر آ کے خط دیا، کہاں سے یہ

طاقت آئی؟ ابھی نہیں کھلا' اس کے بعد جب یہ ختم ہوگیا تو علیؑ آگے بڑھے' خیبر کا دروازہ بند ہوگیا۔ علیؑ نے آگے بڑھ کر دروازے میں دو انگلیاں ڈالیں۔ انگلیاں کاہے کی تھیں؟ لوہے کی تھیں؟ اسٹیل کی، کاہے کی تھیں بھائی؟ گوشت و پوست کی' وہی انگلیاں جن سے روٹی نہیں ٹوٹ رہی تھی۔ مگر یہ انگلیاں درِ خیبر کے اندر در آئیں۔ جھٹکا دیا' دروازہ اکھڑا' جنگ فتح ہوگئی۔ اب وہی دروازہ لئے ہوئے علیؑ آگئے خندق کے پاس' جو قلعہ اور میدان کے بیچ میں تھی اور اسی دروازے کو پل بنا دیا۔ اس لئے کہ اب دوسرا کام شروع ہونے والا تھا علیؑ کا کام ختم ہوچکا تھا چنانچہ سپاہیوں کو ادھر سے ادھر، گویا کہ یہ کیا کہلاتی ہے شٹننگ۔ ادھر سے لیا اُدھر اُتار دیا اور کہا کہ جاؤ جو تمہارا کام ہے وہ کرو۔ اب جنگ فتح ہوگئی۔ دیکھئے ہم لوگ جب حج کرنے کے لئے جاتے ہیں تو مکہ مدینہ کے باہر جا نہیں سکتے۔ بڑی زیادتی کی بات ہے' شکوہ ہے تھوڑا سا مجھے، ۱۹۶۰ء میں جب میں حج کرنے کے لئے گیا تھا تو مسجد رد شمس موجود تھی یعنی وہ جگہ کہ جہاں مولا کے اشارے پر آفتاب طلوع ہوا تھا، مغرب سے، میں نے خود اس مسجد میں نماز پڑھی ہے۔ ۱۹۷۸ء میں گیا تو مسجد اس جرم میں کہ چونکہ علیؑ کے نام سے منسوب ہے لہٰذا غائب کردی گئی۔ سب نہیں ہیں ایسے' سب تھوڑی ہیں ایسے، لیکن ہر جگہ کچھ لوگ تنگ نظر ہوتے ہیں ——— اب ان کی تنگ نظری ملاحظہ فرمائیے کہ مسجد بھی اگر علیؑ کی یادگار میں ہے تو مسجد بھی برداشت کے لائق نہیں ہے۔ اب ہمارے لئے کیا مصیبت آتی ہے، ہمارے لئے یہ مصیبت آتی ہے جب بابری مسجد شہید ہوئی اور ہم نے واویلا مچایا تو انہوں نے کہا یہ کون سی نئی بات ہے وہاں بھی تو مسجدیں شہید کی گئیں ہیں، اب ہم کیا جواب دیں! اے بھائی آپ غور تو کیا کیجئے کہ دوسروں کی پوزیشن کتنی خراب ہوتی ہے تو ہم لوگ تو مکّہ مدینہ کے علاوہ کہیں جا نہیں سکتے، یہیں موجود ہیں کراچی میں، اور شاید کل یا پرسوں تشریف لائیں گے انشاء اللہ۔ مولانا سیّد محمد بنوری صاحب، میں ان کا احسان مند ہوں کہ ان کے دم قدم سے وہ جگہ کہ جہاں سے ماتم داروں کو نکلنے میں دشواریاں ہوا کرتی تھیں'

اب انتہائی سکون کے ساتھ جلوس عزا گزرتے ہیں۔ خدا ان کو جزائے خیر دے اور خدا سارے علماء کو یہ توفیق مرحمت فرمائے کہ وہ مسلمانوں کو یوں ہی ملا کر لے چلیں۔ انہوں نے خود مجھ سے بیان کیا کہ میں خصوصی اجازت لے کر خیبر کا قلعہ دیکھنے کے لئے گیا، غور کیجئے گا۔ اچھا مولانا بھی میرے ایسے نہیں ہیں آپ نے دیکھا ہو گا ان کو، وہ ماشاء اللہ جیسا ہونا چاہیے علماء کو ویسے ہیں تو اب وہ فرمانے لگے کہ میں خیبر کا قلعہ دیکھنے کے لئے گیا بہت مشہور تھا، کہنے لگے میں نے اس دروازے کو دیکھا، کہنے لگے بھائی دروازہ تو آج تک موجود ہے، میرے ساتھ ۷۔۸۔۹ آدمی تھے میں نے اس کو ہلانا بھی چاہا تو نہیں ہل پایا۔ وہ دروازہ آج بھی موجود ہے جس کو آٹھ نو آدمی ہلا نہ سکے، اس کو علیؑ نے دو انگلیوں سے کیسے اکھاڑ لیا۔ ایک لمحۂ فکریہ ہے آپ کے لئے، تو ہم انھیں بتا سکتے تھے، لوگوں نے خود ان سے پوچھا کہ یہ اتنا بڑا پہاڑ یہ کیسے آپ نے اکھاڑ دیا تو فرمایا کہ میرے جسم میں اتنی طاقت کہاں، میرے جسم کی طاقت تو صرف اتنی ہے کہ میں روٹی بھی نہیں توڑ پاتا ہوں یہ قلعہ خیبر کا دروازہ جو میں نے اکھاڑا ہے، بازو میرے تھے طاقت اللہ کی کام کر رہی تھی۔ تو بھائی اگر کرین کی ایک کڑی بتا رہی ہے کوئی پاور ہے جو کام کر رہی ہے تو علیؑ کے ہاتھ سے در خیبر کا اکھڑنا بھی بتاتا ہے کہ کوئی طاقت تھی جو کام کر رہی تھی۔ صلواۃ بر محمدؐ و آل محمدؐ۔

بس برادران عزیز محترم کی چھ تاریخ ہے اگر آپ اجازت دیں تو مولا علیؑ سے میں سوال کروں۔ مولا علیؑ آپ کربلا کے میدان میں آیئے۔ اے باب خیبر کو دو انگلیوں سے اکھاڑنے والے مولا! کربلا کے میدان میں آیئے۔ اور آپ تو بڑے منصف ہیں، آپ تو بڑے عادل ہیں آپ ہی کے بارے میں تو یہ جملہ مشہور رہے کہ لوگوں سے ان کا انصاف برداشت نہ ہو سکا اس لئے انکو قتل کر دیا گیا۔ ظلم کی وجہ سے نہیں قتل کئے گئے، عدل کی وجہ سے قتل کئے گئے۔ نا انصاف دُنیا نہیں برداشت کر سکی ان کو۔ تو مولا آپ انصاف مجسم ہیں۔ آیئے کربلا کے میدان میں آپ بتایئے کہ در خیبر کا اکھاڑنا آسان ہے یا علی اکبرؑ کے سینے سے برچھی کا پھل نکالنا۔ آج مجھے علی اکبرؑ کی شہادت تھوڑی پیش کرنا ہے ابھی تو بات آگے بڑھ رہی ہے اور مولا ذرا انصاف سے

بتائیے کہ درِ خیبر اور علی اکبرؑ کے کلیجے میں کیا زاید مشکل ہے ، تو آپ یہی کہیں گے بھئی یہ جو کام میرا بیٹا کر رہا ہے یہ زیادہ مشکل ہے۔ میں کہوں گا مولا میں اب اس کے بعد آپ سے دوسرا سوال کرتا ہوں کہ اٹھارہ برس کے جوان کے سینے سے برچھی کا پھل کھینچنا زیادہ مشکل ہے یا چھ مہینے کے معصوم بچے کے گلے سے تیر کا کھینچنا؟ میرے عزیزو! میں کس زبان سے شکریہ ادا کروں ان لوگوں کا کہ جو روڈ پر، مجھے نہیں معلوم کہ کہاں تک لوگ بیٹھے ہوئے ہیں کہاں تک لوگ کھڑے ہوئے ہیں، کون لوگ گاڑیوں میں بیٹھے ہیں لوگ سڑکوں پر بیٹھے ہوئے ہیں مجھے تو جو سامنے ہیں وہی دکھائی دے رہے ہیں لیکن ادھر پہلو میں بیبیاں بھی ہوں گی، گاڑیوں پر بیبیاں بیٹھی ہوں گی، ہوسکتا ہے بہت سی ہماری بہنیں ایسی ہوں کہ جو اپنے معصوم بچوں کو گود میں لے کر آئی ہوں تو میں ان سے کہتا ہوں کہ ذرا اپنے معصوم بچوں کو سینے سے لگا لیجئے تو میں کچھ کہوں۔ اتنا بتاؤ میری بہنو! بہت سی بچیاں ہوں گی، میری بیٹیوں کہ تم اگر بھوکی اور پیاسی ہو تو اس کا برداشت کرنا مشکل ہے یا بچہ اگر پیاسا ہو۔ ماں تڑپ جاتی ہے، ماں کی ماتما مشہور ہے، ماں بچے کی جان بچانے کے لئے اپنی جان بچانے کے لئے اپنی جان کو خطرے میں ڈال دیتی ہے۔ یہ واقعات ہیں۔ اب کربلا کے میدان میں سب ختم ہو گئے، حسینؑ نے آوازِ استغاثہ بلند کی ہے کوئی ہماری مدد کرنے والا جو آ کر ہماری مدد کرے شہداء کی لاشیں تڑپیں، کٹی ہوئی گردنوں سے آواز آئیں، لبیک لبیک، اور خیمے سے رونے کا شور بلند ہوا تو حسین خیمہ کے در پر آئے کہا میں نے کہا تھا کہ میری زندگی میں نہ رونا، کیوں روئے تم لوگ؟ کہا مولا آپ کی آوازِ استغاثہ سن کر ہم تو اپنے کو روکے ہوئے تھے صبر کر رہے تھے مگر آپ بتلایئے ہم کیا کریں، کیسے صبر کریں، یہ تین دن کا پیاسہ معصوم بچہ اس نے اپنے کو گہوارے سے گرا دیا آپ کی آواز سُن کر حسینؑ سمجھ گئے کہا لاؤ میرے بچے کو میری گود میں دے دو بچے کو لیا، ماں خیمے کے دروازے پر کھڑی ہوئی تھی، حسینؑ گزرے تو رباب نے دامن پکڑا کہا وارث، بچے کو کہاں لے کر جا رہے ہیں؟ اس لئے کہ صبح سے لے کر اب تک کی تاریخ یہ ہے کہ جو اس خیمے سے باہر نکلا وہ پلٹ کر نہیں آیا تو امام نے کہا کہ رباب! ابھی وہ اس لئے پلٹ کر نہیں آئے کہ

وہ لڑنے کے لیئے گئے تھے، اس بچے کو تو میں لے کر جا رہا ہوں کوئی پانی پلا دے۔ تمھارا بچہ لڑنے کے لیئے تھوڑی جا رہا ہے۔ حسینؑ بچے کو لیئے ہوئے خیمے کے باہر نکلے، دھوپ بہت تیز تھی، بچہ بڑا پیارا تھا، حسینؑ علی اصغرؑ سے کتنی محبت کرتے تھے اس کا اندازہ آپ یوں کریں کہ جب لے کر چلے تو ـــــــ عبا کے دامن سے ڈھانک لیا کہ سورج کی گرمیں بچے کو پریشان نہ کریں، ہائے جو سورج کی کرن برداشت نہ کرتا تھا اپنے بچے کے لیئے، جب اس نے تیر سہ شعبہ گردن کے پار دیکھا ہوگا۔ بس عزاداران حسینؑ! سنا کرتے ہیں آپ ہر سال میں نئی روایت تو پیش ہی نہیں کر سکتا مگر آخری ٹکڑا میں وہ پڑھوں گا جو علامہ رشید ترابی کی زبان سے میں نے سنا اور علامہ رشید ترابی کے بارے میں یہ یقین رکھتا ہوں کہ وہ شخص اتنا صاحب مطالعہ تھا کہ کبھی کوئی بے بنیاد بات معاذ اللہ اس کی زبان پر آ ہی نہیں سکتی تھی۔ ناممکن۔ اتنا صاحب مطالعہ تھا وہ شخص۔ تو لے کر ایک بلندی پر آئے اور آنے کے بعد کہا کہ بھئی دیکھو میں نے خطا کی ہے میں نے قصور کیا ہے اس بچے نے کیا خطا کی ہے اسے تھوڑا سا پانی پلا دو، اس کی ماں کا دودھ بھی خشک ہو چکا ہے، یہ بچہ پیاس سے مرا جا رہا ہے، ہاتھ پاؤں اینٹھ چکے ہیں، چہرہ سوکھ چکا ہے، زرد ہو چکا ہے، کسی نے کوئی جواب نہ دیا تو حسینؑ نے کہا کہ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاید تم یہ سوچ رہے ہو کہ تم پانی لے کر آؤ گے تو میں تمھارے ہاتھ سے پانی لے کر پی لوں گا۔ اچھا لو تو میں یہ بات بھی ختم کیئے دیتا ہوں، غور کیجئے گا ذرا۔ وہ معصوم کومل بچہ، پیارا پیارا بچہ، نازک نازک بچہ، تین دن کا بھوکا پیاسا بچہ، ہائے میرے مولا کی مظلومی، جلتی ہوئی زمین پر اس بچے کو ڈال دیا۔ خود پیچھے ہٹ گئے۔ آؤ آ کر پانی پلا دو اب تو میں دور ہٹ گیا، اب تو نہیں چھین لوں گا میں پانی، حمید ابن مسلم کہتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ جب حسینؑ اس بچے کو جلتی ہوئی ریت پر لٹا کر پیچھے ہٹے تو جیسے مچھلی پھڑکتی ہے پانی سے نکل کر، یوں بچہ اس جلتی ہوئی ریت پر کروٹیں بدلنے لگا، تڑپنے لگا۔ نہیں ترس آیا کسی کو، حسینؑ آگے بڑھے، بچے کو پھر گود میں اٹھا لیا۔ لشکر پسر سعد کے سامنے آئے، ہاتھوں پر بلند کیا کہا کہ بیٹا اب تم بتاؤ۔ میں نے جو کہہ سکتا تھا وہ کہہ دیا، جو کر سکتا تھا وہ کر دیا۔ بیٹا ان کو یقین نہیں آتا کہ تم کتنے پیاسے ہو اگر ہو سکے تم ہی بتا دو

تمھاری پیاس کتنی ہے۔ اب یہ بے زبان کیسے بتائے مگر حکم امام کا اثر یہ تھا کہ مرجھائے ہوئے پھول نے آہستہ آہستہ گردن لشکر پسر سعد کی طرف موڑی اور ننھی سی زبان سوکھے ہوئے ہونٹوں پر پھرانا شروع کی بس عزادارو یہ منظر وہ تھا کہ جس کو دیکھ کر وہ شقی کلیجے پکڑ پکڑ کے بیٹھ گئے اور کہا کہ واقعی حسینؑ سچ تو کہتے ہیں۔ پسر سعدؔ نے جب لشکر کی یہ بدلتی ہوئی حالت دیکھی ایک مرتبہ پسر سعدؔ نے کہا کہ حرملہ حسینؑ کے کلام کو قطع کر دے، حرملہ آگے بڑھا، تین بھال کا تیر بے شیر کی گردن پر اس وقت پڑا کہ جب حسینؑ انتہائی محبت کے ساتھ اپنے بچے کا بدلتا ہوا رنگ دیکھ رہے تھے، تیر پڑا بچہ امامؑ کے ہاتھوں پر منقلب ہو گیا، امامؑ نے کہا کہ پالنے والے یہ مصیبت بھی آسان ہے اس لئے کہ جو کچھ بھی ہو رہا ہے سب تیری نظروں کے سامنے ہو رہا ہے۔ گلے سے تیر کھینچا۔ ارے وہ تین دن کا پیاسا بچہ چھ مہینے کا اس میں خون ہی کتنا ہو گا بس اتنا خون تھا کہ چلو بھر گیا حسینؑ نے وہ خون اپنے چہرے پر ملا، بچے کی لاش کو عبا سے ڈھانکا میں کہتا ہوں میرے مولا جب بچے کو آپ لا رہے تھے تو بچہ زندہ تھا۔ بات سمجھ میں آ رہی تھی دھوپ سے بچانے کے لئے آپ عبا کے سائے میں لے کر آ رہے ہیں۔ اب بچہ شہید ہو چکا اب اسے عبا سے ڈھانکے۔ میں اصلی وجہ نہیں بتا سکتا مگر میرا دل کہتا ہے کہ شائد میرا مولا کہے کہ یہ قربانی اتنی مظلومانہ تھی کہ مجھے اندیشہ محسوس ہوا کہ آسمان کے نیچے علی اصغر کی لاش اگر ہو تو رحمت الٰہی بھی غضب میں بدل جائے گی۔ شاید اس لئے بچے کو چھپا کر لے کر چلے اور خیمے کے در پر آئے آنے کے بعد آواز دی رباب کو، ماں آئی، ذہین ماں تھی ایک مرتبہ امام کے چہرے پر خون دیکھ کر سمجھ گئیں کہ کیا ہوا حسینؑ نے اتنا کہا کہ رباب تم کون ہو؟ کہا حضور آپ کی کنیز رباب، کہا میں کون ہوں؟ کہا، میرے وارث، کہا اور کیا ہوں، کہا، حجت خدا، اور کیا ہوں؟ امام وقت۔ تو کہا مجھے امام وقت مانتی ہو؟ کہا ہاں مانتی ہوں۔ کہا کہ امام وقت کی اطاعت کرنا؟ کہا لازم ہے جب یہ سب اقرار لے چکے تو اب عبا کا دامن ہٹایا۔ رباب نے بچے کی لاش دیکھی۔ کہا رباب، یہ لاش اپنی گود میں لے لو۔ ماں نے اپنے چھ مہینے کے

پیارے بچے کی لاش جو خون سے تر تھی اپنی گود میں لی۔ حسینؑ نے کہا رباب میرے پیچھے پیچھے آؤ۔ آگے آگے حسینؑ اور پیچھے پیچھے ربابؑ خیمے کے پیچھے تشریف لائے۔ ایک جنازہ جا رہا ہے دفن ہونے کے لئے۔ عزادارو! آپ نے بہت سے جنازے دیکھے ہوں گے۔ آپ مجھے بتا سکتے ہیں کوئی جنازہ اس شان سے دیکھا ہو کہ جہاں ماں جنازے کو اٹھائے ہوئے ہو اور باپ قبر کھودنے کے لئے جا رہا ہوں۔ آگے آگے باپ، پیچھے پیچھے ماں اپنے بچے کی لاش کو سینے سے لگائے ہوئے۔ حسینؑ خیمہ کی پشت پر تشریف لائے اور آنے کے بعد تلوار سے ایک گڑھا بصورت قبر کھودا۔ رسولؐ سے بڑھ کر صابر کون ہو سکتا ہے لیکن جب رسولؐ کے کمسن صاحبزادے جناب ابراہیم کا انتقال ہوا، رسولؐ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے لیکن جنازے کے ساتھ ساتھ تھے بچے کی لاش کو گود میں لئے ہوئے تھے۔ لیکن میں نے روایت میں دیکھا ہے کہ جب قبر میں اُتارنے کی منزل آئی تو رسولؐ کے ایسے صابر نے کہا کہ یا علیؑ آگے بڑھو بچے کو میری گود سے لے لو' میں اس بچے کو قبر میں نہیں اُتار پاؤں گا تم قبر میں اُتارنا۔ میں کہتا ہوں خدا کے رسول ذرا کربلا کے میدان میں آئیے، آپ اپنے بچے کو قبر میں نہیں اُتار سکتے تھے۔ حسینؑ کس کو بلائیں، قبر کھدی حسینؑ نے علیؑ اصغر کو سپرد لحد کیا۔ دستور یہ ہے کہ پتے درمیان میں رکھے جاتے ہیں لیکن یہ وہاں ہوتا ہے جہاں امکان ہو' پتے کربلا کے میدان میں کہاں موجود تھے۔ روایت بتاتی ہے کہ حسینؑ نے جلتی ہوئی مٹی اپنے بچے کے جسم کے اوپر ڈالی۔ قبر کی صورت بنائی۔ پھر قبر پر رخسار رکھنے کے بعد حسینؑ نے رونا شروع کیا۔ عزادارو! میں نے روایت میں تو نہیں دیکھا لیکن جو بہت سی باتیں روایت میں نہیں ہیں وہ حالات بتاتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اب ربابؑ نے کہا ہوگا کہ مولا خیمے کے در پر آپ نے مجھ سے پوچھا تھا کہ میں کون ہوں؟ تو میں نے کہا تھا کہ آپ امام وقت ہیں۔ اب میں آپ سے پوچھتی ہوں کہ مولا بتائیے کہ میں کون ہوں۔ میں تو اس بچے کی ماں ہوں۔ میں علی اصغر کا دفن ہونا تو دیکھ سکتی ہوں، مولا آپ کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتی قبر سے اٹھ جائیے میں اس بچے پر صبر کر لوں گی۔

——— تمام شد ———

ساتویں مجلس

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّهٖ وَلَوۡ کَرِهَ الۡمُشۡرِکُوۡنَ۔

وہ اللہ، وہ ہے کہ جس نے اپنے رسولؐ کو ہدایت کے ساتھ اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے اس لئے کہ دین حق کو ایک روز سارے ادیان باطلہ پر وہ غالب کر دے گا، چاہے یہ بات کتنی ہی شرک کے پرستاروں کو ناگوار کیوں نہ گزرے۔

لوگوں کو دھوکا دینے کے لئے وہ لوگ کہ جو خدا کو نہیں مانتے یہ بات کہتے ہیں کہ جتنا جتنا سائنس آگے بڑھتی جا رہی ہے اتنا اتنا خدا کا تصور سمٹتا جا رہا ہے اور محدود ہوتا جا رہا ہے۔ یہ بات بالکل بے بنیاد ہے۔ جس وقت سے انسان کی تاریخ ہمیں ملتی ہے اس وقت سے تین نظریات ساتھ ساتھ سفر کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ الحاد کا نظریہ، شرک کا نظریہ اور توحید کا نظریہ۔ کچھ لوگ وہ کہ جو اس بات کے قائل ہوئے کہ کوئی اس دنیا کا پیدا کرنے والا نہیں ہے، یہ بھی ہمیشہ سے پائے جاتے ہیں۔ کچھ لوگ وہ کہ جنھوں نے مورتی پوجا شروع کر دی، بتوں کی پرستش شروع کر دی، یہ بھی فرقہ اور گروہ ہمیشہ سے پایا جاتا ہے اور کچھ وہ لوگ کہ جو اللہ کو ایک مانتے ہیں اور اس کی وحدانیت مطلق کے قائل ہیں، یہ گروہ بھی ہمیشہ سے پایا جاتا ہے اور آج بھی یہ تینوں گروہ ایک طرح سے پائے جاتے ہیں، ہر طبقہ اور ہر کلاس میں یہ تینوں گروہ ایک طرح سے پائے جاتے ہیں۔ اصل میں قصہ یہ ہے کہ شرک اور الحاد یعنی غیر خدا کی پرستش اور خدا کا انکار یہ دونوں چیزیں پیدا ہوتی ہیں انسان کی مرعوبیت سے۔ یہ دونوں چیزیں پیدا ہوتی ہیں انسان کی دہشت سے، جس

انسان دُنیا کی انفرادی چیزوں سے ڈرتا ہے تو شرک پیدا ہوتا ہے اور جب پوری کائنات پر نظر ڈالنے کے بعد اس کے دل میں ایک دہشت پیدا ہوتی ہے، ایک رعب پیدا ہوتا ہے اور کائنات اپنی اس عظیم کے ساتھ اس انسان کے سامنے آتی ہے کہ جو ناقابل بیان و ناقابل تصوّر ہے تو اس سے جو رعب پیدا ہوتا ہے اس سے انسان انکارِ خالق کرتا ہے۔ جو چھوٹے ذہن رکھنے والے لوگ ہیں جیسے ہمارے یہاں ہندوستان جیسے سانپ سے ڈرے اور انہوں نے کہا ناگ دیوتا ہیں۔ پہاڑ دکھائی دیا اور ہیبت طاری ہوئی انہوں نے کہا پہاڑ خدا ہے، سورج چمکا انہوں نے کہا خدا، چاند دمکا، انہوں نے کہا کہ خدا، غور کیا آپ نے۔ سمندر میں موجیں ابھریں اور انہوں نے کہا کہ سمندر خدا ہے۔ تو جو الگ الگ چیزوں سے مرعوب ہوئے، جس جس چیز سے وہ مرعوب ہوتے چلے گئے اس کو وہ خدا مانتے چلے گئے۔ کچھ لوگ وہ تھے جنھوں نے اس کائنات کو دیکھا اور ان کو اس کائنات کا سرا نہیں دکھائی دیا۔ نہ زمان کے اعتبار سے نہ مکان کے اعتبار سے تو جب ان کو یہ نہیں پتہ چلا کہ یہ کب سے ہے اور ان کو یہ نہیں پتہ چلا کہ یہ کائنات کہاں سے ہے اور کہاں تک ہے تو ان کے ذہن پر جو رعب پڑا اس کی بنا پر یہ تصوّر ابھرا کہ اس کائنات کا پیدا کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ لیکن جو ان دونوں دہشتوں کو توڑ کر آگے نکل گیا اس کو کائنات کے پیچھے خدائے واحد قہار کا چہرہ دکھائی دیا۔ دیکھئے سوالات ماشاءاللہ اتنے ہوتے ہیں کہ مجھے تھیلے لانے پڑیں گے اپنے ساتھ اور ہر سوال کا جواب میں دے بھی نہیں سکتا۔ میں کہہ چکا ہوں کہ آپ جو سوال کریں ہر سوال کے ساتھ نام و پتہ ضرور لکھ دیں تاکہ مجلس میں اگر جواب نہ دے سکوں تو بعد میں آپ کو مطلع کر دوں۔

تو میرے عزیزو! قرآن مجید کو آپ پڑھیں تو قرآن مجید کو آپ پڑھیں تو قرآن مجید اپنے دَور کی بات نہیں کرتا بلکہ گزشتہ انبیاء کے دَور کی بات کرتا ہے، ہزاروں برس پہلے کی کہ فلاں پیغمبر نے جب کہا کہ اللہ کو مانو، تو انہوں نے جواب دیا، کیسا خدا، کیسا اللہ، یہی ہماری دنیا کی زندگانی ہے اسی میں ہم پیدا ہوئے اسی میں ہم مر جائیں گے نہ ہمارا کوئی پیدا کرنے والا ہے نہ

ہمارا کوئی بنانے والا ہے تو یہ نظریہ کوئی اڈوانس نظریہ نہیں ہے۔ بہت دقیانوسی، دیمک لگی ہوئی ایک تخیل ہے کہ اللہ نہیں ہے اور شرک تو معلوم ہی ہے آپ کو اس کا میں ریفرنس دینا نہیں چاہتا کہ پیغمبروں کی زیادہ تر جنگ شرک سے ہوئی ہے الحاد سے کم ہوئی ہے اور ہر دور میں توحید کا پیغام پیغمبروں کے ذریعہ سے پہنچتا رہا تو یہ بات کہنا کہ سائنس کے پھیلنے سے خدا پیچھے ہٹ رہا ہے اور شرک والحاد آگے بڑھ رہا ہے یہ بالکل غلط ہے۔ آج کے دور میں بھی۔ بعد میں آپکے سامنے پیش کروں گا پہلے یہ بات کلیر ہو جائے کہ خدا کا انکار سائنس کی بنا پر نہیں ہے بلکہ خدا کا انکار بھی جب سے انسان ہے اس وقت سے چلا آرہا ہے، شرک بھی اسی وقت سے چلا آرہا ہے اور توحید بھی اسی وقت سے ساتھ ساتھ چلی آرہی ہے۔ حضرات میں اب ذرا سی نازک بات کہنا چاہتا ہوں، لیکن نازک بات نہیں کہوں گا تو بات کیسے صاف ہوگی۔ کچھ لوگ تو خدا کا انکار کرتے ہیں، بھئی ٹھیک ہے ان کو خدا سمجھ میں نہیں آتا مگر کچھ لوگ خدا کا انکار اس لئے بھی کرتے ہیں کہ خدا کے ماننے والے ان کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ خدا کا انکار کریں، خدا کے ماننے والوں نے خدا کا حلیہ ایسا بگاڑا ہے بھائی کہ کوئی صاحب عقل و دانش اس خدا کو تو ماننے پر تیار نہیں ہوتا، میں خود ہی تیار نہیں تو دوسروں کو کیا کہوں، رسل نے کیوں خدا کا انکار کیا؟ اس لئے کہ اس کو اس کی بوڑھی ماں نے یہ بتایا کہ خدا کی دو آنکھیں ہیں اور ایک آنکھ سے دوسری آنکھ کا فاصلہ چھ ہزار میل کا ہے، اس خدا کو کون ماننے گا بھائی؟ میں خود ہی نہیں مانوں گا۔ مسلمان بھی بحمد اللہ پیچھے نہیں رہے اس میں، نہ شیعہ نہ سنی، انہوں نے بھی حلیہ بگاڑا۔ انہوں نے یہ حلیہ بگاڑا کہ جب قیامت ہو چکے گی اور جہنم میں ڈالے جانے والے جہنم میں ڈالے جائیں گے اور جہنم کہے گا اور لاؤ، اور لاؤ اور لاؤ تو اس وقت اللہ اپنا پاؤں جہنم میں ڈالے گا کہ اب تو کمبخت تیرا پیٹ بھرا۔ تو کہے گا الحمد للہ، اب میرا پیٹ بھر گیا تو ایسے خدا کو کون مانے گا کہ جس کی ٹانگ جہنم کے اندر ہو۔ ایک روایت اور ملتی ہے کہ ہر شب جمعہ، یعنی آج بھی، یہ سانحہ ہوا ہوگا کہ اللہ عرش اعظم سے پہلے آسمان تک اتر کر آتا ہے۔ آیئے اتر کے بہت اچھی بات ہے "موسٹ ویلکم"! اب اس کے

بعد کیا کہوں کہ وہ آتا کاہے پر ہے؟ گدھے پر بیٹھ کر۔ کوئی جانور ہی نہیں ملا دوسرا بیٹھنے کو سوائے گدھے کے۔ لیجئے صاحب بتائیے جو خدا گدھے پر بیٹھ کر آتا ہو، ہمارے یہاں دولھا بھی اگر گدھا بنایا جاتا ہے تو وہ بھی بے چارہ گھوڑے پر بٹھا کر نکالا جاتا ہے اور وہاں بجائے اللہ میاں گدھے پر بیٹھ کر تشریف لا رہے ہیں۔ اب ایسے خدا کو کون مانے گا؟ بھیّا میں تو نہیں مانوں گا۔ شیعوں نے بھی کچھ کم حرکتیں نہیں کیں۔ آیت اللہ مطہری نے اپنی کتاب میں لکھا ہے۔ اب دیکھئے ایرانیوں کو دو ہی شوق ہوتے ہیں، ایک حج کرنے کا ایک قرآن کو بہتر سے بہتر پڑھنے کا اور اس کو یاد کرنے کا۔ تو آیت اللہ مطہری نے لکھا ہے کہ ایک حاجی صاحب تشریف لے گئے اور جب وہ پلٹ کر آئے تو لوگوں نے ان سے پوچھا۔ کہا حج بحمد اللہ تو بہت اچھا ہوا بس ایک بات کا داغ دل پر رہ گیا اور وہ بہت کسر رہ گئی، پوچھا کیا؟ کہا کہ رسول کریم کے روضۂ انور کی زیارت ہو گئی، صحابہ کرام کے روضوں کی زیارت ہو گئی، اہلِ بیتؑ اطہار کی قبروں کی زیارت ہو گئی یہ ساری قبریں اور مزار میں نے دیکھ لئے لیکن حق سبحانہٗ تعالیٰ کی قبر کی زیارت مجھے نہیں ہو سکی۔ لیجئے یہ شیعہ ہیں بھائی۔ آیت اللہ مطہری نے لکھی ہے یہ بات غلط تھوڑی لکھیں گے۔ تو دیکھئے یہی میں عرض کرتا ہوں آپ کے سامنے کہ سب سے پہلے جہالت کو مٹائیے، جہالت وہ دیمک ہے کہ جس لکڑی میں لگی، اس لکڑی کو اس نے کھوکھلا کر کے ختم کر کے ختم کر دیا۔ تو اب ایسے خدا کو کون مانے گا بھائی؟ آپ مانیں گے ایسے خدا کو؟ میں مانوں گا ایسے خدا کو؟ اور ایسے ہی خدا کے نہ ماننے والوں کے بارے میں بعض بے شعور افراد نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ وہ خدا ہی کو نہیں مانتے۔ یہ نہیں کہا کہ وہ ہمارے ڈھالے ہوئے خدا کو نہیں مانتے۔ اسی زد میں بچارے آ گئے جوش۔ ان کے لئے بھی مشہور ہو گیا کہ وہ خدا کو نہیں مانتے۔ میں کوئی جوشؔ کی تائید کر رہا ہوں؟ مگر جو حق بات ہے وہ کہوں گا آپ کے سامنے۔ اس نے بڑی جسارتیں بھی کی ہیں، گنہگار تھا انسان، عیاش تھا انسان، شراب خوار تھا انسان، ساری باتیں تھیں مگر جو تھا بس اتنا ہی

کہیے اس کے آگے مت کہیے۔ جو خدا کا انکار کرنے والا ہو وہ یہ بند کہہ سکتا ہے کہ "ہاں"۔۔۔ ارے اس بند کی تشریح کے لئے کتابیں درکار ہیں بھائی، میں اس ایک مجلس میں کیا کہوں آپ کے سامنے۔ بڑے بڑے علماء نے جو باتیں تفصیل کے ساتھ بڑی بڑی کتابوں میں لکھی ہیں اس ساری تفصیل کو جوش نے سمیٹ کر ایک مصرع بنا دیا۔ کہتا ہے کہ:

ہاں وہ حسینؑ، جس کا ابد آشنا ثبات کہتا ہے گاہ گاہ حکیموں سے بھی یہ بات
یعنی درونِ پردۂ صد رنگ کائنات

اب اس کے بعد جو مصرع ہے اس کی تشریح کے لئے کتابیں درکار ہیں، علم کلام کی بحثوں کو آپ پڑھئے۔ یہی شاعر کا کمال ہے۔ جب علم کلام میں صفات خدا کے متعلق ساری بحثوں کو آپ پڑھیں گے تو علماء و اسکالرس نے یہ لکھا ہے کہ جتنی اللہ کی صفات ثبوتیہ ہیں، آٹھ تھوڑی ہیں بہت ہیں، جتنے اسمائے حسنہ ہیں وہ سب صفات ثبوتیہ ہیں۔ کہا کہ وہ سب سمٹ کر جاتے ہیں دو صفتوں میں ایک علم اور ایک قدرت۔ جتنی بھی صفات ہیں وہ سمٹ کر آجاتے ہیں دو صفتوں میں۔ یاد رکھئے گا یہ علم کلام کی پوری بحثوں کا خلاصہ ہے ایک علم اور ایک قدرت سینکڑوں صفحے پڑھئے تو اس نتیجے تک پہنچیے گا کہ ساری صفتیں سمٹ کر آجاتی ہیں دو صفتوں میں ایک علم اور ایک قدرت۔ اب قدر کیجئے، کیا کہتا ہے کہ:

ہاں وہ حسینؑ جس کا ابد آشنا ثبات کہتا ہے گاہ گاہ حکیموں سے بھی یہ بات
یعنی درونِ پردۂ صد رنگ کائنات اک باشعور ذہن ہے اک کارساز ذات
سجدہ سے کھینچتا ہے جو مسجود کی طرف
تنہا جو اک اشارہ ہے معبود کی طرف

شاعروں کو بُرا بھلا زیادہ نہ کہا کیجئے۔ شاعروں کو تھوڑا بہت کریڈٹ ملا ہے۔ واقعہ عرض کر دوں آپ کے سامنے، صدر اول میں ایک شاعر شراب کے نشے میں پکڑا گیا۔ مولا علیؑ بھی تشریف فرما تھے ان کا دَور تھا، زمانہ تھا، قاضی کے پاس لایا گیا، قاضی نے کہا مارو اس کو کوڑے۔ چنانچہ کوڑے

پڑنا شروع ہوگئے۔ ٹھرکس نکل گیا۔ بچارے کا اتنے کوڑے پڑے، مگر تھا پکّا، اب جب کوڑے اتنے پڑ چکے جتنے پڑنا چاہیے اور وہ بے حال ہوگیا، بے سُدھ ہوگیا تو قاضی نے کہا پھر پیئے گا؟ کہا پھر پیوں گا۔ کہا، اچھا تو اتنے ہی کوڑے اور مارو۔ اس لئے کہ دوبارہ جرم کرنے کا اقرار کررہا ہے۔ اب مولا علیؑ آگئے۔ کہا بس، اِسٹاپ، اب نہیں مار سکتے۔ کہا ارے ابوالحسن یہ تو خود کہہ رہا ہے کہ میں شراب پیوں گا۔ کہا ہاں یہ کہہ رہا ہے میں شراب پیوں گا۔ دیکھئے کیا ذہن تھا علیؑ کا خدا کی قسم واللہ کون پہنچ سکتا ہے خدا کی قسم کون پہنچ سکتا، کہا، یہ تو میں بھی سُن رہا ہوں کہ یہ کہہ رہا ہے کہ میں شراب پیوں گا۔ اب میں اپنے جملوں میں عرض کررہا ہوں، مگر یہ کہہ رہا ہے کہ شراب پیوں گا مگر قرآن کہہ رہا ہے کہ یہ شراب نہیں پئے گا۔ ایں یہ کیسا بات ہے!! یہ کیسی بات آپ کہہ رہے ہیں کہ یہ کہہ رہا ہے کہ میں شراب پیوں گا اور قرآن کہہ رہا ہے کہ یہ شراب نہیں پئے گا۔ کہا، ہاں اس لئے کہ اللہ نے شعراء کا ذکر کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ یہ ہمیشہ وہ بات کہتے ہیں کہ جس کو یہ کرنے والے نہیں ہوتے۔ یہ جو کہتے ہیں کرتے نہیں۔ تو یہ کبھی پیئے گا نہیں۔ تو شاعروں کو زیادہ مت چھیڑا کیجئے خاص کر جو شاعر بارگاہ اہلِ بیتؑ ہیں۔ ان کے ناز و نخرے اہلِ بیتؑ نے اُٹھائے ہیں تو ہم کیسے نہیں اُٹھائیں گے۔

بس برادران عزیز مسئلوں کو خراب کرنے والے ہمارے جاہل لوگ بھی ہیں کہ جو اللہ کے بارے میں نہ معلوم کیا کیا، کیا تصوّر رکھتے ہیں، کیا کروں وقت ہی نہیں ہے، حضرت محمد بن حنفیہ نے اپنے والد گرامی سے سوال کیا کہ یہ جو قرآن مجید میں ایک لفظ آیا ہے "اللہ الصمد" تو صمد کے معنی کیا ہیں؟ اب مولا نے جو تشریح کی وہ کہاں تک آپ کے سامنے پیش کروں، فرمایا کہ صمد کے معنی یہ ہیں کہ نہ وہ کسی کا ایسا ہے نہ اس کا ایسا کوئی ہے، نہ وہ اوپر ہے، نہ وہ نیچے ہے، نہ وہ اوّل ہے نہ وہ آخر ہے، نہ وہ ظاہر ہے نہ وہ باطن ہے اور اس کے بعد ایک جملہ کہا ہے کہ نہ وہ جسم ہے نہ وہ اسم ہے۔ اسم بھی نہیں، یعنی نام بھی نہیں۔ ہائیں؟ نام نہیں ہے ــــــــ؟ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ قرآن کہہ رہا ہے کہ اللہ کے نام سے اور جو قرآن میں جو آئتیں ہیں اس کا

اسم نہیں ہے۔ تو مولانے کیا غلط کہا ہے، اسم جو اللہ کا ہے یہ لفظ ہے کہ نہیں ہے ہے نا لفظ؟ تو لفظ تو مخلوق ہے، جب زبان بنی ہے تو لفظیں ڈھلی ہیں، یا الفاظ ڈھلے ہیں، تو خالق تو ہمیشہ سے ہے الفاظ بعد میں پیدا ہوئے۔ تو یہ تو آپ کی آسانی کے لئے اس نے اپنے صفات کے نام قرار دے دیئے ورنہ حقیقتاً اس کا کوئی نام ہی نہیں ہے۔

تو عزیزو۔ میں گفتگو کر رہا تھا کہ یہ نظریہ اللہ کے نہ ماننے کا کوئی نیا نہیں ہے ہمیشہ رہا۔ انبیاً کے دور میں رہا، رسولؐ کے زمانے میں رہا، کبھی اگر وقت رہا تو عرض کروں گا، ائمہ طاہرین کے کے دَور میں رہا۔ ایک مرتبہ صلواۃ بھیجیں آپ حضرات تو عرض کروں۔

دیکھئے دادا کی ذہانت دکھا چکا اب ذرا پوتے کی ذہانت دیکھئے، امام جعفر صادق علیہ الصلواۃ والسّلام۔ پڑھئے تاریخ کو آپ، ایک شخص تھا جس کا نام تھا عبداللہ۔ بڑا زبردست اسکالر تھا، اپنے وقت کا مانا ہوا چوٹی کا اسکالر۔ بڑا فلسفی۔ خدا کو نہیں مانتا تھا۔ اے بھائی عالم اسلام میں اس نے ہلچل مچادی، جس سے بحث ہوئی اس کو چت کر دیا، جس سے بحث کرتا ہے ثابت کر دیتا ہے کہ خدا ہے ہی نہیں۔ آخر میں اتنا غرور آتنا غرور پیدا ہوا کہ اپنے شہر سے چلا کہ بس اب آخری معاملہ رہ گیا ہے جعفر صادقؑ کا، ان کو بھی چل کر چت کر دوں تو معاملہ صاف ہو جائے۔ چنانچہ وہ مدینہ میں آیا۔ اب اس کے آنے کا جو ہلڑ ہوا تو تاریخ کو پڑھئے کہ مدینہ اُمنڈ پڑا یہ دیکھنے کے لئے اب یہ آخری راؤنڈ ہے، دیکھیں یہاں کیا ہوتا ہے، مجمع کی کوئی انتہا نہیں۔ امام جعفر صادقؑ بھی تشریف فرما تھے۔ اب مجمع انتظار میں ہے کہ گفتگو ہو۔ دیکھیں نتیجہ کیا ہوتا ہے گفتگو کا۔ ایک طرف عبداللہ، خدا کا انکار کرنے والا، ایک طرف امام جعفر صادقؑ نمائندہ الٰہی، مجمع مشتاق، داخل ہوا، صاحب سلامت ہوئی، امامؑ نے اس کے بیٹھتے ہی پہلا سوال جو کیا وہ یہ کہ جناب والا کا اسم گرامی کیا ہے؟ اور جیسے ہی امامؑ نے یہ سوال کیا کہ "اسم گرامی کیا ہے" ویسے وہ اٹھا اور چلا۔ لوگوں نے کہا، کہاں جا رہے ہو؟ کہا مناظرہ ہو گیا، ہار گیا میں۔ ایک راؤنڈ بھی تو نہیں ہوا بھائی، "ناک آؤٹ"؟ لوگوں نے کہا نہ گفتگو ہوئی نہ بحث ہوئی نہ کچھ دلیلیں آئیں

آرگومنٹ، انہوں نے نام پوچھا، آپ جارہے ہیں کہا دہ تو ختم ہوگیا مناظرہ۔ کہا کیسے؟ کہا بہت تیز ہیں بھائی یہ۔ جیسے ہی میں آیا ویسے ہی مجھ سے پوچھتے ہیں نام کیا ہے؟ نام ہے میرا عبداللہ، عبداللہ کے معنی ہوتے ہیں اللہ کا بندہ۔ تو وہ پوچھیں گے کہ اللہ نہیں ہے تو آپ بندے کس کے ہیں؟ تو پہلے جاکر اپنا نام بدلوں تو گفتگو کے لئے آؤں۔ صلواۃ بر محمدؐ و آل محمدؐ۔

اب آپ آج کے دور میں آیئے۔ فزکس کا اسکالر ابھی زندہ ہے ہاکنس۔ پروفیسر ہاکنس زبردست اسکالر ہے، میں اس کی زیادہ تشریح نہیں کرسکتا۔ تنہا، اپاہج بالکل، نہ ہاتھ کام کرتے ہیں نہ پاؤں کام کرتے ہیں۔ سکڑا ہوا منھ، بالکل مفلوج، صرف دماغ کام کرتا ہے، ہاتھ سے لکھ نہیں سکتا، بولتا جاتا ہے دوسرے لکھتے جاتے ہیں۔ اس کی کتاب پڑھئے ہے میرے پاس۔ دیکھئے یہ بھی اسی زمانے کا ہے سائنٹسٹ، یہ خدا کو نہیں مانتا۔ اسی زمانے کا ایک اور سائنٹسٹ جو بیچارہ مرگیا ابھی حال ہیں، وہ اس سے بڑا، "آین اشٹائن" وہ خدا کو مانتا ہے۔ یہ کہتا ہے کہ میں خدا کو اس لئے نہیں مانتا کہ مجھے وقت کا دوسرا سرا نہیں دکھائی دیتا۔ وقت کب سے ہے یہ مجھے نہیں معلوم، کائنات کہاں سے ہے اور کہاں تک ہے یہ مجھے نہیں معلوم، تو مجھے جب کائنات کا سرا ملتا ہے اور نہ وقت کا سرا ملتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ کائنات سب جگہ ہے اور وقت ہمیشہ سے ہے۔ تو جب یہ ہمیشہ سے ہے اور کائنات سب جگہ ہے تو اس کے پیدا کرنے والے کی ضرورت ہی نہیں ہے جو شئے نہ ہو اور بعد میں ہو۔ ایک ہوتا ہے حادث اور ایک ہوتا ہے قدیم۔ قدیم وہ ہے جو ہمیشہ سے ہو اور حادث وہ ہے جو پہلے نہ ہو بعد میں ہو۔ تو اس کائنات اور وقت زمانے کا قدیم ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا کوئی پیدا کرنے والا ہے ہی نہیں یہ تو ہمیشہ سے ہے۔ غور کیجئے گا۔ آین اشٹاین کیا کہتا ہے؟ آین اشٹاین کہتا ہے کہ میں نے جب اس عظیم کائنات کو دیکھا کہ دوسرا سرا مجھے نہیں ملتا۔ تو دوسرا سرا تو مجھے نہیں ملا، مگر ایک بات مجھے ملی کہ اس لامحدود کائنات میں میں ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک گیا مگر مجھے کہیں پر کوئی شئے ناقص نہ

... کہیں پر کوئی نقص مجھے نہیں دکھائی دیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی عظیم ترین دماغ
... کوئی نقص نہیں۔ ایک کہتا ہے کائنات

[illegible]

میں نقص نہیں۔ ایک کہتا ہے کہ مجھے کائنات کی سرحد نہیں ملی۔ ہماری جانیں
قربان ہو جائیں قرآن پر۔ قرآن نے ان دونوں کے قول کو ایک آیت میں سمیٹ دیا۔ سورۃ الملک
میں ارشاد ہوتا ہے "مَا تَرٰى فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ
ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ"۔ اے انسان تو دنیا
پہ کائنات پہ دو نظریں ڈال پہلی نظر یہ ڈال کہ اس میں کوئی نقص تو نہیں ہے۔ اور جب کائنات
پر نظر ڈالنے کے بعد تجھے کہیں کوئی نقص نہ ملے تو اب دوسری نظر ڈال کہ اس کی سرحدیں کہیں
پر ہیں۔ وَهُوَ حَسِيْرٌ۔ تو تیری نظریں ڈھونڈ ڈھونڈ کر اور تھک کر واپس آجائیں گی لیکن کائنات
کا سرا نہیں ملے گا۔ آئنسٹائن اور ہاکنس دونوں کو قرآن نے ایک جگہ پہ جمع کر دیا۔ غور کیا آپنے۔
میں نے کل مجلس میں کہا تھا کہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ وقت ختم ہو گیا بہت مشکل ہے میرے لئے۔
رسولؐ کا زمانہ ہے۔ کچھ ملحدین رسولؐ کے پاس آئے۔ آنے کے بعد انہوں نے وہی کہا جو
ہاکنس کہہ رہا ہے۔ کہا کہ ہم تو خدا کو نہیں مانتے کہا کہ بھئی خدا کو کیوں نہیں مانتے؟ کہا اس لئے
نہیں مانتے کہ ہمیں یہ پتہ نہیں چل رہا ہے کہ یہ زمانہ کب سے ہے۔ جب ہم کو یہ نہیں پتہ چل پارہا
ہے کہ زمانہ کب سے ہے اور ہماری عادت یہ ہے کہ ہم جس کو دیکھتے ہیں اسی کو مانتے ہیں تو چونکہ
ہم کو زمانے کی ابتدا نہیں مل رہی ہے اس لئے ہم اس بات کے قائل ہیں کہ زمانہ ہمیشہ سے
ہے اور جب یہ زمانہ ہمیشہ سے ہے تو قدیم ہے اور جب قدیم ہے تو اس کے لئے سوال ہی نہیں
... تو خدا کو نے والے کا سوال

ہم نے زمانے کی ابتدا نہیں دیکھی اس لئے ہم اس کو قدیم مانتے ہیں تو ... [illegible]

... زمانے کا قدیم ہونا تو ہم نے نہیں دیکھا تو کہا،
ایک طرف یہ کہتے ہو کہ جو بات ہم دیکھتے ہیں اس کو مانتے ہیں اور دوسری طرف جو بات نہیں دیکھ رہے ہو اس کو مان رہے ہو یہ [illegible] ہے کہ نہیں؟ تو جب تم نے یہ نہیں دیکھا کہ زمانہ قدیم ہے۔ اس لئے کہ جو قدیم نہ ہو وہ قدیم کو کیسے دیکھ سکتا ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ دو ہی چیزیں ہو سکتی ہیں۔ وہ کوئی شئے حادث ہو گی یا کوئی شئے قدیم ہو گی۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ تم نے زمانے کا قدیم ہونا نہیں دیکھا تو پھر یہ بھی ثابت ہو گیا کہ زمانہ حادث ہے اور جب زمانہ حادث ہے تو اس کے لئے پیدا کرنا ضروری ہے۔ یہ بات میں تفصیل سے بتاتا تو زیادہ بہتر تھا، لیکن میں گھڑی کی سوئی کو کیا کہوں۔ ائمہ طاہرین نے ہمیں کیا ہدایت دی ہے، ائمہ طاہرین نے فرمایا ہے کہ خدا کو سمجھنا ہو تو خدا کی مخلوق کے ذریعہ اللہ کو سمجھنا۔ خدا کی ذات میں کبھی غور نہ کرنا ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے۔
ذاتِ الٰہی میں کبھی غور نہ کرنا ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے۔ ذاتِ الٰہی میں کبھی غور نہ کرنا، مخلوق کو دیکھ کر خدا کو پہچاننا۔ آپ نے کہا یہ کیا بات ہوئی؟ بالکل صحیح بات ہے، ذاتِ الٰہی پر غور کرنے کی آپ میں صلاحیت ہی نہیں ہے۔ آپ کا دماغ ہے محدود، اس کی ذات ہے لامحدود۔ لامحدود کی سمائی محدود میں کیسے ہو سکتی ہے۔ ہاں اس کی خلقت سے آپ کو اس کے صفات کا اندازہ، ایک ہلکی سی جھلک آپ کو مل سکتی ہے، مثال دینے کے بعد آپ پر واضح ہو جائے گی۔ کل صبح کو جب کراچی میں سورج نکلے اور سورج نکلنے کے بعد کوئی آدمی کہے کہ میں سورج کو نہیں مانتا کہ نکلا ہے۔ تو آپ کیا کہیئے گا، کہیے گا بھیا سورج نہ نکلا ہوتا تو بغیر بجلی کے روشنی کیسے ہو رہی ہوتی۔ چمک کیسے پڑ رہی ہوتی اور دھوپ کیسے ہوتی اور ساری چیزیں دکھائی کیسے دے رہی ہوتیں ...

ضد ہے کہ جب تک سورج مجھے دکھائی نہ دے گا میں نظریں اپنی ہٹاؤں گا نہیں اور سورج کو ضد کہ میں دکھائی نہ دوں گا نظریں لڑاتے لڑاتے دو تین گھنٹے تک جب وہ سورج کو دیکھنے کی سعی ناکام کر چکا تو مجھے سورج تو دکھائی نہیں دیتا۔ اب جو نظریں جھکائیں تو کہا ذرا میرا ہاتھ پکڑو اور مجھے گھر تک پہنچا دو۔ جو اپنی آنکھوں کی روشنی تھی وہ بھی غائب ہو گئی تو جب ایک مادی نور کو دیکھنے کے بعد انسان کی بصارت زائل ہو جاتی ہے تو خالق کو براہ راست دیکھنے کی سعی میں بصیرت کیسے نہ زائل ہو جائے گی۔ ابھی بات ختم تھوڑی ہے۔ آدمی تو تیز ہیں آپ بولتے کیوں نہیں آپ بولئے۔ آپ کہیے کہ ہم دیکھیں گے سورج کو، میں پوچھوں کہ کیسے دیکھیں گے۔ آپ نے کہا کوئی بات نہیں، نو پرابلم، ابھی ہم جاتے ہیں بازار سے سبز رنگ کی عینک لئے آتے ہیں، وہ ہم لگا لیں گے۔ اس کے بعد جتنی دیر تک کہئے گا سورج کو دیکھتے رہیں گے۔ میں کہوں گا آپ ہوشیار ہیں تو میں بھی ہوشیار ہوں۔ بس جیسے آپ یہ کہتے ہیں کہ میں سبز عینک کے وسیلے سے سورج کو دیکھوں گا، ویسے ہی میں بھی کہوں گا کہ اللہ کو دیکھنا ہے تو وسیلوں سے دیکھئے۔ براہ راست دیکھنے کی کوشش نہ کیجئے۔

بس فرق یہ ہے کہ سورج کا نور مادی ہے، سورج کو دیکھنے کے لئے مادی عینک کی ضرورت ہوگی۔ اور اللہ کی معرفت حاصل کرنے کے لئے آپ کو کچھ روحانی ہستیوں کو وسیلہ بنانا پڑے گا۔ ان کے علم کو دیکھ کر اس کے علم کا اندازہ ہوگا، اس کے رحم کو دیکھ کر اس کے رحم کا اندازہ ہوگا۔ ان کی قوت کو دیکھ کر اس کی قوت کا اندازہ ہوگا، ان کے انصاف کو دیکھ کر اس کی عدالت کا اندازہ ہوگا۔

بس عزادارانِ حسینؑ آج محرم کی ساتویں تاریخ ہو چکی۔ آئیے کربلا کے میدان میں، کربلا کے میدان میں، ارے بھائی کیا اللہ ہمیشہ اپنی قوت دکھاتا رہتا ہے۔ نہیں وہ تو اپنی قوت کا بہت کم مظاہرہ کرتا ہے۔ بس یہ دکھا دینے کے لئے کہ ہمارے بس میں ہے، کبھی اس نے پانی کو پھاڑ دیا موسٰیؑ کے لئے۔ ہمیشہ تھوڑی پھاڑا کرتا ہے کبھی اس نے آگ کو گلزار بنا دیا ابراہیمؑ کے لئے،

ہمیشہ تھوڑی ہوتا ہے۔ بس ایک دو مرتبہ دکھا دیا کہ ہم میں یہ قوت ہے، باقی ہم نے آزاد و مختار بنا دیا ہے جو چاہے کرتے رہو، ایک دن تو آؤ گے ہمارے سامنے تو ویسے ہی ہیں رسولؐ اور امامؑ۔ یہ ہمیشہ اپنی قوت کا مظاہرہ نہیں کرتے۔ میں نے عرض کیا تھا آپ کے سامنے کہ جب علیؑ بیٹھے ہوئے تھے اور بیت المال کے تیل کا چراغ جل رہا تھا تو کچھ حضرات تشریف لائے تھے تو علیؑ نے وہ چراغ بجھا دیا تھا۔ یہ علیؑ نے اپنی پوری سیرت بتادی کہ جب سرکاری منصب پر رہوں گا تو سرکاری چیز استعمال ہوگی اور جب ذاتی کام ہوگا تو ذاتی چیز استعمال ہوگی یہی پوری زندگی تھی کہ ذاتیات میں نہ اپنے علم سے کام لیا اور نہ اللہ کی دی ہوئی قوت سے کام لیا۔ جب سرکاری منصب کا موقع اور ضرورت کا تقاضہ ہو تو الٰہی علم اور قوت سے کام لیا۔ غور کیا آپ نے۔ تو اب کربلا کے میدان میں حسینؑ کیا بے بس ہیں؟ دیکھئے اللہ میں یہ طاقت ہے کہ اس نے جب چاہا جس میں جو شئے نہیں تھی وہ اسے دی اور جب چاہا موجود صلاحیت لے لی۔ لکڑی میں کبھی جان نہیں آسکتی عصائے موسیٰ میں اس نے جان پیدا کر دی۔ آگ سے کبھی گرمی چھن نہیں سکتی، اس نے آگ سے گرمی چھین لی۔ جس کو جو شے جب چاہے دے دے اور جس سے جو چاہے لے لے۔ تو پانی میں کیا صفت ہے؟ پیاس بجھانا۔ آپ کو پیاس لگ رہی ہے باہر سبیل موجود ہے پانی پیجئے انشاءاللہ پیاس بجھ جائے گی۔ کربلا کے میدان میں یہ ہوا کہ عاشور کا ہنگام حسینؑ کے چھوٹے چھوٹے بچے پیاسے آج محرم کی ساتویں تاریخ ہے نا؟ آج حسینؑ کے خیموں میں آواز بلند ہو رہی ہے العطش العطش العطش۔ آج جب العطش کی آوازیں ہیں تو عاشور کو کیا ہوگا۔ گرمی کا اندازہ کیجئے ایک طرف بچوں کی آوازیں آرہی ہیں کہ ہائے پیاس، ہائے پیاس، مارے ڈالتی ہے حسینؑ دھوپ میں کھڑے ہوئے ہیں کہ ایک شقی آگے بڑھتا ہے اور آگے بڑھنے کے بعد ٹھنڈا پانی حسینؑ کو دکھاتا ہے اور کہتا ہے دیکھو یہ پانی موجود ہے مگر تم کو اور تمہاری بیبیوں اور تمہارے بچوں کو یہ پانی نہیں ملے گا۔ تو حسینؑ نے چاہا اپنی طاقت کا مظاہرہ کردیں، کہا پالنے والے! اس کو ذرا پیاس کا مزہ چکھا دے۔ بس حسینؑ کے لب سے یہ دعا نکلنا تھی کہ ایک مرتبہ اس کا گھوڑا بھڑکا وہ گھوڑے سے گرا اور پانی پا

رکاب میں الجھا وہ لے کے چلا زمین کربلا پر گھسٹتا ہوا۔ زخمی ہو گیا، گھوڑا رکا، اسے نکالا گیا، اس نے کہا پیاس لگ رہی ہے، لوگ پانی لے کر آئے، ارے پانی پلاتے جاتے تھے اور وہ کہے جاتا تھا ہائے پیاس، ہائے پیاس، ہائے پیاس۔ یہاں تک جتنا پانی پیا تھا قے کر دی پھر کہہ رہا ہے ہائے پیاس، ہائے پیاس، ہائے پیاس، مشکیں خالی ہو گئیں، پانی پیتا رہا قے کرتا رہا، پانی پیتا رہا قے کرتا رہا۔ مگر اس کی پیاس نہ بجھی آخر اسی طرح تڑپ تڑپ کر ہلاک ہو گیا۔ تو امام نے اپنی قوت دکھا دی کہ مجھے بے بس نہ سمجھنا۔ میری قوت کو دیکھا تم نے ؟ میری طاقت کو دیکھا ؟ مگر یہ منزل امتحان ہے۔ میں یہاں صبر کروں گا۔ مشیت الٰہی ہے کہ میں یہاں صبر کروں۔ اس لئے میں صبر کروں گا۔ آج ساتویں تاریخ ہے اس لئے میں آپ کو مخصوص ذکر سنانا چاہتا ہوں۔ کربلا کے میدان میں آپ کو ایک دولھا ملے گا۔ کون؟ وہب ابن عبداللہ کلبی۔ ماں نئی بیاہتا دلہن کو لیے ہوئے اپنے بچے کے ساتھ سفر کر رہی ہے۔ قافلہ کی آہٹ محسوس ہوئی، پوچھا بیٹا یہ کس کا قافلہ ہے؟ تو بیٹے نے کہا کہ فرزند رسولؐ حسینؑ کا قافلہ ہے۔ کہا یہ ان کا قافلہ اس زمانے میں کیسے ؟ کہا کہ یزید نے بیعت کا سوال کیا ہے اور حسینؑ نے بیعت سے انکار۔ ماں نے کہا تو پھر میرا راستہ بدل گیا۔ کہا چلو۔ بس اب تو جہاں حسینؑ وہاں میں۔ تین آدمی تھے، بیٹا، بہو اور ماں۔ حسینؑ کے قافلے میں آ گئے شامل ہو گئے۔ کربلا کے میدان میں پہنچ گئے، حسینؑ کے بہت سے ساتھی شہید ہو گئے۔ ماں نے بلایا کہا بیٹا کس بات کا انتظار کر رہا ہے۔ میں تجھے دودھ نہیں بخشوں گی اگر تو نے فرزند رسولؐ پر جان قربان نہیں کی تو میں دودھ نہیں بخشوں گی۔ کہیں ایسی مائیں ملتی ہیں؟ کہا مادر گرامی کیا مجال لیکن ذرا دلہن سے رخصت ہو لوں، کہا دولھن کے پاس جاؤ اس کا بھی حق ہے، مگر حق ہو تو ماننا، امامؑ کی نصرت سے روکے تو نہ ماننا۔ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد امامؑ نے ملاحظہ فرمایا کہ اپنی نو بیاہتا بیوی کا ہاتھ پکڑے ہوئے آ رہا ہے۔ کہا مولا! میری شریک حیات ابھی چند دن پہلے میری زندگی میں داخل ہوئی ہے، مجھ کو خوشی سے اس بات کی اجازت دیجئے کہ میں آپ پر جان اپنی قربان کر دوں۔ مگر یہ کہتی ہے کہ مجھے آپ کی خدمت میں پہنچا دوں یہ آپ سے کچھ بات کرنا چاہتی ہے آپ کی کنیز۔ امام نے کہا کیا؟ کہا کہ مولا وہبؑ جائیں

شوق سے آپ سے زیادہ قیمتی کوئی نہیں ہے مگر دو میری گزارشیں ہیں، امام نے کہا کیا؟ کہا پہلی گزارش یہ ہے کہ یہ مجھ سے وعدہ کریں کہ جنت میں یہ میرے بغیر نہیں رہیں گے اور وہب نے امام کے سامنے اقرار کیا۔ کہا کہ دوسری گزارش کیا ہے؟ کہا کہ دوسری گزارش یہ ہے مولا کہ اب مجھے میرے خیمے سے نکال کر اپنی بہن زینبؑ کے خیمے میں پہنچا دیجئے۔ حسینؑ نے پوچھا کیوں؟ کہا کہ میں تو ایک معمولی عورت ہوں، جب سب شہید ہو جائیں گے تو پتہ نہیں میری عزت میری حرمت محفوظ رہے نہ رہے۔ تو اگر میں زینبؑ کے خیمہ میں رہوں گی تو علیؑ کی بیٹی کی عزت کے تصدق میری عزت بھی بچ جائے گی۔ حسینؑ نے کہا، اچھا آجا مگر یہ کہتے کہتے حسینؑ کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔ بس برادرانِ عزیز۔ سترہ دن شادی کو ہوئے تھے وہب آئے کربلا کے میدان میں، جنگ کی اور دونوں ہاتھ یوں زخمی ہوئے کہ دونوں ہاتھ شل ہو گئے تھے۔ کام نہیں کرتے تھے، ظاہر ہے کہ جب کام نہیں کرتے تھے تو لڑ بھی نہیں سکتے۔ اتنے میں مڑ کے جو وہبؓ نے دیکھا تو یہ دیکھا کہ بیوی اس کی درِ خیمہ کے باہر آئی ہے ہاتھ میں عمودِ خیمہ لئے ہوئے ہے۔ بس تڑپ گیا۔ کہا مولا جان دینے کے لئے تیار ہوں لیکن ناموس خطرے میں پڑے؟ میرے ہاتھ کام نہیں کر رہے ہیں کہ میں اپنی بیوی کو خیمہ کے اندر پہنچا دوں۔ مولا آپ مجھ پر رحم کیجئے میری بیوی کو خیمے کے اندر لے لیجئے، حسینؑ آگے بڑھے اور آگے بڑھنے کے بعد بیوی سے کہا کہ خیمہ کے اندر واپس آجاؤ عورتوں پر تکلیف جہاد ساقط ہے۔ عزادارو! اتنا بتاؤ کہ وہب بن عبداللہ کلبی زیادہ غیرت مند تھے یا امام زین العابدینؑ؟ وہبؓ زوجہ کو خیمہ کے باہر نہ دیکھ سکے اور بعدِ شہادت امام زین العابدینؑ ماں اور پھوپھیوں کے سروں سے چادریں چھنتے دیکھ رہے ہیں۔ بس عزادارو میں کسی مصلحت سے یہ واقعات عرض کر رہا ہوں۔ ایک واقعہ اور سن لیں۔ ایک تیم ہے؟ کس کا مسلمؓ ابن عوسجہ کا۔ مسلم زخموں سے چور ہو کر گھوڑے کی بلندی سے زمین پر آئے حبیبؓ اور امام حسینؑ ساتھ ساتھ سرہانے پہنچے، تو حبیبؓ نے کہا کہ اگر کچھ دن تمہارے بعد زندہ رہنا ہوتا تو کہتا کہ وصیت کرتے جاؤ۔ آگے آگے تم جا رہے ہو۔ پیچھے پیچھے میں آ رہا ہوں وصیت کی فرمائش کیا کروں؟ روایت کہتی ہے کہ مسلمؓ

زبان سے کچھ نہیں کہہ سکتے تھے ہاتھ بھی نہیں اٹھا سکتے تھے پورا، مگر انگلی تھرتھرائی ہوئی اٹھائی اور حسینؑ کی طرف اشارہ کیا مطلب یہ تھا کہ حبیبؓ میری ایک وصیت ہے اور وہ یہ کہ مرتے مرجانا، مگر حسینؑ کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا۔ بس انگلی گری، دم نکل گیا۔ حسینؑ نے اپنے بوڑھے سپاہی کا جنازہ اٹھایا لاکر گنج شہیداں میں رکھا اور ابھی مسلمؓ کے سرہانے سے حسینؑ اٹھ نہ پائے تھے کہ ایک بارہ برس کا بچہ دوڑتا ہوا میدان کی طرف چلا، لمبی تلوار زمین پر کھنچتی جاتی ہے، حسینؑ نے پوچھا یہ کون جارہا ہے بچہ؟ پکڑو اس کو پکڑو۔ امامؑ کے سپاہی آگے بڑھے بچے کو روکا لے کر آئے، کہا، کہاں جارہے ہو بیٹا؟ کہا میدان جنگ میں، کہا کیوں؟ کہا مسلمؓ شہید ہوگئے تو آپ کے دل پر یہ میل نہ آنے پائے کہ کوئی آپ کا بچانے والا نہیں ہے۔ خیموں میں جب تک ہم چھوٹے چھوٹے بچے موجود ہیں ہم اپنی جان نثار کر دیں گے مگر آپ پر آنچ نہیں آنے دیں گے۔ سوچئے ذرا غور کیجئے اس وقت امامؑ کے دل پر کیا گزری ہوگی۔ بلایا بچے کو سینے سے لگایا، کہا بیٹا تم کیسے جان دو گے اپنی، تم تو نابالغ ہو تم پر سے جہاد ساقط ہے۔ کہا کہ مولا میں نابالغ ہوں لیکن اگر آپ اجازت دیں تو عرض کروں، کہا کہو، کہا کل شبِ عاشور جب میرے ہی ہم سن قاسمؑ نے کہا تھا کہ کیا میرا نام دفترِ شہداء میں ہے؟ تو آپ نے کیا کہا تھا؟ آپ نے کہا تھا تم شہید ہو گے اور تمہارا چھوٹا بھائی علی اصغرؑ بھی شہید ہو گا تو مولا کربلا کا میدان تو مخصوص میدان ہے یہاں تو چھ مہینے کا بچہ بھی شہید ہوگا اور چودہ برس کا قاسمؑ بھی شہید ہوگا تو مجھے قاسمؑ کا غلام سمجھ کر قاسمؑ پر نثار کر دیجئے۔ مولا نے کہا تیرا واقعہ قاسمؑ کے واقعے کے مختلف ہے، کہا کیوں؟ کہا کہ اس کی تو بحیثیت ولی کے میں اجازت دوں گا تیرے لئے تیرے باپ کی اجازت ضروری تھی یا کم سے کم تیری ماں کی مرضی معلوم ہوتی۔ بس یہ سننا تھا کہ بچے نے ہاتھ جوڑ کے کہا مولا جہاں تک باپ کا سوال ہے تو باپ کی لاش تو آپ کے قدموں میں پڑی ہے اور جہاں تک ماں کا سوال ہے تو جسم پر لباس میری ماں ہی نے پہنایا ہے، کمر میں تلوار میری بیوہ ماں ہی نے باندھی ہے، اسی نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں جاکر اپنی جان نثار کر دوں۔ ابھی امام یہ کہہ رہے تھے، امام سے گفتگو ہورہی تھی کہ خیمے سے آواز آئی کہ مولا بیوہ کا ہدیہ قبول کر لیں۔ یہ دو واقعے میں نے آپ کے سامنے کیوں پیش

گئے ہ کہ آپ سمجھیں کہ کربلا کی عظیم قربانیوں کی عظمت سے انکار نہیں ہے لیکن بنی ہاشم کی قربانی کے مقابل میں کوئی قربانی نہیں آسکتی۔

ایک دولھا ہے جو یتیم نہیں' ایک یتیم ہے جو دولھا نہیں، مگر قاسمؑ یتیم بھی ہے اور دولھا بھی ہے' دونوں پہلو جمع ہو گئے جب امام حسنؑ کا انتقال ہوا ہے شہید ہوئے ہیں تو قاسمؑ کی عمر تین سال کی تھی، بچہ رو رہا تھا' بلایا اپنے پاس، کہا بیٹا نہ رو۔ نہ رو۔ کہا بابا میں یتیم ہو رہا ہوں کیسے نہ روؤں۔ کہا نہیں، آج سے حسینؑ کو اپنا باپ سمجھنا، آؤ بیٹا گھبراؤ نہیں میرے پاس آؤ۔ دیکھو تم کو یہ ڈر لگ رہا ہوگا کوئی سخت وقت تم پر پڑے گا تو کیا ہوگا؟ دیکھو میں ایک تعویذ تمھارے بازو پر باندھے دیتا ہوں تم پر جب کوئی سخت وقت پڑے تو اسے کھول کر دیکھ لینا مشکل تمھاری حل ہو جائے گی۔ بچے کے بازو پر تعویذ بندھ گیا۔ حسنؑ دنیا سے رخصت ہو گئے۔ حسینؑ کربلا کے میدان میں آگئے اور کربلا میں عاشور کا دن آگیا اور ایک کے بعد ایک شہید کی لاش آتی رہی اور گنج شہیداں تعمیر ہوتا رہا۔ اُدھر روایت بتاتی ہے کہ بار بار قاسمؑ آتے ہیں کہ چچا مجھے بھی مرنے کی اجازت دیں مگر ہر مرتبہ حسینؑ انکار کر دیتے ہیں۔ آخر جب قاسم مایوس ہو گئے تو خیمے کے اندر تشریف لائے اور عمود خیمہ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے سر جھکائے ہوئے کہ ہائے کیا کروں، کس طرح سے اپنے چچا سے اجازت لوں، مجھ سے چچا کی بے کسی و مجبوری نہیں دیکھی جاتی میرا چچا مجھے جہاد کی اجازت نہیں دیتا' کیا کروں، کیا کروں، کیا کروں۔ سوچ رہے تھے کہ خیال آیا' ارے آخری وقت بابا نے کہا تھا کہ قاسمؑ جب تم پر زندگی کا سخت ترین وقت پڑے تو اس کاغذ کو کھول کر دیکھنا۔ اس سے زیادہ سخت وقت میرے لئے کیا ہوگا زندگی میں۔ لاؤ دیکھوں کہ اس کاغذ میں کیا لکھا ہوا ہے۔ تو اب بازو پر سے تعویذ اتارا، کھول کر پڑھا تو اس میں لکھا ہوا تھا کہ میرے لال' یہ تم میری تحریر کربلا کے میدان میں عاشور کے دن اس وقت کھولو گے کہ جب تم مرنے کی اجازت چاہتے ہوگے اور میرا بھائی تمھیں اجازت نہیں دے رہا ہوگا تو میری یہ وصیت لے جا کر میرے بھائی کو دکھا دینا۔ قاسمؑ تمھیں میری طرف سے میرے بھائی پر فدیہ ہونا ہے۔ بس قاسمؑ خوش ہو گئے' وہ تحریر لئے ہوئے آئے کہا چچا' بابا کی تحریر۔ حسینؑ لے وہ تحریر لی، آنکھوں سے لگائی وہ تحریر' سر پر رکھی اس کے بعد پڑھا تو

اس میں جو جملے لکھے ہوئے تھے پڑھے اور پڑھنے کے بعد رونا شروع کیا۔ اب کیا کریں۔ اب مجبور ہو گئے۔ روایت بتاتی ہے کہ جو قاسمؑ کے ساتھ ہوا وہ کسی کے ساتھ نہیں ہوا۔ اب حسینؑ چپ کھڑے رو رہے ہیں، قاسم نے کیا کیا؟ دیکھا جب اب بھی اجازت نہیں دیتے ہیں تو چچا کے ہاتھ پکڑ لئے، چچا مرنے کی اجازت، چچا مرنے کی اجازت، ہاتھوں کو چومنا شروع کیا، جب دیکھا اب بھی خاموش ہیں تو گر پڑے پاؤں پکڑ لئے، کہا چچا مرنے کی اجازت، چچا شہید ہونے کی اجازت۔ آخر حسینؑ نے قاسمؑ کو اٹھایا، سینے سے لگایا، راوی کہتا ہے کہ دونوں چچا بھتیجے مل کر اتنا روئے، اتنا روئے کہ روتے روتے غش کھا کر دونوں زمین کربلا پر گر گئے عزادارو بتاؤ کہ جب قاسمؑ اور حسینؑ غش کھا کر گرے ہوں گے تو کیا عباسؑ اور علی اکبرؑ دیکھ نہ رہے ہوں گے۔ عزادارو جب کوئی بیہوش ہو جاتا ہے تو کیا کیا جاتا ہے؟ پانی کے چھینٹے دئے جاتے ہیں نا مگر عباسؑ پانی کہاں سے لے کر آئیں، علیؑ اکبر پانی کہاں سے لے کر آئیں۔ آخر غش سے افاقہ ہوا۔ عزادارانِ حسینؑ، میں بالکل صحیح عرض کرنا چاہتا ہوں کہ زندگی میں پہلی مرتبہ قاسمؑ گھوڑے پر سوار ہو رہے ہیں۔ اتنا کم سن ہے بچہ کہ مدینہ سے لے کر کربلا تک سفر گھوڑے پر نہیں کیا، محمل میں کیا ہے ماں کے ساتھ، قد چھوٹا، گھوڑا بلند، کیسے بچہ سوار ہو؟ تو روایت بتاتی ہے کہ عباسؑ نے اپنی گود میں اٹھایا اور گود میں اٹھا کر گھوڑے پر سوار کیا۔ اب حسینؑ آگے بڑھے، آگے بڑھنے کے بعد سر پر عمامہ باندھا حسینؑ کا ہر مجاہد خود پہن کر آیا، قاسمؑ کے سر پر خود نہیں تھا حسینؑ کا ہر مجاہد زرہ پہن کر قاسمؑ کے جسم پر زرہ نہیں تھی صرف ایک کرتا تھا۔ مولا، اپنے یتیم بھتیجہ کو خود پہنا دیجئے، زرہ پہنا دیجئے بچہ ہے لڑنے کے لئے جا رہا ہے تو شائد امامؑ کا جواب ہوگا کہ اس عمر کے بچوں کے خود اور زرہ بنتے ہوتے تو پہنا دیتا۔ کرتا پہنایا اور کرتے کا دامن چاک کر دیا۔ مجھے آپ کیا مطلب ہے، دیکھئے آپ جب کسی کو کرتا پہناتے ہیں تو پہنانے کے بعد کرتے کا بٹن بند کر دیتے ہیں لیکن جب کسی مُردے کو کفن پہناتے ہیں تو گریبان چاک کر دیا جاتا ہے، گویا حسینؑ کفن پہنا رہے ہیں، کہا بیٹا جاؤ۔ آئے اور آنے کے بعد حملہ کیا، زبردست جنگ کی اس کمسنی کے عالم میں، ارزق شامی کے چار بیٹوں کو ایک کے بعد ایک، سب کو فی النار کر دیا، پھر ارزق شامی آیا اس کو بھی قتل کیا، اب جب لوگوں نے دیکھا کہ

اس کمسن بچے کا ہم تن تنہا مقابلہ نہیں کر سکتے ہیں تو لشکر نے چاروں طرف سے گھیر لیا، ایک معصوم بچہ چاروں طرف سے گھرا ہوا ہے۔ ایک شخص کہتا ہے کہ مجھ سے ایک دوسرے شخص نے کہا کہ میں ابھی اس بچے کا کام تمام کرتا ہوں، کہا جو گھیرے ہوئے ہیں وہی کافی ہیں تو کاہے کو اس کا خونِ ناحق میں اپنے ہاتھ رنگین کرتا ہے مگر اس کو ترس نہ آیا۔ میں کہتا ہوں کہ ملعون آنا ہے تو سامنے آجا میرے شیر کے۔ مگر یہ ملعون گھوڑے کو گھما کر قاسمؑ کے پس پشت آیا۔ قاسمؑ کے اطمینان کا عالم یہ تھا کہ جنگ کے دوران میں جوتے کی ڈوری ٹوٹ گئی تو اس کو باندھ رہے تھے کہ بس اس کو موقع مل گیا اس نے آکر قاسمؑ کے سر پر بھرپور وار کیا۔ پھر عزیز قاسمؑ سے سنبھلا نہ گیا اور قاسمؑ گھوڑے کی بلندی سے زمین کی طرف جھکے یہ کہتے ہوئے کہ "یا عماہ و ادرکنی" اے چچا آیئے، اے چچا آیئے، روایت یہ بتاتی ہے کہ حسینؑ کو قاسمؑ کے قاتل پر غصہ آگیا اس لئے کہ اس نے پس پشت سے وار کیا تھا۔ تو حسینؑ نے چاہا کہ قاسمؑ کے قاتل کو قتل کردوں۔ اس نے اپنا ہاتھ بلند کیا، غصہ میں تلوار ماری اور اس کا ہاتھ کٹ کر زمین پر گرا۔ اس نے کہا مجھے حسینؑ سے بچاؤ۔ لشکر سمٹ کر آگیا اب حسینؑ چاہتے ہیں قاتل جانے نہ پائے لشکر چاہتا ہے قاتل کو بچالے جائے، جنگ چھڑ گئی۔ اب جب جنگ چھڑتی ہے تو بیان کرنے کی ضرورت نہیں کہ ادھر کے سوار اُدھر اور اُدھر کے سوار ادھر بار بار ایک معصوم کی آواز آئی چچا میں پسا جاتا ہوں، چچا میں کچلا جاتا ہوں، چچا میں روندا جاتا ہوں مجھے بچایئے، مجھے بچایئے، مجھے بچایئے۔ اور جب حسینؑ قاسمؑ کے سرہانے پہنچے تو یہ منظر تھا کہ حسینؑ کو کہنا پڑا بیٹا، میرے لعل، بڑا سخت وقت تھا، میرے اوپر کہ تو نے مدد کے لئے پکارا اور تیرا چچا تیری مدد نہ کر سکا۔ بس زیادہ زحمت نہیں دے سکتا علی اکبرؑ موجود ہیں عباسؑ موجود ہیں، تصور شرط ہے۔ عباسؑ و علی اکبرؑ کے سامنے ایک مرتبہ حسینؑ نے لاش قاسمؑ کو دیکھا۔ اب میں تفصیل عرض نہیں کر سکتا کہ کوئی بچہ اگر گھوڑوں کے سموں سے پامال ہو جائے تو صورت کیا ہوگی۔ بس صورت یہ تھی حسینؑ نے ایک مرتبہ حسرت سے عباسؑ و علی اکبرؑ کی طرف دیکھا اور دیکھنے کے بعد کہا کہ بھائی عباسؑ و بیٹا علی اکبرؑ ذرا خیمے تک چلے جاؤ اور جاکر ایک چادر لے آؤ تو میں اپنے

بچے کی لاش کے ٹکڑے سمیٹوں، عزادارو زمین پر چادر بچھائی گئی اب ٹکڑے کیونکر سمیٹے گئے۔ بیٹا علی اکبرؑ میرے بھتیجہ کا ہاتھ پڑا ہے اٹھا لاؤ، جسم کے بکھرے ہوئے ٹکڑوں کو سمیٹا، ایک گٹھری کی شکل میں باندھا اور لے کر چلے، اور لاکر خیمے کے در پر قاسمؑ کی لاش کے ٹکڑے رکھے اور جب امّ فروہؑ کو خبر ہوئی تو ام فروہؑ نے سب سے پہلے سجدۂ معبود کیا، کہا پالنے والے تیرا شکر کہ میری قربانی بارگاہِ الٰہی میں قبول ہوگئی۔ بس عزادارانِ حسینؑ ایک جملہ اور آپ کی زحمت ختم کرنا چاہتا ہوں۔ علامہ رشید ترابی مرحوم جن کی جگہ پر بیٹھ کر میں یہ مجلسیں پڑھ رہا ہوں، وہ شادی قاسمؑ کا حال پیش کیا کرتے تھے میں تنگیٔ وقت کے سبب سے پیش نہیں کر سکا، لیکن بہرحال وہ روایت پائی جاتی ہے اور آپ جائیں انشاء اللہ زیارت کے لئے تو خیمہ گاہ میں آج تک حجلۂ عروسی قاسمؑ موجود ہے۔ اور آپ کو بتا دوں کہ جن کو اولاد نہیں ہوتی ہے وہ جاکر وہاں نذر مانتے ہیں تو اللہ ان کو اولاد دیتا ہے یہ میرا مشاہدہ ہے۔ تو عزادارانِ حسینؑ دولہا کی لاش کو تو لے آئے اور لاکر شہیدوں کی برات جہاں بیٹھی ہوئی تھی وہیں لاکر دولہا کی لاش کو رکھ دیا مگر ہوتا کیا ہے؟ کہ دولہا تو آتا ہے براتیوں میں اور دلھن جاتی ہے دولہا کے گھر پر، تو دولہا تو براتیوں میں آگیا مگر دلھن کہاں گئی؟ عزادارو۔ دولہا آگیا شہیدوں میں اور دلھن کے ہاتھ پس گردن سے باندھے گئے۔ کبھی بازار کوفہ سے گزر رہی ہے کبھی بازارِ شام سے گزر رہی ہے۔

—— تمام شد ——

آٹھویں مجلس

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ كُلِّهٖ وَلَوۡ كَرِهَ الۡمُشۡرِكُوۡنَ۔

برادران عزیز۔ آج آٹھ محرالحرام کی مجلس ہے۔ سرنامۂ کلام وہی آیت ہے کہ جسے آپ سماعت فرمارہے ہیں کہ اللہ وہ ہے کہ جس نے اپنے رسولؐ کو بھیجا ہے، ہدایت کے ساتھ اور دین حق کے ساتھ تاکہ وہ اس دین حق کو تمام ادیان باطلہ پر غالب کر دے چاہے مشرکوں کو یہ بات کتنی ہی زیادہ ناگوار کیوں نہ گزرے۔

بڑی ناسمجھی کی بات ہے، ہم مسلمانوں میں یہ غلط فہمی پھیلادیں کہ سائنس ٹیکنالوجی مسلمانوں کو بے دین بنا دے گی۔ سائنس ٹیکنالوجی مسلمانوں کو بے دین نہیں بنائے گی اگر آپ نے سائنس ٹیکنالوجی کو حاصل کر لیا اور سائنس کی زبان کو سمجھ لیا تو اگلی نسلوں میں آپ گمراہوں کو راہ راست پر لے آئیں گے۔ اس لئے کہ قرآن مجید نے ارشاد کیا ہے کہ ہم نے جس رسولؐ کو بھیجا ہے اس کو اس قوم کی زبان میں، گفتگو کرتے ہوئے بھیجا ہے، اور حضورؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جیسی لوگوں کی عقل ہو اور فہم و فراست ہو اسی اعتبار سے ہمیں گفتگو کرنے کا حکم دیا گیا ہے، تو ظاہر ہے کہ آئندہ صدی سائنٹفک صدی ہوگی اور لوگوں کا طرزفکر سائنسی ہوگا، لہٰذا ہم بھی اگر اسلام کو پھیلانا چاہتے ہیں تو ہم کو بھی سائنسی مزاج اختیار کرنا پڑے گا، سائنسی زبان اختیار کرنا پڑے گی، سائنسی طرزفکر اختیار کرنے پر مجبور ہونا پڑے گا۔ اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں ہے۔ میں نے تو مسلمانوں کی، بعض مسلمانوں کی جہالت کا عالم یہاں یہ دیکھا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ سائنس و ٹیکنالوجی

پڑھنا حرام ہے، ٹھیک ہے ضرور حرام ہوگا۔ میں تو کسی سے جھگڑا کرتا نہیں آپ میرا مزاج جانتے ہیں۔ لیکن اگر میں ان کو، اجازت دیں تو ایک مسئلہ شرعی بتا دوں تاکہ وہ ہوشیار ہو جائیں اور مبتلا بالحرام نہ ہوں، وہ حضرات کہ جو یہ فرماتے ہیں کہ سائنس و ٹیکنالوجی کا پڑھنا حرام ہے میں ان کو ایک مسئلہ شرعی کی طرف متوجہ کر دوں۔ مسئلہ شرعی یہ ہے کہ جس شئے کا سیکھنا ناجائز ہے اس کا استعمال بھی ناجائز ہے۔ اگر گانے کا سیکھنا ناجائز ہے تو گانا سننا بھی ناجائز ہے۔ شراب کیسے بنتی ہے اگر یہ سیکھنا ناجائز ہے تو شراب کا پینا بھی ناجائز ہے، تو ہر وہ شئے کہ جس کا سیکھنا ناجائز ہے اس کو استعمال میں لانا اور اس سے استفادہ کرنا بھی ناجائز ہے۔ لہٰذا ان حضرات سے مودبانہ التماس ہے کہ میں تو آپ کے فتوے کی صداقت کا اس وقت قائل ہوں گا کہ جب آپ اللہ کی ان ساری نعمتوں سے کنارہ کش ہو جائیں کہ جو اس نے سائنس ٹیکنالوجی کے ذریعہ آپ کو دی ہیں۔ آئندہ ہوائی جہاز سے سفر نہ ہو بیل گاڑی سے ہو۔ ملاحظہ کیا آپ نے۔ ٹیلی فون پر آپ ہرگز گفتگو نہ کریں، ریل پر آپ ہرگز سوار نہ ہوں، نئی میڈیکل سائنس سے آپ بالکل استفادہ نہ کریں، وہی پرانے حکیم صاحبان کے پاس تشریف لے جائیں۔ تو ایسی ناسمجھی کی بات لوگ کیا کرتے ہیں اور یہی ہمارا سب سے بڑا مسئلہ ہے، آپ کو یہ خیال ہوگا کہ میں ہر مجلس میں تقریباً علم اور جہالت کے بارے میں ضرور گفتگو کر رہا ہوں اور کرتا رہوں گا، اس بات کا مجھے اقرار بھی ہے اور میرا آپ سے وعدہ بھی ہے۔ اس لئے کہ قرآن مجید کو اگر آپ دیکھیں تو وضو کرنے کا حکم ایک جگہ بیان کیا ہے، تیمم کرنے کا حکم ایک جگہ بیان کیا، حج کے مسائل اس نے ایک جگہ بیان کئے ہیں مختصر مختصر وہ بھی۔ لیکن وہ آیتیں کہ جن سے انسان کا کردار بنتا ہے جن سے انسان کی فکر بنتی ہے ان کو قرآن نے بار بار بیان کیا ہے۔ اس لئے وہ شئے کہ جو آپ کی فکر ڈھالنے والی ہے، آپ کے طرزِ فکر کو بدلنے والی ہے جس پر آپ کا مستقبل لگا ہوا ہے اس کو تو میں بار بار کہوں گا ہی۔ اور یہ جو پاکستان میں دہشت گردی کی دبا پھیلی ہوئی ہے، جب تک جہالت موجود ہے، یہ دہشت گردی کی دبا ختم نہیں ہو سکتی ہے۔ اس لئے کہ وہی کٹھ ملا لوگ

ہیں کہ جو جاہل لوگوں کو اپنا آلۂ کار بناتے ہیں اور ہر فرقے کے بے خطا لوگوں کو قتل کراتے ہیں جب کہ قرآن بے خطا مشرک بھی قتل کی اجازت نہیں دیتا بے خطا کافر کی بھی قتل کی اجازت نہیں دیتا۔ میں نے عرض کیا آپ کے سامنے کہ آپ خواہ مخواہ درخت کی پتی بھی نہیں توڑ سکتے اور اس کو بھی مسل نہیں سکتے، یہاں تک پابندیاں لگی ہوئی ہیں۔ لیکن یہ بات وہی سمجھے گا کہ جس کے دماغ میں علم کا چراغ روشن ہو۔ جاہل افراد ان باتوں کو نہیں سمجھ سکتے ہیں۔ آدمی کا مرنا بجائے خود بہت افسوس ناک ہے، انسان کی جان سے بڑھ کر دنیا میں کوئی شئے قیمتی نہیں ہے مگر اس سے بھی زیادہ قیمتی شئے ہے اسلام۔ دہشت گردی کا دُہرا نقصان یہ ہوتا ہے کہ ایک طرف مسلمان کی جان جاتی ہے اور دوسری طرف اسلام بدنام ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں تو قوتِ برداشت نہیں ہے وہ ایک دوسرے کو کھائے جاتے ہیں اور اسلام کو ٹریزرزم کے مترادف قرار دیا جاتا ہے، غور فرمایا آپ نے۔ تو اس لئے میں آپ کے سامنے برابر عرض کرتا رہوں گا جب تک میں آتا رہوں گا کہ اگر عزّت کی زندگی گزارنا ہے تو علم کو حاصل کیجئے۔ اور ذلّت و رسوائی کی زندگی گزارنا ہے تو جہالت کا دامن پکڑے رہیئے۔ نہ میری بات مانئے نہ کسی کی بات مانئے رسولؐ کی بات مانئے رسولؐ نے فرمایا کہ "الجھل اصل کُلّ شیٍ والعلم اصل کُلّ خیر" جتنی بُرائیاں ہیں وہ سب جہالت سے پیدا ہوتی ہیں جتنی اچھائیاں ہیں وہ سب علم سے پیدا ہوتی ہیں۔ صلواۃ بر محمدؐ و آلِ محمدؐ۔"

اب رہ گئی یہ بات کہ سائنس ٹیکنالوجی کی وجہ سے دین کمزور ہوگا۔ بالکل نہیں ہوگا۔ میں بہت ادب و احترام کے ساتھ عرض کر رہا ہوں کہ سائنس ٹیکنالوجی کے ایڈوانسمنٹ، ترقی سے قرآن کا ترجمہ صحیح ہوتا جا رہا ہے۔ میں کسی کو الزام نہیں دیتا، انسان اپنے معلومات کے لحاظ سے ہی کتاب کو سمجھتا ہے۔ اور اس لئے بھی آپ دیکھئے اسلام کی بات کہ آج اگر آپ بائبل کا مطالعہ کریں کہ وہ بائبل جو اوریجنل تھی وہ ہمیں مل جائے، ہم اس کو پڑھنا چاہتے ہیں آپ نہیں پا سکتے۔ وہ کہیں گے، آپ کس زبان میں چاہتے ہیں؟ اردو میں چاہیے ہو حاضر ہے،

ہندی میں چاہیے ہو حاضر ہے، انگریزی میں چاہیے ہو حاضر ہے۔ فرنچ میں چاہیے ہو حاضر ہے، دنیا کی جس زبان میں چاہیں آپ کو بائبل مل جائیگی لیکن جس زبان میں بائبل اتری تھی اس زبان میں چاہیں تو آپ کو نہیں ملے گی۔ غور کیا آپ نے۔ جس زبان میں بائبل نازل ہوئی تھی اس زبان کے علاوہ دنیا کی ہر زبان میں بائبل آپ کو مل جائے گی۔ یہ قرآن کی خصوصیت ہے، قرآن جس زبان میں اترا تھا اسی زبان میں آج تک محفوظ ہے اور صبح قیامت تک انشاء اللہ محفوظ رہے گا۔ اب دونوں میں فرق کیا ہے؟ ہمارے پاس ترجمہ ہے تو دو سو برس قبل کی فکر کے لحاظ سے جو ترجمہ تھا، ہم سمجھے وہی کلام الٰہی ہے لیکن آج جب قرآن اپنی اصلی زبان کے ساتھ موجود ہے تو ہم کو یہ کہنے کا حق حاصل ہے کہ فلاں لفظ کا جو ترجمہ کیا گیا تھا وہ ترجمہ کمیٔ علم کی بنا پر کیا گیا تھا جب کہ صحیح ترجمہ یہ ہے جو آج ہماری سمجھ میں آرہا ہے۔ عربی زبان میں ایک لفظ ہے "استنساخ" الف سین۔ تے۔ نون سین، الف خے (ا+س+ت+ن+س+ا+خ) "استنساخ" آج آپ دو منٹ میں سمجھ لیں گے کہ یہ "استنساخ" کے معنی کیا ہیں؟ "کلوننگ" کو تو آپ سمجھتے ہیں نا؟ ابھی جیسے پہلے چند مہینے تک ڈاکومنٹس کی فوٹو کاپی نکلتی تھی، مشین میں ڈالا اور فوٹو کاپی نکال لی۔ اب بحمد اللہ انسان کی فوٹو کاپی نکلنا شروع ہوگئی ہے۔ نقل انسان اس کو کہا جاتا ہے "کلوننگ"۔ انشاء اللہ اگر موقع ہوا اور اللہ نے مجھے توفیق دی اور زندہ رکھا تو شاید آئندہ سال آپ کے سامنے۔ اس پر میں نے اگر عبور حاصل کیا تو عرض کروں گا۔ تو "کلوننگ" کا ترجمہ ہے عربی زبان میں "استنساخ" یعنی کاپی بنانا یعنی نقل بنانا۔ اب قرآن مجید نے کہا ہے کہ تم جو کچھ دنیا میں کرتے رہے تھے اور کئے جا رہے تھے ہم ان سب کا استنساخ کرتے جا رہے تھے۔ دیکھئے سنی، شیعہ، بریلوی، دیوبندی، سب ترجمہ کرنے والوں نے کیا کیا ترجمہ کمیٔ معلومات کی بنا پر، ترجمہ یہ کیا ہے کہ تم جو کچھ عمل کرتے جا رہے تھے ہم لکھتے جا رہے تھے۔" استنساخ" معنی لکھنے کے نہیں ہوتے "استنساخ" کے معنی ہوتے ہیں کاپی بنانے کے، استنساخ کے معنی ہوتے ہیں نقل تیار کرنے کے۔ آج یہ سائنٹفک انکشاف ہماری نظروں کے سامنے آیا کہ انسان جو کچھ کرتا ہے اس کے ہر عمل کی تصویر فضا کے دامن میں ہمیشہ

ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جاتی ہے تب ہماری سمجھ میں آیا کہ "اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ" کے معنی کیا تھے۔ اس کے معنی یہ نہیں کہ ہم لکھتے جاتے تھے بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم تمھاری فلم بناتے جاتے تھے۔ اور میرا کوئی استدلال کوئی حیثیت نہیں رکھتا جب تک کسی امام کی تائید اس کے پیچھے نہ ہو۔۔۔ امام جعفر صادق علیہ الصلواۃ والسّلام سے جب یہ پوچھا گیا کہ مولا اس آیت کے معنی کیا ہیں کہ ہم استنساخ کرتے جاتے ہیں اس کا جو کچھ یہ کرتے جاتے ہیں تو امامؑ نے فرمایا، ذرا غور کیجئے گا بچے جو فزکس وغیرہ پڑھا کرتے ہیں وہ ذرا گڑبڑانے لگتے ہیں، لیکن آج یہ انکشاف ہوا ہے چند برس پہلے۔ چودہ سو برس سے زیادہ پہلے امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ اللہ نے یہ انتظام کیا ہے کہ تم جو کام بھی کرتے ہو، اللہ نے ایک ایسا سسٹم ونظام بنایا ہے کہ فضا میں تمھاری تصویریں عمل کی محفوظ ہو جاتی ہیں۔ تو استنساخ کے معنی، اگر یہ کلوننگ کا معاملہ نہ ہوتا تو آج ہماری سمجھ میں نہیں آتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ہم سائنس کو پڑھیں اور مرعوب نہ ہوں اپنے عقیدے مستحکم رکھیں تو سائنس دین کی خدمت کے لئے خادم بن کر آئے گی، دشمن بن کر نہیں آئے گی، دشمن بن کر نہیں آئے گی (صلوٰۃ)

مگر یہاں صورت حال یہ ہے۔ اب پرچے مجھے بہت ملتے ہیں کیا کروں۔ اس وقت عالمِ اسلام کی صورتِ حال یہ ہے کہ عالم اسلام میں کوئی مسلمان ہے ہی نہیں۔ آپ کہیے گا ماشاء اللہ ایک اور ہیں مسلمان، میں کہہ رہا ہوں ایک بھی نہیں ہے۔ کہاں ہیں، دیکھئے تین بڑے فرقے ہیں، ایک شیعہ حضرات ہیں، ایک بریلوی حضرات ہیں، ایک دیوبندی حضرات ہیں۔ ان تینوں میں سے ہر ایک دوسرے کو کافر کہتا ہے، دیوبندی کہتے ہیں حضرات، سب نہیں، علماء نہیں، وہی کٹھ مُلّا، مگر بات یہ ہے کہ جب دُنیا میں علم پھیلا ہوتا ہے تو عالموں کی بات سُنی جاتی ہے جب جہالت پھیلی ہوتی ہے تو کٹھ مُلّاؤں کی بات سُنی جاتی ہے۔ یہ مشکل ہے کیا کیا جائے۔ میں نے سُنی علماء کا نام لیا آپ کے سامنے وہ تھوڑی کہتے ہیں۔ جاہل مُلّا، تو وہ کہتے ہیں کہ شیعہ کافر، بریلوی حضرات سے پوچھئے وہ کہتے ہیں وہابی کافر، ان سے پوچھئے انھوں نے کہا بریلوی کافر تو ہر فرقہ کے کفر پر دو دوسرے دو فرقوں کا اجماع ہے۔ جب شاہدین عادلین ہر فرقے کے کفر پر موجود ہیں تو مسلمان

کون رہ گیا بھائی قصہ ہی ختم ہو گیا۔ ہم بھی کافر ہو گئے، آپ بھی کافر، قصہ ختم۔ تو میں نے کسی مجلس میں آپ کے سامنے عرض کیا تھا کہ ہم لوگوں کا حساب جلدی ہو جائے گا، اور چونکہ سب کا کافر ہونا مسلّم ہے لہٰذا سب جہنم میں جھونک دیے جائیں گے اور جب کافروں کی نوبت آئے گی وہاں بورڈ لگا ہوگا "ہاؤس فل" تو انشاء اللہ ہم ہی جہنم کو بھر دیں گے۔ میں ایک جملہ عرض کر دوں آپکے سامنے بس، میں نے تو عرض کیا کہ میں جوابات دیتا رہتا ہوں بغیر ذکر کیے ہوئے۔ آپ لوگ بھی ذرا ہوشیاری سے سُنا کیجئے۔ دیکھئے روایت، فلاں کتاب میں یہ روایت ہے، فلاں کتاب میں یہ روایت ہے۔ روایت کے لفظ کو آپ اپنی زبان میں کیا کہتے ہیں؟ "خبر"۔ خبر کی جمع عربی زبان میں کیا ہے؟ "اخبار"۔ جیسے ایک عظیم کتاب ہمارے فرقہ کی ہے "جامع الاخبار" تو کیا ہے اس جامع الاخبار میں؟ جنگ اور ڈیلی نیوز اور ڈان یہ سب اس کے اندر ہیں؟ نہیں، جامع الاخبار کے معنی یہ ہیں کہ جتنی خاص خاص اخبار، خبریں، یعنی روائتیں ہیں وہ سب اس کے اندر جمع کر دی گئی ہیں۔ تو روایت کو کہتے ہیں، خبر اور خبر کی جمع ہے اخبار۔ بس اتنا سمجھ لیجئے کہ آج جو اخبار وں کا عالم ہے وہی اس زمانے میں روایتوں کا عالم تھا۔ آپ بتایئے کون سے اخبار کو پڑھ کر آپ صحیح بات تک پہنچ سکتے ہیں۔ آج دُنیا میں اتنا جھوٹ پھیلا ہوا ہے کہ کوئی خبر آپ تک پہنچے آپ جان تو اپنی دے سکتے ہیں مگر صحیح بات معلوم نہیں کر سکتے یہی پوزیشن ہے ہمارے روایات کی۔ تو میں سنّیوں اور شیعوں دونوں کی طرف سے کہہ رہا ہوں۔ دیوبندیوں اور بریلیوں سب کی طرف سے کہہ رہا ہوں، مقلّد اور غیر مقلّد سب کی طرف سے کہہ رہا ہوں، بحیثیت مسلمان کے گفتگو کرتا ہوں، اسی لئے رسُولِ کریم نے فرمادیا، ہر فرقہ کی کتاب میں یہ حدیث موجود ہے اور ہمارے ائمہ اطہار نے بھی ارشاد فرمادیا کہ کبھی ہم صورتِ حال دیکھ رہے کہ کیا ہے، کیا کیا باتیں ہماری طرف منسوب کی جا رہی ہیں، تو اب حفاظت قرآن کا ایک فائدہ اور دیکھئے۔ رسُول نے اور ائمہ طاہرین نے ارشاد فرمایا کہ جب ہماری طرف کوئی منسوب بات تم تک پہنچے کہ رسولؐ اللہ یہ فرماتے ہیں، امام جعفر صادقؑ یہ فرماتے ہیں، امام محمد باقرؑ یہ فرماتے ہیں، امام زین العابدینؑ یہ فرماتے ہیں، فرمایا کہ

فوراً آنکھ بند کرکے اس پر ایمان نہ لے آنا، پہلے یہ دیکھنا کہ وہ ایک معیار ابدی جو قرآن کی شکل میں ہے۔ اس کے مطابق ہے یا مطابق نہیں ہے۔ اگر اس کے مطابق ہو تو قبول کرنا اور مطابق نہ ہو تو الفاظ یہ ہیں کہ دیوار پر دے مارنا۔ اس لئے کہ سب میں تضاد ہو سکتا ہے مگر قرآن صامت اور قرآنِ ناطق میں تضاد نہیں ہو سکتا۔

بس برادرانِ عزیز۔ جس موضوع کو کل میں نے چھوڑا تھا۔ اسے چند منٹ کے لئے لے رہا ہوں۔ اسلام میں، میں نے عرض کیا آپ کے سامنے کہ خود عقیدۂ الوہیت کی جو گتیں بنی ہیں اس کی بنا پر بھی بہت سے لوگ اللہ کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اگر میں آرہا ہوں بھارت سے، کوئی تعریف نہیں کروں گا بھارت کی۔ وہاں صورت حال کیا ہے؟ وہاں جہالت کا عالم یہ ہے کہ ہمارے بھائی جو خدا کے ماننے والے ہوتے ہیں، آپ نے سنا ہوگا کوئی جنگل میں جاکر آباد ہو گیا۔ وہاں بیٹھا ہوا، گیان دھیان کر رہا ہے، کوئی آدمی پہاڑ کے کسی غار میں اتر گیا۔ ننگ دھڑنگ بیٹھا ہوا ہے۔ گیان دھیان کر رہا ہے مراقبہ کے عالم میں، کوئی پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گیا، وہاں بیٹھا ہوا اللہ کو یاد کر رہا ہے، اسلام میں اللہ کو یاد کرنے کے یہ معنی نہیں ہیں، اسلام کہتا ہے کہ اسلام میں اللہ کو یاد کیا نہیں جاتا ہے، اسلام میں اللہ کو یاد رکھا جاتا ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ اللہ کو یاد کرنا ہے تو میدان سے بھاگنے کی ضرورت نہیں ہے، غار میں اترنے کی ضرورت نہیں ہے۔ پہاڑ پر چڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میدان حیات میں رہو، اللہ کو یاد رکھو۔ جیسے آپ سے کہا جائے کہ قانون کو یاد رکھئے تو کیا مطلب ہوا۔ قانون کی آپ مالا پڑھ رہے ہیں، تسبیح پڑھ رہے ہیں، نہیں اللہ کو یاد رکھنے کی جو تصریح و تشریح معصوم نے فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ جب شیطان تمھیں گناہ کی طرف بلائے تو اللہ کی یاد آجائے اور تم گناہ سے رک جاؤ۔ یہ ہیں اللہ کے یاد رکھنے کے معنی، اسلام میں منفی تصور کسی شئے کا ہے ہی نہیں، ہر شئے کے لئے جو تصور ہے وہ مثبت تصور ہے۔ بھاگنے کا کوئی تصور ہی نہیں، جمنے کا تصور ہے، اسلام دین فرار نہیں ہے۔ اسلام دین جہاد ہے۔ بس برادران عزیز۔ تو ایک مسئلہ اور ہمارے سامنے آتا ہے کہ لوگ

کہتے ہیں اگر اللہ ہے تو دُنیا میں اتنی ناانصافیاں کیوں ہو رہی ہیں؟ کیا ناانصافیاں ہو رہی ہیں بھائی؟ ارے صاحب وہ ناانصافیوں کو آپ جانے دیجئے جو انسان کر رہا ہے جو ناانصافیاں اللہ کی طرف سے ہیں، کوئی بیچارہ فقیر ہے، کوئی امیر ہے، کوئی بیمار ہے، کوئی صحت مند ہے، کسی کی زندگی اچھی طرح سے گزر رہی ہے تو اگر اللہ عادل موجود ہوتا تو یہ تفریق نہ ہوتی ــــ میں عرض کرتا ہوں قرآن کی ایک آیت اگر آپ کے پیش نظر ہوتی تو آپ کے دل میں یہ خیال پیدا نہ ہوتا۔ قرآن مجید نے کہا ہے کہ یہ دُنیا کیا ہے؟ یہ دُنیا تو ایک اسٹیج ہے۔ اس اسٹیج کے اوپر ڈرامہ ہو رہا ہے، ہر آدمی کا اپنا ایک کیرکٹر ہے۔ جس کو بادشاہ بنایا گیا وہ واقعی بادشاہ نہیں ہے بادشاہ کا رول پلے کر رہا ہے۔ جسے وزیر بنایا گیا ہے اسے یہ غلط فہمی نہ ہو کہ واقعی وہ وزیر ہے، وہ وزیر کا رول پلے کر رہا ہے۔ جسے تاجر بنایا گیا ہے اسے یہ غلط فہمی نہ ہو کہ واقعی وہ تاجر ہے، وہ تاجر کا رول پلے کر رہا ہے، جسے بیمار بنایا گیا ہے وہ بیمار کا رول پلے کر رہا ہے۔ جسے فقیر بنایا گیا وہ فقیری کا رول پلے کر رہا ہے۔ اب کتنی زبردست حماقت کی بات ہوگی یہ کہ وہ انسان کہ جو تھوڑی دیر کے لئے اسٹیج کے اوپر بادشاہ کا رول پلے کر رہا ہے وہ واقعی اپنے کو بادشاہ سمجھنے لگے۔ اور اسی لئے میں آپ کے سامنے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اگر زندگی کے اسٹیج پر آپ دیکھیں گے تو کوئی بادشاہ دکھائی دے گا، کوئی وزیر دکھائی دے گا۔ کوئی امیر دکھائی دے گا، کوئی غریب دکھائی دے گا لیکن جیسے ہی ڈرامہ ختم ہوتا ہے سب ایک لباس میں آجاتے ہیں، ویسے ہی جو کیرکٹر اپنی زندگی کا رول پلے کر چکتا ہے اور قبر کی منزل میں جاتا ہے تو سب کا ایک لباس ہو جاتا ہے۔ سب ایک لباس میں جاتے ہیں۔ بادشاہ کا خلعت بھی اتر گیا۔ غریب کا بوریا بھی لپٹ گیا، اب جزا دینے کی بات آئی تو اب جزا یہ نہیں ہے کہ بادشاہ کو پہلا انعام دیا جائے گا۔ اب یہ دیکھا جائے گا کہ جس کے ذمہ جو کیرکٹر دیا گیا تھا، جو رول دیا گیا تھا اس نے وہ رول کیسے پلے کیا۔ ایک بادشاہ نے وہ فرائض انجام دئے کہ جو اس کو دینا چاہیے از روئے اسلام واز روئے دین؟ فرعون تو نہیں ہو گیا؟ ایک غریب نے غربت کی وجہ سے مایوس ہو کر دین کے خلاف جہاد تو

نہیں چھیڑ دیا۔ دست سوال تو نہیں پھیلا دیا۔ سُن لیجئے۔ رسُولِ کریم کا یہ ارشاد ہے، فرماتے ہیں کہ جب کوئی انسان فقر و افلاس کی وجہ سے کسی کے سامنے دستِ سوال پھیلاتا ہے تو اللہ اس پر ستر دروازے فقر کے اور کھول دیا کرتا ہے۔ تو ہر ایک کا ایک ردّل ہے، اور انعام ہم کو آخرت کی زندگی میں ملے گا۔ وہاں جاکر انعام ملے گا، جو ردّل ہم نے تمھارے سپرد کیا تھا اس کو تم نے کس حد تک صحیح طریقے سے طے کیا ہے۔ اور انجام دیا ہے۔ تو عزیزو، کل گفتگو یہاں تک پہونچی تھی کہ سائنس یہ کہتی ہے کہ اس کائنات کی کوئی لِمٹ نہیں ہے، ہم کو لِمٹ دکھائی نہیں دیتی۔ تو اب ٹائم کی لِمٹ ہمیں دکھائی نہیں دیتی۔ تو اس لئے زمانہ بھی ہمیشہ سے ہے اور یہ کائنات بھی ہمیشہ سے ہے۔ اور جب مذہبی افراد یہ کہتے ہیں کہ نہیں، خدا نے اس زمانے کو پیدا کیا ہے، اس کائنات کو پیدا کیا ہے، ٹائم کو پیدا کیا ہے تو کچھ سائنٹسٹ یہ کہتے ہیں کہ کوئی شئے عدم سے وجود میں آسکتی ہے نہ لائی جاسکتی ہے۔ تو پیدا ہونے کا سوال ہی نہیں، وہ یہ کہتے ہیں، رسل نے کہا ہے کہ نہ کوئی شئے عدم سے لائی جاسکتی ہے اور نہ کوئی شئے عدم سے آسکتی ہے۔ نہ آسکتی ہے نہ لائی جاسکتی ہے۔ تو جب نہ آسکتی ہے نہ لائی جاسکتی ہے تو اس کا مطلب یہ کہ یہ کائنات ہمیشہ سے ہے اور کائنات بنی ہے مادّے سے۔ اس لئے یہ مادّہ ہمیشہ سے ہے۔ اس وقت بھی دنیا کے سائنٹسٹس کی اکثریت اللہ پر یقین رکھتی ہے۔ چند لوگ منکر ہیں۔ تو جو منکر ہیں ان سے میرا ایک سوال ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ یہ کائنات عدم سے وجود میں نہ آسکتی ہے اور نہ لائی جاسکتی ہے۔ کیوں؟ تو ان کا جواب یہ ہوگا کہ نہ ہونے سے ہونا ہو ہی نہیں سکتا۔ وہ کہتے ہیں کہ نہ ہونے سے ہونا ممکن ہی نہیں، تو جب ممکن ہی نہیں ہے تو نہ از خود ہو سکتا ہے اور نہ کوئی اس کام کو انجام دے سکتا ہے۔ تو جب یہ بات طے ہوگئی کہ کوئی شئے عدم سے وجود میں نہیں آسکتی ہے تو اس کا مطلب یہ کہ مادّے میں جو چیزیں نہیں ہیں وہ چیزیں مادّہ ہم کو نہیں دے سکتا۔ غور کر رہے ہیں آپ، عدم سے وجود میں کیسے لائے گا؟ جب خدا کائنات کو عدم سے وجود میں نہیں لا سکتا ہے تو مادّہ کسی شئے کو جو عدم میں ہو وجود میں کیسے لائے گا؟ غیر منطقی بات تو نہیں ہے؟ ارے بھئی اللہ جو قادر علی الاطلاق ہے عدم سے

وجود میں کسی شئے کو نہیں لاسکتا تو مادّہ کسی ایسی شئے کو کیسے لاسکتا ہے عدم سے وجود میں؟ مادّہ میں نہ عقل ہے، نہ احساس، نہ قدرت ہے۔ تو میں ان سائنسدانوں سے سوال کرنا چاہتا ہوں کہ اگر یہ اصول صحیح ہے آپ کا کہ کوئی شئے عدم سے وجود میں نہیں آسکتی تو مجھے یہ بتائیے کہ مادّے میں عقل ہے کہ نہیں؟ آپ کہیں گے کہ مادّے میں عقل نہیں ہے، اچھا مادّے میں زندگی ہے کہ نہیں، لائف ہے کہ نہیں؟ آپ کہیں گے کہ مادّے میں لائف نہیں ہے، میں پوچھوں گا مادّے میں احساس ہے کہ نہیں؟ تو آپ کہیں گے مادّے میں احساس نہیں ہے، جب مادّے میں حیات نہیں ہے، جب مادّے میں عقل نہیں ہے تو پوری کائنات میں یہ عقل ہی عقل کیسے دوڑتی پھر رہی ہے، کہاں سے مادّے نے دی کائنات کو جب اس کے پاس ہے ہی نہیں، غور کر رہے ہیں آپ؟ جب اس کے پاس زندگی ہے ہی نہیں، وہ خود ڈیڈ ہے تو ڈیڈ سے زندگی کیسے مل سکتی ہے۔ یہ زندگی کہاں سے آئی؟ اور جو ڈیڈ ہے اس میں احساس نہیں ہوتا۔ مادّے میں جب احساس نہیں ہے تو کائنات کے ذرّے ذرّے میں یہ احساس کہاں سے پیدا ہوا؟ کوئی بچّہ کہہ سکتا ہے کہ ہم آپ کو آج سمجھا سکتے ہیں۔ ہاں سمجھاؤ بیٹا، میں تو بیٹھا ہوں یہاں اسی لئے۔ تو بچہ نے مجھ سے کہا، یہ بتائیے کہ ریت کے ذرّوں میں عقل ہوتی ہے؟ میں کہوں گا نہیں۔ وہ کسی دھاتوں کا نام لے گا کہ اس میں عقل و دانش ہوتی ہے؟ میں کہوں گا نہیں! ذہانت ہوتی ہے؟ میں کہوں گا کہ نہیں۔ تو کہے گا اس میں نہیں ہوتی مگر انھیں چیزوں سے مل کے سلکانس، اور چپس کمپیوٹر کے بنتے ہیں اور کمپیوٹر کام کرنا شروع کرتا ہے تو پہلے حافظہ ہوتا تھا اب ذہانت بھی ہوتی ہے۔ اگر ذہانت نہ ہوتی کمپیوٹر میں تو کمپیوٹر سے شطرنج کیسے کھیلی جاتی۔ ایک طرف کمپیوٹر بیٹھا ہوتا ہے دوسری طرف ورلڈ چمپین بیٹھا ہوتا ہے، کمپیوٹر سے مقابلہ ہوتا ہے۔ تو اس کا مطلب یہ کہ عقل بھی آگئی اور ذہانت بھی آگئی۔ میں کہتا ہوں تم نے بیٹا صحیح کہا، لیکن یہ بتاؤ کمپیوٹر میں عقل کہاں سے پیدا ہوئی ہے، کسی صاحبِ عقل نے دی ہے کہ نہیں دی۔ تو کائنات میں از خود عقل کا ہونا اور عقل کے مظاہرے کا ---------

--------- تو رسُول تھا، اس نے بتایا کہ " اوّل ما خلق اللّٰہ نوری" اللہ نے سب سے پہلے

میرا نور پیدا کیا، غور فرماتے رہیئے گا۔ میں سائنس سے ہٹوں گا نہیں۔ رسولؐ فرماتے ہیں کہ "اول ما خلق اللّٰہ نوری" اللہ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا۔ مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ جب یہ حدیث آگے بڑھتی ہے تو واحد کا صیغہ جمع میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ہمارے بعد ساری کائنات کو پیدا کیا، ملائکہ کو پیدا کیا گیا۔ ہم نے جب تسبیح کی تو ملائکہ کو تسبیح کرنا آئی ہم نے جب سجدہ کیا تو ملائکہ کو سجدہ کرنا آیا، ہم نے جب لاالٰہ الا اللہ کہا تو ملائکہ کو لاالٰہ الا اللہ کہنا آیا۔ تو میں کہوں گا، یا رسول اللہ شروع تو فرمایا تھا کہ اللہ نے پہلے میرا نور پیدا کیا، پھر جب آگے بڑھے تو جمع کا صیغہ کیسے شروع ہو گیا؟ تو شائد ارشاد فرمائیں گے کہ یہ اسی لئے ہے کہ یہ نہ سمجھنا کہ ہم ایک تھے، ایک نور تھا جو چودہ میں تقسیم ہو گیا۔ صلواۃ بر محمدؐ و آل محمدؐ۔

بے شک آپ کو یہ کہنے کا حق حاصل ہے کہ ہم اس بات کو صحیح نہیں مانتے کہ رسولؐ کو سب سے پہلے پیدا کیا گیا، اس کے بعد ساری کائنات بنی۔ نہیں مانتے تو نہ مانئے مگر آپ کو ماننا پڑے گا۔ کیسے؟ دیکھئے اگر میرے سامنے کوئی شئے نہیں بنی ہے تو میں نہیں بتا سکتا کیسے بنی ہے وہ۔ اور اگر میں کسی شئے کے بارے میں بتا دوں کہ وہ ایسے بنی ہے، ایسے بنی ہے اور بعد میں آپ ٹسٹ کر کے دیکھ لیں کہ جو کہا تھا وہ سچ کہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کہنے والا بات کا سچا ہے کہ اس کے سامنے ساری چیزیں بنی ہیں۔ اب رسولؐ و ائمہؑ طاہرینؑ کے ارشادات کو آپ ملاحظہ فرمائیں تو کس شئے کی حقیقت کے بارے میں ان حضرات نے نہیں فرمایا۔ افسوس یہ ہے کہ مسلمان اسکالرس کو بطلیموس کے اوپر اعتقاد و یقین رہا اور ائمہ طاہرینؑ کے ارشادات پر اعتبار نہیں ہوا۔ یہ ہوتا ہے جب اقتدار ملوکیت کے ہاتھ میں چلا جاتا ہے۔ کیا امام محمد باقر علیہ الصلواۃ والسلام نے یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ یہ تمھارا ایک عالم جو دکھائی دے رہا ہے۔ ایک عالم نہیں ہے ایسے ان گنت عالم ہیں جن کی تمھیں خبر نہیں ہے۔ کیا جب امام جعفر صادقؑ سے پوچھا کہ آدمؑ کے پہلے کیا تھا؟ تو آپ نے فرمایا کہ آدمؑ سے پہلے ایک اور آدم تھے جو اپنی پوری نسلوں اور تہذیبوں سمیت گزر گئے اور جب وہ تہذیب ختم ہو گئی تمدن ختم ہو گیا تب پھر ایک نئے آدم پیدا ہوئے۔ پوچھا ان کے پہلے، کہا ان کے پہلے ایک اور

آدم، یہ سلسلہ لاکھوں برس سے چلا آرہا ہے، لاکھوں برس سے چلا آرہا ہے کہ آدم کے پہلے آدم، آدم کے پہلے آدم، آدم کے پہلے آدم، آدم کے پہلے آدم، جب ایک آدم پوری اپنی جنریشن کے کے ساتھ ختم ہو گئے تو دوسرے آدم پیدا ہوئے اور کہا اب یہی ہو گا کہ جب تمھاری قیامت ہو جائیگی تو اللہ پھر نئے سرے سے ایک اور آدم پیدا کرے گا۔ آکسفورڈ سے ایک کتاب چھپی ہے میرے پاس موجود ہے۔ "وی آر ناٹ دی فرسٹ" (WE ARE NOT THE FIRST) تھیوری آف ایوولیشن کے ذریعہ ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ انسان نے موجودہ شکل بیس بائیس ہزار برس قبل اختیار کی تھی۔ لیکن اس کتاب کو پڑھئے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ "نوادا" امریکہ میں جو ریگستان ہے، وہاں کے ریگستان سے جوتے کا ایک FOSSIL ہم ڈھونڈ کر نکالا گیا اور جب اس کیمیکل کا انالیسس کیا گیا تو معلوم ہوا کہ دو سال کروڑ پرانا ہے۔ یہ جوتا باقاعدہ سی کر بنایا گیا تھا۔ تو دو کروڑ سال پہلے سلا ہوا جوتا پہننے والا انسان بھٹ میں رہنے والا انسان نہیں ہو سکتا۔ غور فرمایا آپ نے۔ اور جب میں ۱۹۷۶ء میں پہلی مرتبہ آیا تھا تو جن حضرات نے سنا تھا انہوں نے سُنا تھا اور جنھوں نے نہیں سُنا تھا وہ کیسٹ محفوظ ہوں گے سُن لیں کہ مولائے کائنات سے جب پوچھا گیا کہ سورج اور زمین کا فاصلہ کتنا ہے؟ جو ایکزیکٹ فاصلہ ہے وہ مولا علیؑ نے بتایا کہ نہیں بتایا، سورج کے سرکم فرنس کے بارے میں جب پوچھا گیا اس زمانہ میں جب کہ عربی زبان میں ہزار کے آگے گنتی بھی نہیں تھی تو مولا نے کس فارمولے سے بتایا کہ جب آج ہم انالیسز کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ایکزیکٹ وہی سرکم فرنس ہے کہ جو آج جدید تحقیق بتا رہی ہے، تو میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ یہ سب ایکزیکٹ باتیں مولانا نے کیسے بتائیں؟ جو بعد میں پیدا ہوتا ہے وہ پہلے پیدا ہونے والے کے عقل کے ذریعہ سمجھتا ہے، تجربہ کے ذریعہ سمجھتا ہے۔ جس کی نظروں کے سامنے پیدا ہوتا ہے، اسے عقل و تجربہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔

بس برادرانِ عزیز۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک ہو تو آپ انکار کر دیں، دو روایتیں ہوں تو آپ انکار کر دیں، تین ہوں تو انکار کریں، ایک انبار روایتوں کا ہے، ماضی کی خبر دی

مستقبل کی خبر دی۔ آج کا "جنگ" پڑھا ہو گا آپ نے؟ مجھے شکایت ہے کہ "جنگ" کالم لکھنے والوں کو ذرا تحقیق سے کام لینا چاہیے ہے، دیکھنا چاہیے کہ واقعی روایات کون سی صحیح ہو سکتی ہے۔ نہیں لوگ چھان بین کرتے۔ بہر حال۔ تو اس میں لکھنے والوں نے لکھا ہے کہ عاشورکے دن کیا کیا ہوا۔ وہ جتنی باتیں خوشی کی ہو سکتی تھیں، ان کو جتنی یاد تھیں وہ سب سمیٹ کے انہوں نے عاشورہ کے دن گڑھ دیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان کو یاد ہی نہیں تھا کچھ اور جتنی بھی خوشی کی باتیں ہو سکتی تھیں، وہ جناب نوحؑ کا سفینہ رُکا تھا، عاشور کا دن تھا اور جناب موسیٰؑ کے لئے دریا پھٹا تھا وہ عاشور کا دن تھا اور جب ابراہیمؑ آگ سے بچے تو عاشور کا دن تھا اور یہ ہوا تو عاشور کا دن تھا، وہ ہوا تو عاشور کا دن تھا۔ سب یہ باتیں لکھتے لکھتے، سب فرضی روائتیں۔ اب اس آدمی سے آپ توقع نہیں کر سکتے کہ وہ آپ کا ہمدرد ہو گا۔ مگر اسی میں یہ بھی ہے کہ آج کے دن کی اہمیت یہ بھی ہے کہ جب حسینؑ پیدا ہوئے تو رسولؐ اپنے نواسے کو گود میں لئے ہوئے تھے پھر تھوڑی دیر کے بعد رونا شروع کیا تو کسی بی بی نے پوچھا کہ آپ کیوں رو رہے ہیں یہ تو بچہ پیدا ہوا ہے خوشی کا موقع ہے کہا کہ ہاں میں خوش ہو رہا تھا مگر جبریلؑ نے آکر مجھے یاد دلادی کربلا کی داستان۔ بین بچوں سے اپنے پوچھنا چاہتا ہوں کہ یہ واقعہ جو ساٹھ برس کے بعد ہونے والا ہے، اس کی رسولؐ کو ابھی سے کیسے خبر ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی "سورس آف نالج" ہے، کوئی عالم الغیب حقیقی ہے کہ جو رسولؐ کو بتا رہا ہے، ورنہ کیا ہے "سورس آف نالج" آپ مجھے بتائیں؟ جنگ صفین ہو رہی ہے اور جنگ صفین میں حسینؑ کو پیاس لگتی ہے اور ایک مرتبہ حسینؑ فرماتے ہیں کہ کوئی ہے جو مجھے تھوڑا سا پانی پلا دے۔ قبل اس کے کہ سپاہی کوئی جائے، کوئی غلام یا کوئی نوکر جائے، مولا علیؑ نے دیکھا کہ عباسؑ، بارہ برس کی عمر اپنے بڑے بھائی کے لئے پانی لئے ہوئے چلے آرہے ہیں مگر پانی لانے کی شان کیا ہے؟ بچپنا بھی ہے، احترام بھی ہے کہ پانی کا ظرف ہاتھ میں نہیں لئے ہوئے ہیں بلکہ سر پر رکھے ہوئے ہیں۔ اب سر پر جب پانی کا برتن رکھا ہے تو پانی چھلک چھلک کر جسم کے اوپر گر رہا ہے۔ لوگوں نے کہا، یا علیؑ مبارک ہو کتنا چاہنے والا

بچو ہے یہ اپنے بڑے بھائی کا کس عزت و احترام کے ساتھ پانی لے کر آرہا ہے۔ جنگ صفین بھی تو فرات کے کنارے ہوئی تھی نا؟ اب تاریخ سے کیسے کھرچیئے گا کہ مولا علیؑ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ کہا یا علیؑ یہ رونے کی بات ہے، یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے کہ ایسا چاہنے والا چھوٹا بھائی ہے۔ کہا کہ ہاں میں دیکھ رہا ہوں جس طرح آج اس کے سر سے پانی ٹپک رہا ہے، یہی زمین ہوگی اسی کے قرب وجوار میں ایک دن اس کے سر سے خون کی دھاریں اسی طرح سے بہہ رہی ہوں گی۔ یہ کس نے بتایا؟ سوچئے ذرا سا، غور کیجئے۔

بس عزاداران حسینؑ، آج آپ کو یاد دلانے کی ضرورت نہیں ہے، قمر بنی ہاشم، سقائے سکینہ، ابوالفضل العبّاس، باب الحوائج۔ العبد الصالح کے لئے آج کی تاریخ مخصوص ہے۔ یا علیؑ! میں آپ کے بیٹے کی تعریف کرنا چاہتا ہوں آپ کے مقابلے میں۔ آپ ظاہر ہے کہ خوش ہوں گے۔ یہ بتائیے کہ حضرت عیسیٰؑ رسول اللہ تھے کہ نہیں تھے؟ تھے نا؟ حضرت موسیٰ رسول اللہ تھے؟ حضرت نوحؑ رسول اللہ تھے؟ حضرت ابراہیم رسول اللہ تھے؟ یہ سب رسول اللہ تھے کہ نہیں تھے؟ یہ سب اللہ کے بھیجے ہوئے رسول تھے کہ نہیں تھے؟ لیکن اگر اس مجلس میں کہوں آپ کے سامنے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا تو کیا سمجھیں گے؟ کہ ابراہیم نے کہا، حضرت موسیٰؑ نے فرمایا، حضرتِ عیسیٰ نے فرمایا؟ اگر نام لئے بغیر میں صرف لقب بولوں کہ رسول اللہ نے فرمایا تو آپ کیا سمجھیں گے؟ یہی کہ حضور نے فرمایا۔ غلط تو نہیں کہہ رہا ہوں۔ اسلام کے لشکر کے علمدار جناب جعفر بھی رہے، جنگ موتہ میں حضرت عبداللہ ابن رواحہ بھی رہے اور سب سے زیادہ ۹۹ فیصدی علیؑ ابن ابیطالب رہے۔ دس سال علمداری کی، لیکن اس مجمع سے اگر میں علیؑ کا نام لئے بغیر کہوں "علمدار" تو کون یاد آئے گا؟ کوئی یاد نہیں آئے گا، علیؑ بھی یاد نہیں آئیں گے۔ علیؑ نے دس برس علمداری کی اور عبّاسؑ نے دس گھنٹے وہ علمداری کی مگر اب جب علمدار کہا جاتا ہے تو کسی کا تصور نہیں ہوتا۔ ہر ایک کو عباسؑ یاد آتے ہیں۔ بس، بڑا خوبصورت جوان تھا، بڑا حسین، حسن کا پیکر جو دیکھتا تھا اس کی نظریں

جم جاتی تھیں، روایت میں ہے مدینے سے کبھی عباسؑ و علی اکبرؑ ساتھ ساتھ گزرتے تھے تو جو آدمی جس صورت میں ہوتا تھا اسی عالم میں رہ جاتا تھا۔ اگر ایک دوکان کے سامنے سے گزر رہے ہیں اور وہ کچھ تول رہا ہے تو اس کا ہاتھ جیسے شل ہو گیا بس وہ چہرہ دیکھتا رہ جاتا ہے تولنا بھول گیا۔ علی اکبرؑ و عباسؑ کا حسن اس منزل پر تھا۔ آپ کو معلوم ہے کہ عباسؑ ابنِ علیؑ۔ میں نے سارے لقب لئے آپ کے سامنے، سقائے سکینہ، علمدار، باب الحوائج، سب کچھ میں نے کہا آپ کے سامنے۔ لیکن ایک لفظ اور کہوں گا۔ تمنّائے قلبِ علیؑ۔ اس لئے کہ عقیل سے کہا تھا کہ میرے لئے ایک ایسی خاتون تلاش کرو کہ جس سے وہ۔ پھر دیکھئے وہی بات آ گئی۔ اللہ مجھے اس کے ذریعہ ایک بچہ دے کہ جو کربلا میں میرے بیٹے حسینؑ کی مدد کرے یہ سب کیسے معلوم تھا؟ اس کا مطلب کہ کوئی قوت ہے جو بتانے والی ہے اپنے مخصوص بندوں کو جتنا مناسب سمجھتی ہے تو اس وقت حضرت فاطمہ کلابیہ سے جن کی کنیت بعد میں اُم البنین ہوئی، مولا علیؑ کا عقد نکاح ہوا۔ اور جب یہ بیوی خانۂ علیؑ میں داخل ہوئی تو آ کر پہلے علیؑ کے دروازے کو بوسہ دیا جب گھر میں تشریف لائیں تو پوچھا کہ میرے شاہزادے حسنؑ و حسینؑ کہاں ہیں؟ کسی نے بتایا کہ حجرے میں آرام کر رہے ہیں۔ بی بی نے آہستہ سے حجرے کا دروازہ کھولا' جانے کے بعد پہلے ایک بچے کے تلوؤں کو چوما، پھر دوسرے بچے کے تلوؤں کو چوما۔ ظاہر ہے کہ بچوں کی آنکھ کھل گئی۔ کہا آپ کون؟ کہا کہ میں تمہارے گھر میں آئی ہوں، ماں بن کر نہیں آئی تم میرے شاہزادے ہو میں تمہاری کنیز بن کر آئی ہوں۔ عزاداران حسینؑ! عباسؑ کے دنیا میں آنے میں دو شخصیتیں وسیلہ بنیں اللہ کی طرف سے۔ ایک ام البنین، ایک مولا علیؑ۔ یعنی اُم البنین کی وفا اور احترام اس حد تک کہ ماں ہونے کے باوجود اپنے کو بچوں کی کنیز کہا اور مولا علیؑ کی شجاعت یہ دو چیزیں عباسؑ کو ورثے میں مل گئیں۔ ماں کی طرف سے وفا' باپ کی طرف سے شجاعت۔ افسوس یہ ہے کہ کربلا کے میدان میں ماں کی وفا تو ظاہر ہو سکی باپ کی شجاعت حسینؑ نے ظاہر نہ ہونے دی۔ کل بھی ایک چھوٹی سی مجلس میں میں نے پڑھا تھا کہ

ماں نے کہا تھا کہ میں کنیز ہوں تو شبِ عاشور جس وقت کہ امام حسینؑ تشریف لے جارہے تھے ابن سعد سے کچھ گفتگو کرنے کے لیے، گفتگو ہونا تھی۔ اُدھر سے پسر سعد آرہا تھا ادھر سے امام حسینؑ تشریف لے جارہے تھے تو عباسؑ نے کہا کہ فرزند رسولؐ میں بھی چلوں۔ تو کہا عباسؑ میں منع تو نہیں کرسکتا مگر انصاف کی بات نہیں ہے۔ کہا مولا کیا بات؟ کہا دیکھو اس کے ساتھ اس کا بیٹا آرہا ہے تو میں بھی اپنے ساتھ اپنے بیٹے کو لے کر جارہا ہوں، تم کو کیسے لے جاؤں؟ اگر اس کے ساتھ اس کا بھائی ہوتا تو تم کو بھی لے لیتا۔ کہا مولا ذرا غور سے دیکھیے۔ اس کے ساتھ اس کا بیٹا ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ اس کا ایک غلام بھی آرہا ہے۔ میں کب اپنے آپ کو آپ کا بھائی کہتا ہوں؟ آپ مجھے غلام سمجھ کر لے چلیے۔ تو یہ دفعہ تو عباسؑ کی بار بار سامنے آئی مگر ہائے وہ شجاعت جس کا انتظار کر رہا تھا یہ غازی اس کا موقع حسینؑ نے آنے نہیں دیا۔ شجاعت اتنی تھی کہ جب شبِ عاشور زہیرؑ نے کہا ہے کہ عباسؑ میں آپ کو بتاتا ہوں کہ آپ کی ولادت کیوں ہوئی۔ پورا واقعہ بتایا جو میں آپ کو بتا چکا ہوں تو فرمایا اے زہیرؑ تم مجھے کیا شجاعت یاد دلاتے ہو؟ یہ کہہ کے انگڑائی لی تو گھوڑے کی رکابیں ٹوٹ گئیں اور کہا کہ زہیرؑ دیکھنا کل میں وہ جنگ کروں گا جو تاریخ میں یادگار ہو جائے گی۔ یہ تھی عباسؑ کی تمنا کہ وہ جنگ کروں گا کہ جو یادگار ہو جائے گی مگر افسوس میرے مولا حسینؑ نے عباسؑ کا یہ سخت امتحان لیا کہ اتنی ہتھکڑیاں اور بیڑیاں ڈال دیں شجاعت میں کہ عباسؑ کو اظہارِ شجاعت کا موقع نہ مل سکا۔ جب سب شہید ہوگئے اور اب بس عباسؑ و علی اکبر رہ گئے تو ایک مرتبہ عباسؑ ابن علیؑ آئے کہا مولا مجھے بھی اجازت دیجیے، کہا کہ بھیا تم تو میرے لشکر کے علمدار ہو، جب تک تمھارے کاندھے پر یہ علم ہے خیمے کے اندر بی بیوں کی نظر علم کے اوپر ہے، یہ تمھارا علم اور علم کا پھریرا ان کی چادروں کا محافظ ہے۔ یہ علم نہیں رہے گا تو ان کے دل ٹوٹ جائیں گے۔ حسینؑ اجازت نہیں دیتے تھے، ایک مرتبہ ایک پیاری بچی آئی روایت آپ کی سنی ہوئی ہے اور اس نے آکر کہا چچا آپ تو کہتے تھے کہ سکینہؑ میں تم سے بہت

محبّت کرتا ہوں۔ مگر میرے سوکھے ہوئے ہونٹوں پر آپ کو ترس نہیں آتا؟ میرے نیلے رخسار پر آپ کو پیار نہیں آتا؟ چچا میں پیاس سے ہلاک ہوئی جاتی ہوں اگر ہو سکے تو تھوڑا سا پانی میرے لئے لے کر آجائیے۔ بس عبّاسؑ کو موقع ملا، کہا، بچی جا اور مشک لے آ۔ بچی چھوٹی سی مشک لے کر آئی۔ عبّاسؑ نے مشکیزہ علم میں باندھا۔ اور دیکھئے کس خلوص کے ساتھ عبّاسؑ نے مشکِ سکینہؑ کو علم میں باندھا تھا کہ آج شہادت کو لگ بھگ پندرہ سو سال ہو چکے ہیں مگر مشکِ سکینہؑ اور علم کا ساتھ نہیں چھوٹا۔ جہاں جہاں علم عبّاسؑ، وہاں وہاں مشکِ سکینہ۔ کہا آقا پانی لانے کی اجازت دے دیجئے، کہا اچھا جاؤ، گئے اور حملہ کیا پہلے ہی حملے میں گھاٹ صاف ہو گیا۔ فرات میں گھوڑا اڑا لا، لگام ڈھیلی کر دی، مطلب یہ کہ پیاسا ہے تین دن کا پانی پی لے۔ گھوڑے نے منھ اٹھا کر اپنے آقا کو دیکھا، کیا مطلب؟ یعنی جب تک آپ پانی نہ پئیں ہم پانی کیسے پئیوں گا۔ عبّاس اترے پانی ہاتھ میں لیا اور ہاتھ میں لینے کے بعد پھینک دیا۔ مشکِ سکینہؑ کو بھرا، اور اس کے بعد پیاسا گھوڑا پیاسا سوار۔ دونوں فرات کے باہر آ گئے اور اب پسرِ سعدؔ نے کہا کہ سارا لشکر گھیر لے، یہ مشک خیام حسینی تک پہنچنے نہ پائے۔ جنگ چھڑ گئی، پورا لشکر ایک طرف ایک سپاہی ایک طرف۔ علم کو بھی بچانا ہے، مشک کو بھی بچانا ہے۔ ارے سینکڑوں تیر برس رہے ہیں کوئی ایک تیر آ کے مشکِ سکینہ پر لگ سکتا ہے۔ اب دیکھئے عبّاسؑ کا کیا کمالِ جنگ ہے کہ کوئی تیر مشک سکینہ پر نہیں لگنے دیتے اور لڑتے بھڑتے خیمے کی طرف بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ یہاں تک کہ یقین ہو گیا ان لوگوں کو کہ اس طریقہ سے عباسؑ کو روک نہیں سکتے ہم۔ لہٰذا دشمن ایک درخت کی آڑ میں آیا اور آنے کے بعد عبّاسؑ کے داہنے بازو کو کاٹ دیا۔ عباسؑ نے بائیں ہاتھ سے جنگ کرنا شروع کی۔ ایک دوسرے دشمن نے آکے بایاں بازو بھی کاٹ دیا۔ اب عباسؑ نے کیا کیا مشکِ سکینہؑ دہن میں دبالی اور گھوڑے کو ایڑ پر ایڑ۔ اب لڑ تو سکتے نہیں۔

برصغیر ہندوستان و پاکستان کے جو سب سے بڑے خطیب گزرے ہیں علاّمہ سبط حسن صاحب اعلی اللہ مقامہٗ ان کا ایک جملہ میرے کانوں میں میرے بزرگوں کے ذریعہ اب تک محفوظ ہے کہ

مرحوم اس موقع پر فرماتے تھے کہ جب عباسؑ کے دونوں ہاتھ کٹ گئے تو مشک سکینہ شبیر نے دانتوں میں دبالی۔ تو فرماتے تھے کہ میرا دل کہتا ہے کہ میں کہوں آقا۔ مولا کو مدد کے لئے بلا لیجئے، مولا کو مدد کے لئے بلا لیجئے تاکہ یہ پانی خیموں تک پہنچ جائے تو فرماتے تھے کہ عباس جواب دیں گے کہ کیسے پکاروں، دانتوں میں مشکِ سکینہ دبی ہوئی ہے۔ مولا کو میں پکاروں تو کیسے پکاروں! بس عزاداران حسینؑ! میں نے کئی مرتبہ آپ کے سامنے عرض کیا ہے روایت بڑی دردناک ہے کہ جب عباسؑ کے دونوں ہاتھ کٹ گئے تو ایک مرتبہ عباسؑ نے آسمان کو دیکھا اور کہا پالنے والے حسینؑ کے بچے پیاسے ہیں۔ یہ پانی کسی صورت سے خیمے تک پہنچ جائے۔ لیکن ابھی عباسؑ کی دعا ختم ہوئی تھی کہ ایک تیر سنسناتا ہوا اور مشکِ سکینہ توڑتا ہوا عباسؑ کے سینے کے پار ہو گیا۔ اور اب عباسؑ نے دوسری دعا کی۔ بارِ الٰہ۔ میں تیری رضا پر راضی ہوں تیرے فیصلے پر میں اُف نہیں کر سکتا۔ کوئی مصلحت ہوگی لیکن پالنے والے میری دوسری دعا سُن لے اور وہ دوسری دعا یہ ہے کہ مشک اگر سکینہ تک نہیں پہونچ سکی تو میری لاش بھی سکینہ کے سامنے جانے نہ پائے۔ بس عزاداران حسینؑ! عباسؑ کی تمنا پوری نہ ہوئی تو اس کی دو جزائیں عباسؑ کو ملیں۔ سُن لیجئے۔ ایک جزا یہ ملی کہ عباس تمھارا دل ٹوٹ گیا تو اب تمھارے دروازے کو ہم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے باب الحوائج بنائے دیتے ہیں جس کی جو تمنا ہو وہ تمھارے در پر آئے اور آنے کے بعد مانگے ہم اس کی تمنا کو پورا کریں گے اور دوسری جزا ایک اور ملی جس کی طرف میں آپ کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں بہت سے لوگ اس حقیقت سے ناآشنا ہیں اور اس سے وہ واقف نہیں ہوں گے لیکن میں پوری ذمہ داری کے ساتھ بتا رہا ہوں۔ دوسری جزا کیا ملی؟ عزاداران حسین آج بھی جہاں پر روضۂ ابوالفضل العباسؑ ہے، ضریح مبارک تو اوپر ہے۔ اصل قبر تو تہ خانے میں ہے، نیچے سرداب میں جائیے اور جاکر دیکھئے کہ عباسؑ کو ایک دائمی جزا یہ ملی ہے کہ صبح قیامت تک وہ پانی کہاں سے آتا ہے کچھ پتہ نہیں لیکن آج بھی پانی مسلسل عباسؑ کے قدموں کو چوم رہا ہے۔ آج کی تاریخ تک۔ تو اس کا مطلب یہ کہ اللہ نے کہا ٹھیک ہے تمھاری دعا پوری نہیں ہوئی تو ہم صبح قیامت تک کے لئے اس پانی کو تمھارے قدموں میں لاکر ڈال دیں گے۔

اور یہ پانی تا صبح قیامت تمھارے قدموں سے لپٹا ہوا منگتا رہے گا کہ افسوس کہ ہم سکینہ تک نہ پہونچ سکے۔ بس عزاداران حسین! ایک شقی سامنے آیا اور آنے کے بعد اس نے کہا عباس تمہاری شجاعت کیا ہوگئی؟ کہا اب آیا ہے جب میرے ہاتھ کٹ گئے۔ اس کو ترس نہ آیا اس کے ہاتھ میں ایک گرز تھا وہ گرز اس نے عباسؑ کے سر پر مارا، سر کے پرخچے اڑ گئے۔ چور چور ہوگیا سر، عزاداران حسین! اتنا بتاؤ، فطرت کا تقاضہ ہوتا ہے مجھ پر بھی گزرا ہے کہ انسان سب سے پہلے جب کسی سواری سے گرنے لگتا ہے تو ہاتھوں کا سہارا لیتا ہے کہ نہیں لیتا۔ تو میرے بھائیو، ہاتھوں کا سہارا تو وہ لے گا نا جس کے ہاتھ موجود ہوں اور عباسؑ اس زخمی سر کے ساتھ جب گھوڑے کی بلندی سے زمین پر تشریف لائے ہیں تو وہی سر آکے زمین سے ٹکرایا ہوگا۔ اور عباسؑ پر کیا گزری ہوگی۔ بس آخری جملہ سُن لیجیے۔ حسینؑ چلے، علی اکبرؑ ساتھ ساتھ ہیں، گھوڑے کو تیزی سے دوڑاتے ہوئے لا رہے تھے کہ ایک مرتبہ رُکے، اکبرؑ نے پوچھا بابا کیوں رکے۔ کہا کہ بیٹا، میرے بھائی کا کٹا ہوا ہاتھ دکھائی دے رہا ہے۔ گھوڑے سے اترے ہاتھ کو اٹھا لیا، سینے سے لگایا۔ عزادارو! یاد دلاؤں آپ کو۔ جب یہ ہاتھ حسینؑ نے عباسؑ کا سینے سے لگایا ہوگا تو اس ہاتھ کے ساتھ کتنی باتیں یاد آئی ہوں گی۔ آگے بڑھے پھر رُکے کہا بابا اب کیا، کہا دوسرا ہاتھ مل گیا۔ حسینؑ نے یہ دونوں ہاتھ اُٹھا لیے۔ اس کے بعد یہ ہاتھ کہاں گئے۔ مجھے نہیں ملتا کہ حسینؑ نے ان ہاتھوں کو لاش کے ساتھ رکھ دیا یا خیمے کے اندر لے کر چلے گئے۔ میں نے روایت میں نہیں دیکھا اس لئے نہیں عرض کر سکتا۔ اب کربلا کے بہت بعد پھر دکھائی دیتے ہیں یہ ہاتھ۔ اب کہاں دکھائی دیتے ہیں؟ اب دکھائی دیتے ہیں قیامت کے میدان میں۔ روایت بتاتی ہے جب قیامت کا ہنگامہ ہوگا، نفسی نفسی کا عالم ہوگا۔ اس وقت رسُول کی بیٹی آ رہی ہوگی اس شان سے کہ سر کے بال کھلے ہوئے ہوں گے تو رسُول پوچھیں گے، بیٹی! یہ فریادیوں کی صورت کیوں بنا رکھی ہے؟ کہا کہ اے رسول اللہ! میں تو آج اپنے اللہ سے یہ فریاد کرنے کے لئے آئی ہوں کہ کوئی

مجھے بتادے کہ میرے بچے کی خطا کیا تھی؟ کہ جو کربلا کے میدان میں تین دن کا بھوکا اور پیاسا ذبح کر دیا گیا۔ اس وقت رسولؐ فرمائیں گے، بیٹا یہ باتیں بعد میں ہوں گی پہلے یہ بتاؤ کہ اپنے چاہنے والوں کے لئے کچھ سامانِ شفاعت بھی لے کر آئی ہو؟ تو روایت بتاتی ہے کہ شاہزادی اپنی گود پھیلا دے گی۔ رسول دیکھیں گے دو کٹے ہوئے ہاتھ۔ پوچھیں گے یہ کس کے کٹے ہوئے ہاتھ ہیں۔ کہیں گی کہ بابا آپ نے نہیں پہچانا، ارے یہ میرے بچے عباسؑ کے کٹے ہوئے ہاتھ ہیں کہ جس کو گناہگارانِ اُمت کی شفاعت کے لئے لے کر آئی ہوں۔

تمام شد

نویں مجلس

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ھُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَہٗ بِالۡہُدٰی وَ دِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡہِرَہٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّہٖ وَلَوۡ کَرِہَ الۡمُشۡرِکُوۡنَ۔

برادران عزیز۔ آج محرم الحرام کی نو تاریخ ہے اور اس سال کی خالق دینا ہال کی آخری تقریر ہے۔ ارشاد اقدس الٰہی ہو رہا ہے کہ وہ اللہ وہ ہے کہ جس نے اپنے رسُول کو ہدایت کے ساتھ اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ اس دین حق کو تمام باطل نظاموں پر غالب کر دے چاہے یہ بات شرک کے پرستاروں کو کتنی ہی ناگوار کیوں نہ گزرے"

برادران عزیز۔ قرآن مجید کی ایک فضیلت ہے اور ایک مصیبت ہے۔ قرآن مجید کی فضیلت یہ ہے کہ دنیا کی سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔ قرآن مجید کی فضیلت ہے کہ دنیا میں کسی کتاب کو زبانی یاد رکھنے والے اتنے افراد نہیں ہیں جتنا اس کتاب مبارک کو یاد رکھنے والے افراد ہیں۔ اور مصیبت یہ ہے کہ قرآن کو یاد کرنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہی سہی لیکن پھر بھی کم ہے، مگر قرآن کو بھولنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ الفاظ کو بہت سے لوگوں نے یاد کیا اور معانی و مطالب و تعلیمات قرآن کو یاد کرنے والے مجھے کہیں نہیں دکھائی دے رہے ہیں۔ اور اسی لئے میں مجبور ہو رہا ہوں یہ بات آپ کے سامنے پھر عرض کرنے کے لئے کہ اگر لوگوں نے قرآن مجید کو یاد رکھا ہوتا تو اس آیت کو بھی یاد رکھا ہوتا کہ اَقِیۡمُوا الدِّیۡنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوۡا فِیۡہِ "دین کو قائم کرو اور اس میں ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو جاؤ" لوگ اسے بھول گئے۔ قرآن مجید میں شراب اور جوئے کی حرمت کی بات کرتے ہوئے ارشاد

ہوتا ہے کہ ہم نے جوئے اور شراب کو اس لئے حرام کیا ہے کہ شیطان چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ سے تمہارے درمیان دشمنیاں پھیلا دے۔ میں یہ بات آپ کے سامنے کہنا چاہتا ہوں کہ اگر قرآن وسنت کسی شئے کے فقط حرام ہونے کو بتا دیں تو صرف وہ شئے حرام ہوتی ہے اور اگر یہ بتا دیں کہ یہ شئے کس لئے حرام ہے، علت بھی بتا دیں تو پھر وہ حکم عام ہو جاتا ہے، وہ علت جہاں جہاں پائی جائے گی وہاں وہاں وہ حکم حرمت آتا چلا جائے گا۔ قرآن مجید نے کہہ دیا کہ شرک نہ کرو اس لئے کہ شرک ظلم ہے تو اس کا مطلب یہ کہ بنیادی چیز جو حرام ہے وہ ظلم ہے، تو فقط شرک حرام نہیں ہوگا بلکہ ہر وہ شئے جو ظلم کا پیکر اختیار کرے گی وہ حرمت کے دائرے میں آجائے گی۔ تو یہاں قرآن مجید کیا کہہ رہا ہے کہ ہم نے شراب و جوئے کو اس لئے حرام کیا ہے کہ اس کے ذریعہ سے شیطان تمہارے درمیان دشمنیاں پھیلانا چاہتا ہے۔ فرقہ پرستی سے مسلمانوں میں دشمنیاں پھیلتی ہیں کہ نہیں اس کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تو اگر شراب اور جوئے کی طرح فرقہ پرستی سے دشمنیاں پھیلتی ہیں تو فرقہ پرستی شراب کا حکم رکھتی ہے اور فرقہ پرستی پھیلانے والے شیطان کا حکم رکھتے ہیں۔ اس لئے کہ ارشاد اقدس الٰہی ہے کہ جو دشمنی پھیلائے مسلمانوں کے درمیان وہ شیطان ہے۔ تو اس لئے ہم سب کو متحد ہو کر یہ چند عناصر جن کو نہ دین سے ہمدردی ہے نہ اپنے فرقہ سے ہمدردی ہے، جن کو صرف اپنی جہالت کی وجہ سے جو احساس کمتری ہے اس احساس کمتری کو مٹانے کے لئے، یہ ہلکے پھلکے تنکے کی طرح سے سطح آب پر آنے کے لئے یہ ایک حرکت مذبوحی کی حیثیت رکھتی ہے کہ وہ دوسروں کی جانوں سے کھیل کر معاشرے کی سطح آب پر آنا چاہتے ہیں اور اس آخری تقریر میں یہ عرض کر رہا ہوں آپ کے سامنے کہ اس کا علاج صرف اور صرف ایک ہے کہ علم کا نور پھیلاتے جائیے جہالت کی تاریکی مٹاتے جائیے۔ اس کے علاوہ اور کوئی دوسرا چارہ نہیں ہے اور پھر میں عرض کروں گا کہ اول تو اسلام کے اعتبار سے علم دین اور علم دنیا میں کوئی فرق ہے ہی نہیں۔ اس لئے کہ دین اور دنیا میں کوئی فرق

نہیں ہے۔ دین اور دنیا میں صرف اتنا فرق ہے کہ جب انسان نفس پرست ہوجائے تو دنیا ہوتی ہے اور جب خلق پرست ہوجائے تو دین ہوتا ہے۔ جب انسان کو اپنی ذات میں سمیٹ لینا چاہے تو یہ دنیا ہے اور جب کمائے خود اور بانٹ دے دوسروں میں تو یہی دین ہے۔ لیکن بہر حال چونکہ عام طور سے علم دین اور دنیا کو الگ الگ سمجھا جاتا ہے لہٰذا میں اس مفروضے کو تسلیم کرتے ہوئے یہ بات عرض کرتا ہوں کہ اسلام میں جس طرح سے علم دین کا حاصل کرنا واجب ہے بالکل اسی طرح سے علم دنیا کا حاصل کرنا عصری علوم و ماڈرن علوم کا حاصل کرنا بھی واجب اور لازم ہے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ انھیں ماڈرن علوم ماڈرن سائنسیز اور عصری علوم کو نظر انداز کر دینے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم قرآن کی تعلیمات پر پوری طرح سے عمل نہیں کر سکے۔ ہم مسلمان ہوکر قرآن کو ماننے کے باوجود عمل نہیں کر سکے، دوسرے قرآن کو نہیں مانتے تھے مگر انھوں نے قرآن کے اصول پر عمل کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ کہیں سے کہیں پہنچ گئے اور ہم اپنی جگہ رہ گئے۔ قرآن مجید نے اب سے پندرہ سو برس پہلے مسلمانوں کو ایک حکم دیا تھا کہ اگر تم کو اس بات کی تلاش ہو کہ اللہ نے اس زمین پر زندگی کو کیسے پیدا کیا تو یہ معقولات کا علم نہیں ہے کہ در پر بیٹھے ہوئے اس پر سوچتے رہو اگر یہ دیکھنا چاہتے ہو کہ اللہ نے اس زمین پر کیسے پیدا کیا تھا تو زمین میں گھومو پھرو، ریگستانوں کی خاک چھانو، جنگلوں میں جاؤ، کوہساروں میں جاؤ، گپھاؤں میں جاؤ، زمین کی تہوں کو کھودو، "فاسیلس" نکالو۔ تم کو خود پتہ چل جائے گا کہ اللہ نے اس دنیا میں زندگی کو کیونکر شروع کیا تھا۔ مسلمانوں نے اس پر عمل نہیں کیا "ڈارون" نے اس کے اوپر عمل کیا۔ وہ زمین میں گھوما، وہ زمین میں پھرا، اس نے جنگلوں کو چھانا، اس نے ملکوں ملکوں، شہروں شہروں اور دیہاتوں دیہاتوں کی خاک چھانی اور اپنا نظریہ پیش کیا۔ اس دنیا میں خلقت کی ابتدا کیسے ہوئی تھی۔ میں قرآن مجید کو چھوڑنا نہیں چاہتا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مسلمانوں کو کیا ہوگیا ہے کہ اتنی واضح آیات قرآن مجید میں ہیں اور اتنی واضح احادیث رسولؐ موجود ہیں اور ہماری آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔

میرے عزیزو۔ انسان کے علاوہ جتنی بھی مخلوق۔ ہر اس میں ایک پہلو ہے۔ یا مادہ ہے یا روح۔ جمادات صرف مادی، نباتات صرف مادی، جانور صرف صرف مادی، ان میں جان ہوتی ہے روح ہوتی ہے۔ عرض کر چکا ہوں تفصیل سے۔ تو انسان کے علاوہ جتنی مخلوقات ہیں ان میں صرف مادہ ہی مادہ ہے۔ یہ انسان ہے کہ جس میں دونوں کی شمولیت ہے اس میں مادہ بھی ہے اور اس میں روح بھی ہے۔ جب اس میں روح بھی ہے اور اس میں مادہ بھی ہے تو اب حضور کی حدیث آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں جس سے کوئی مسلمان مجال نہیں ہے کہ انکار کر سکے۔ کہ سرکار فرماتے ہیں:۔ العلم علمان علم الادیان وعلم الابدان علم دو ہیں ایک علم دین ایک علم جسم علم دین کا تعلق انسان کی روح سے ہے، علم جسم کا تعلق انسان کے جسم سے ہے، علم دین کے ذریعہ سے انسان کی روح کو کمال حاصل ہوتا ہے اور علم جسم کے ذریعہ سے انسان مادی دنیا میں ترقیاں کیا کرتا ہے۔ تو رسول کی مہر لگی ہوئی ہے کہ یہ بھی حاصل کرو اور وہ بھی حاصل کرو۔ تو اب رسول کیا فرماتے ہیں؟ کہ دونوں علم حاصل کرو۔ علم ابدان بھی، یہ غلط ترجمہ کیا گیا ہے ابدان کا کہ جس سے مراد لے لی گئی ہے میڈیکل سائنس، علم طب نہیں بدن کہتے ہیں جسم کو تو جسم سے تعلق رکھنے والے جتنے بھی علوم ہیں وہ سب اس کے اندر آجاتے ہیں اور علم دین کا تعلق ہے انسان کی روح سے۔ تو اس کا مطلب یہ کہ اسلام یہ کہتا ہے کہ سائنس اور دین میں ٹکراؤ نہیں ہے دونوں ایک دوسرے کو مکمل کرتے ہیں۔ اور مجھے خوشی ہے کہ جو اسلام کا نظریہ ہے وہ اس صدی کے زبردست سائنٹسٹ جس کا کل میں نے ہلکا سا اشارہ کیا تھا، آئنسٹائن۔ اس کا یہی نظریہ ہے۔ وہ بھی یہی کہتا ہے کہ مذہب سے اگر سائنس کو لے لو تو مذہب کی ٹانگیں کٹ جائیں گی اگر تم نے دین سے سائنس کو مائنس کر دیا، دین سے سائنس کو مائنس نہیں کیا بلکہ انسان کی ٹانگوں کو کاٹ دیا۔ اب انسان آگے نہیں بڑھے گا کیونکہ ٹانگیں کٹی ہوئی ہیں۔ میں کہتا ہوں پرواز بھی کٹ جائیں گے۔ نہ یہ سمندر میں غوطے لگا سکے گا، نہ سمندروں کے سفر کر سکے گا، نہ یہ زمین پر چل سکے گا۔ نہ فضا میں اڑ سکے گا، نہ خلا میں جا

سکے گا' جہاں ہزاروں برس پہلے تھا وہیں بیٹھا رہ جائے گا اس لئے کہ پاؤں کٹ گئے۔ اس کے بعد دوسرا جملہ کہتا ہے کہ اگر سائنس سے تم نے دین کو الگ کر دیا تو انسان اندھا ہو جائے گا۔ کیا انسان دین کو چھوڑنے کے بعد اندھا نہیں ہو جاتا۔ جب اندھا ہو جاتا ہے تبھی تو ٹکراتا ہے۔ انسان اتنی ترقی کر گیا مگر یہ انسان کا اندھا پن نہیں ہے تو اور کیا ہے کہ اسے اپنے نفس کے علاوہ کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ اس کی خونخواری روز بروز بڑھتی جا رہی ہے' اس کا ظلم اس کا ستم اس کی یزیدیت روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ سائنس و ٹکنالوجی کو انسان کی خدمت میں صرف کرنے کے بجائے ایٹمک ہتھیار تیار ہو رہے ہیں' ہائیڈروجن بم بن رہے ہیں۔ اور اس کے لئے بھی یہ حکم ہے کہ یہ ہمارے پاس رہے دوسروں کے پاس نہ رہے یعنی ہم کو تو دوسروں کو قتل کرنے کی آزادی ہو۔ دوسروں کو جوابی وار کرنے کی ہمت نہ ہونے پائے۔ غور کیا آپ نے۔ جب سائنس دین سے الگ ہو جاتی ہے تو یہ صورتحال ہوتی ہے اس لئے میں عرض کرتا ہوں بچے سمجھیں کہ قرآن مجید نے سائنس اور دین دونوں پر ایک طرح سے زور دیا ہے آپ جانتے ہیں کہ ایک ہوتا ہے "موٹی ویشن" ایک ہوتا ہے ڈائرکشن آگے بڑھنے کے لئے موٹی ویشن کی ضرورت ہوتی ہے مگر سمت صحیح رہے اس کے لئے ڈائرکشن کی ضرورت ہوتی ہے۔ تو موٹی ویشن کے لئے بھی قرآن مجید میں آیت موجود ہے' "وخلق لکم ما فی السموات والارض" جو کچھ کائنات میں ہم نے بنایا ہے یہ بنایا ہے ہم نے مگر تیرے لئے۔ یہ سب تیرے لئے ہے خلق لکم ما فی السموات والارض' آسمانوں میں' زمینوں میں اور ساری کائنات میں جو کچھ ہے یہ سب ہم نے تمہارے لئے بنایا ہے اور حدیث قدسی نے بھی اسکی تائید کی' اے انسان ساری خلقت کو تیرے لئے بنایا ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ ڈائرکشن بھی دیا کہ "وخلقتک لی" مگر اس بات کو یاد رکھنا کہ ساری کائنات کو تیرے لئے بنایا ہے اور تجھ کو اے انسان ہم نے اپنے لئے بنایا ہے۔

تو میں برادران عزیز۔ اسلام کہتا ہے کہ نہ سائنس کو بھولئے اور نہ سائنس کے پیدا کرنے

والے کو کھولئے سائنس کے ذریعہ سے انسان کو قوت ملتی ہے دین کے ذریعہ سے انسان کو جہت ملتی ہے۔ سائنس کی وہ حیثیت ہے جیسے کسی کار کا انجن۔ اور دین کی وہ حیثیت ہے جیسے کسی کار کا اسٹیرنگ۔ سائنس سے انسان کائنات کو پہچانتا ہے دین سے انسان اپنے نفس کو پہچانتا ہے اور جب اپنے نفس کو پہچانتا ہے تو وہ اپنے پروردگار کو پہچانتا ہے۔

برادران عزیز۔ اللہ کی قوت، اس کی طاقت، میں نے ایک لفظ عرض کیا تھا ایک مجلس میں کہ اللہ خالق بھی ہے اور بدیع بھی ہے، بدیع کے معنی یہ ہے کہ جو کام کرتا ہے انوکھا کرتا ہے اس کے اپنے کام میں ڈپلیکیشن نہیں ہوتا۔ اس نے جو بنا دیا اس کی نقلیں تو بن سکتی ہیں مگر خود وہ اپنی نقل نہیں کرتا، ہر انسان کو بنایا الگ۔ ہر شئے کو بنایا الگ۔ اس کی مثالیں میں نے آپ کے سامنے دی تھیں۔ اور اس کی قدرت کا ایک اور کمال آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ اور یہیں سے اپنی منزل کی طرف مڑ جاؤں گا کہ اس کی قدرت کا کمال یہ بھی ہے کہ اس نے ہمیشہ دنیا کی بہترین چیزوں کو دنیا کی پست ترین چیزوں سے پیدا کیا۔ اس نے ہیرے اور جواہرات کاہے سے بنائے؟ پتھر سے۔ مٹی کے ذروں سے۔ اس نے گلاب کے پھول، موتیا، چمیلی، حسین و جمیل پھول، خوشبو دینے والے پھول کاہے سے پیدا کئے؟ سونے اور چاندی سے پیدا نہیں کئے غلیظ کھاد سے پیدا کئے۔ اس نے اپنی قدرت کا شاہکار انسان مٹی سے بنایا جس سے زیادہ پست کوئی شئے ہوتی نہیں۔ میرے عزیزوں! میں یہ کیوں آپ کے سامنے عرض کر رہا ہوں کہ اللہ کا کمال قدرت یہ ہے کہ اس نے ہمیشہ بہترین چیز کو بدترین اور پست ترین چیز سے بنایا اور یہی اس کے دین کا کمال ہے کہ اس کے دین نے بھی عرب کے ایسے پست ترین معاشرے سے ایسے افراد پیدا کر دئے کہ جو بہترین خلق تھے۔ لوگ کہتے ہیں کہ حضور ہندوستان کیوں نہیں آئے۔ اس وقت کا ہندوستان آج کا نہیں۔ یہاں تعلیم کا بڑا زور و شور تھا یہاں کی سوی لائزیشن بہت آگے تھی، ہڑپا میں کیوں نہیں آگئے، موہن جوداڑو میں کیوں نہیں آگئے۔ یونان میں کیوں نہیں آگئے تو انھوں نے قدرت کا یہ اصول

نہیں دیکھا ہے کہ وہ اچھے سے زیادہ اچھا نہیں بناتا۔ بلکہ قدرت کا اصول ہی یہی ہے کہ ہمیشہ بہترین کو بدترین سے پیدا کرتا ہے۔ تو اس وقت کی دنیا میں عربوں سے بدترین کوئی نہ تھا۔ ان بدترین افراد سے اس نے بہترین افراد پیدا کئے۔ ان ملعون افراد سے اس نے ایسے افراد پیدا کئے کہ جن کے نام سے پہلے ہم حضرت کہتے ہیں اور آخر میں یا علیہ السلام کہتے ہیں یا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں۔ اس حقیقت سے آپ انکار کر سکتے ہیں؟ کیسا تھا معاشرہ؟ ارے کبھی ایسا معاشرہ تھا کہ جب شیطان بہکانے پر آتا ہے تو انسان کی فطرت کو بدل دیتا ہے۔ جو دنیا میں کہیں نہیں ہوتا تھا وہ وہاں ہوتا تھا۔ ماؤں کے ساتھ نکاح ہوتا تھا، دنیا میں کہیں ہوا ہے بتائیں؟ ماؤں کو بیوی بنا لینا دنیا میں کہیں ہوا ہے؟ مگر وہاں صورت حال یہ تھی کہ باپ مر گیا، باپ تھا بوڑھا اور ماں تھی تھوڑی نیک۔ تو یہ سسٹم تھا عرب کا کہ اگر بیٹے نے اپنی ماں کے سر کے اوپر چادر ڈال دی تو وہ ماں سے بیوی میں تبدیل ہو گئی۔ پڑھئیے عرب ہسٹری آپ۔ پستی کا عالم یہ تھا کہ بے خطا بچیاں جن کی کوئی تقصیر نہیں تھی سوائے اس کے بچیاں ہیں، سوائے اس کے لڑکی ہیں، لڑکا نہیں ہیں۔ بس اور کوئی قصور نہیں تھا۔ لڑکی کا ہونا اتنا بڑا جرم تھا کہ باپ اپنی بیٹی کو زندہ دفن کر دیا کرتا تھا۔ تفسیر پڑھیں، تاریخیں پڑھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ کیسے کیسے دردناک واقعے ہیں کہ بیٹی چیخ رہی ہے کہ بابا میں تمہاری بیٹی ہوں مجھے کیوں زندہ دفن کر رہے ہو میں نے کیا خطا کی ہے۔ میں نے کیا قصور کیا ہے؟ اور باپ مٹی کی تہوں تلے دباتا چلا جا رہا ہے۔ جہاں اتنی سی بات پر کہ تیرا گھوڑا میرے گھوڑے سے آگے نکل گیا، چالیس برس تک خونریزی جنگ ہوتی رہی۔ نسلیں برباد ہو گئیں۔ اس سے زیادہ بدتر معاشرہ تاریخ بشر میں نہ تھا۔ مگر اسی معاشرے سے کون پیدا ہوئے؟ اور آگے بڑھئے اس سے بدتر حالت تھی اتھوپیا کی، حبش کی، جہاں کے رہنے والے عرب کے اس ذلیل معاشرے میں ذلیل سمجھے جاتے تھے تو آپ اندازہ کیجئے کہ ان کا عالم کیا ہوگا۔ اس ذلیل معاشرے میں جو ذلیل سمجھے جاتے ہوں کتنی پستی میں ہوں گے

اور اسی پست ترین معاشرے سے ایک عورت اور ایک مرد جب معدن نبوت و رسالت سے قریب ہو گئے تو ایک حضرت فضہؓ بن کر دمکنے لگی اور ایک بلالؓ بن کر چمکنے لگا، غور کیا آپ نے، یہ معجزہ ہے پیغمبرؐ کا۔ میں نے پرسوں مجلس میں ایک سوال کیا تھا، سوال کا جواب میں عموماً مجلس میں دے ہی دیتا ہوں آج بھی وہ سنا دوں۔ یہاں پر سوال کیا گیا تھا کہ صاحب یہ کیا بات ہے کہ رسولؐ اللہ اور اہل بیتؑ اطہار دو جملے کہتے تھے اور وہ لوگ کنورٹ ہو جاتے تھے، بدل جاتے تھے، منقلب ہو جاتے تھے اور آج ہمارے علماء تقریروں پر تقریریں دھواں دھار کرتے ہیں کسی پر کوئی اثر ہی نہیں ہوتا ہے۔ تو میں نے اس کا جواب دو جملوں میں دے دیا تھا، میں نے کہا بھائی بات یہ ہے کہ انسان سن کر نہیں بنتا دیکھ کر بنتا ہے۔ تو ہم خالی سناتے ہیں کہ ایسے بنو، ایسے بنو، ایسے بنو۔ وہ دیکھتے ہیں کہ خود تو ایسے ہیں ہی نہیں۔ تو زبان کا اثر ختم ہو جاتا ہے۔ رسولؐ اہلبیتؑ اطہار کا مسئلہ یہ تھا کہ وہ کہتے کم تھے عمل زیادہ ہوتا تھا تو لوگ متاثر ہوتے تھے۔ تو میرے عزیز اللہ نے انسان کو پیدا کیا، تو مجھے آپ یہ بتائیں کہ اگر سمجھدار ماں باپ ہوتے ہیں تو ان کو اپنے بچوں کے بارے میں سب سے پہلے کس بات کی فکر ہوتی ہے؟ کھانا، لباس، یہ تو مجبوری ہے اس کے بغیر بچہ زندہ ہی نہیں رہ سکتا۔ اس کے بعد فکر کس بات کی ہوتی ہے؟ اس کے بعد فکر ہوتی ہے کہ میرے بچے کو بہتر سے بہتر تعلیم ملے۔ اور بہتر سے بہتر تعلیم کے لئے بہتر سے بہتر استاد کی ضرورت ہوتی ہے۔ غور کرو کہ وہ اللہ اپنے بندوں سے کتنی محبت کرنے والا تھا کہ اس نے عام انسانوں کی خلقت سے پہلے ہی آدمؑ کی شکل میں استادِ اوّل خلق کر دیا اور پھر انبیاء و مرسلین کی شکل میں ہمارے لئے استاد معین کرتا رہا اور جب نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا تو امامت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جب سے انسان ہے اس وقت سے ہادی چلا آ رہا ہے اور جب تک انسان رہے گا اس وقت تک ہدایت کرنے والا کسی نہ کسی شکل میں دنیا میں باقی رہے گا۔ مسئلہ کیا تھا؟ غور کیجئے گا۔ مسئلہ یہ ہے کہ ہم ہیں ناقص وہ ہے منزل کمال میں، ہمارا نفس ہمیں اس بات کی اجازت نہیں

دیتا کہ ہم اوپر اٹھ جائیں، اس کا کمال اس بات سے مانع ہے کہ وہ نیچے جھک جائے، تو دونوں ملیں کیسے ؟ اس لئے اس نے ایک ایسی مخلوق کو پیدا کیا کہ جس کا ایک سرا بشریت سے ملا ہوا تھا، ایک سرا الوہیت سے ملا ہوا تھا۔ جو اپنی بشریت کے اعتبار سے بشر سے ملے ہوئے تھے اور اپنی نورانیت کے اعتبار سے ان کا رابطہ براہ راست اللہ سے تھا۔ بُرا ماننے کی بات نہیں ہے ایک جملہ عرض کر رہا ہوں۔ میں نے کسی مجلس میں کہا تھا کہ اِدھر یا اُدھر ہو جانا آسان ہوتا ہے بیلنس قائم رکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ بس جنھوں نے ان کی نورانیت کو دیکھا وہ نصیری ہو گئے اور جنھوں نے ان کی فقط بشریت کو دیکھا انھوں نے کہا ہمارے ایسے۔ نہ ہمارے ایسے ہیں اور نہ خدا ہیں۔ دونوں پہلو سامنے رکھئے۔ ایک پہلو ان کو اللہ سے ملاتا ہے دوسرا پہلو آپ سے ملاتا ہے۔ اُدھر سے لیتے ہیں اِدھر دیتے ہیں۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہستیاں وہ ہستیاں ہیں کہ جن کو میں عربی زبان کے اعتبار سے کہہ سکتا ہوں کہ "ذو وجہین" ہیں۔ دو رشتے ہیں ان کے ایک رشتہ ہے بندوں سے، ایک رشتہ ہے خدا سے اور رسولؐ ہر بات زبان سے کہتے نہیں تھے عمل سے بتایا کرتے تھے مسلمانوں کو سمجھنا چاہئے۔ آج بھی علامہ رشید ترابی کی تقریر کا ایک ریکارڈ سن رہا تھا بڑی عمدہ بات کہی ہے انھوں نے کہ ہم لوگوں نے حدیثوں کو اور سیرت رسولؐ کو منجمد کر دیا ہے فریز کر دیا ہے۔ اور سیرت رسولؐ کو فریز کر دیجئے گا تو پورا اسلام فریز ہو جائے گا یہ میرا جملہ ہے۔ غور کیجئے۔ جب غور کیجئے گا تو کھلے گا کہ رسولؐ یہی بات اپنے عمل سے بتاتے تھے، کہ میرے اہل بیتؑ ان کے دو رشتے ہیں ایک رشتہ ہے بشر کا اور ایک رشتہ ہے اُدھر سے۔ بشر کے اعتبار سے جو رشتہ ہے اس کے لحاظ سے فاطمہ میری بیٹی ہے، اور اگر یہ آئے اور میں اس کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو جاؤں تو سمجھو کہ میں اُس رشتے کی تعظیم کر رہا ہوں جو میری بیٹی کو خدا سے حاصل ہے۔ اہل سنت حضرات کا بھی یہاں مجمع ہے۔ اللہ ان کو سلامت رکھے اور ہم سب کو یوں ہی اسلام کا دہنا بایاں بازو بنا کر رکھے۔ صحیح ترمذی کے الفاظ ہیں امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دو مرتبہ کی بات نہیں ہے کلما جب بھی فاطمہ زہراؑ رسولؐ

کے پاس آتی تھیں تو رسولؐ ان کو دیکھ کر کھڑے ہو جاتے تھے، ان کو مرحبا کہتے تھے، ان کے ہاتھوں کو چومتے تھے اور اپنی جگہ چھوڑ دیتے تھے اپنی بیٹی کے لئے۔ یہ اظہار عظمت کا مظاہرہ نہیں ہے تو پھر کیا ہے؟ عزیزو! تو فاطمہؑ کے دو رشتے، ایک پاک رشتہ بیٹی کا، ایک رشتہ اللہ سے۔ اس کے لحاظ سے چھوٹی ہیں اس کے لحاظ سے بڑی ہیں اور اب یہی رشتہ حسینؑ سے، لوگوں کی سمجھ میں بات نہیں آتی ہے۔ حسینؑ کو ایک رشتہ رسولؐ سے حاصل ہے نواسہ ہونے کا، اور ایک رشتہ ہے انھیں اللہ سے۔ تو حسینؑ رسولؐ کے نواسے ہیں لہٰذا گود میں بیٹھے ہوئے ہیں اور حسینؑ کا جو رشتہ اللہ سے ہے اس کا اظہار کب ہوتا ہے کہ جب اللہ کی نماز ہو رہی ہے اور وہ بھی نماز فرادیٰ نہیں بلکہ نماز جماعت، سب شیعہ سنی کتابوں میں یہ روایت پائی جاتی ہے، صحابۂ کرام پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں۔ اور بچہ در سے نکلا اور پشت رسولؐ پر آکر بیٹھ گیا۔ اب کیوں نہیں سر اٹھاتے؟ ادھر حسینؑ آکر پشت پر بیٹھے اُدھر روایتیں بتاتی ہیں کہ جبرئیلؑ آئے اور آنے کے بعد رسولؐ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا اور کہا کہ اللہ کہتا ہے کہ سجدہ آپ کا ہے کہ میرا؟ حضورؐ نے کہا اس کا، کہا کہ اس کا حکم یہ ہے کہ جب تک میرا حکم نہ ہو سجدے سے سر نہ اٹھائیے گا۔ تو حضورؐ تین مرتبہ تسبیح پڑھتے تھے تین مرتبہ اور آج ستر مرتبہ کی نوبت آگئی۔ اور اس کے بعد جب حسینؑ پشت سے اترے تو رسولؐ نے سجدے سے سر اٹھایا۔ تو حسینؑ نواسے بھی ہیں مگر وہ رشتہ جو حسینؑ کو اللہ سے حاصل ہے اس کا تقاضہ کیا ہے؟ کہ رسولؐ منبر پر ہیں، خطبہ دے رہے ہیں، احکام الٰہی بیان ہو رہے ہیں اور چھوٹا سا بچہ اپنے گھر سے باہر نکلا، اب پتہ نہیں کہ دامن پاؤں میں الجھایا جبرئیلؑ نے الجھا دیا میں نہیں کہہ سکتا۔ میں نے اتنا دیکھا کہ دامن الجھا اور بچہ زمین پر گرا تو رسولؐ نے اپنا خطبہ قطع کر دیا اور پورے مجمع کو کراس کرتے ہوئے گئے، جا کر حسینؑ کو اٹھایا، سینے سے لگایا، پیار کرتے ہوئے لائے اور لا کر اپنے زانو پر بٹھایا اور وہ منبر کہ جس پر تھوڑی دیر پہلے ذکر خدا ہو رہا تھا، اب اسی پر ذکر حسینؑ شروع ہو گیا۔ ھٰذا حسینؑ "یہ ہے حسینؑ" جناب کتابت میں الفاظ لکھے جاتے ہیں لہجہ تھوڑی لکھا جاتا ہے۔ لہجہ یہ ہے رسولؐ کا "ھٰذا حسینؑ" یہ ہے

سُنی، کہا کون؟ کہا میں ہوں حضور کا خادم ہلالؓ، کہا کیوں آ گئے؟ کہا کہ اس لئے کہ دل نہیں مانا مولا، کیا کروں کہ آپ جنگل میں اکیلے جائیں، دشمن چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں، میرے دل نے مجھے مجبور کر دیا۔ کہا کہ پھر میرے قریب کیوں نہ آ گئے، کہا قریب اس لئے نہیں آیا کہ آپ سے اجازت نہیں لی تھی۔ اگر آپ سے اجازت طلب کرتا اور آپ منع کر دیتے تو حکم تھا مجھے واپس ہونا پڑتا۔ اس کشمکش میں میں تھوڑے فاصلے سے آپ کے پیچھے پیچھے چلتا رہا۔ امام نے کہا اچھا آ گئے ہو تو میرے پاس آ جاؤ۔ اللہ اکبر کائنات کا شہزادہ، فاطمہؑ کا لاڈلا اپنے ایک سپاہی کو بلاتا ہے اور جیسے اپنے بچے کے گلے میں کوئی باہیں ڈالتا ہے اسی طرح گلے میں باہیں ڈال کر کہا۔ بلالؓ جوان ہو، کیوں اپنی جان کھوتے ہو۔ چاروں طرف سے راستے بند ہیں مگر آنے والوں کے لئے جانے والوں کے لئے کوئی راستہ بند نہیں ہے۔ چلے جاؤ۔ چلے جاؤ۔ جان بچا لو میں خوشی سے اجازت دیتا ہوں۔ بس یہ سننا تھا کہ ہلال کا بند بند کانپنے لگا۔ کہا مولا، یہ میدان چھوڑ کر چلے جائیں، قیامت نہیں آئے گی کیا؟ اور قیامت میں اگر بی بی فاطمہ نے پوچھ لیا کچھ تو مولا ہم کیا جواب دیں گے۔ وہ جواب بتا دیجئے۔ کہا، اچھا آؤ ہمارے ساتھ آ جاؤ۔ اب روایت میں یہ ہے کہ حسینؑ آگے بڑھے۔ اب ہلالؓ کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا کہ امام جگہ جگہ سے جھاڑیاں صاف کر رہے ہیں۔ کانٹے ہٹا رہے ہیں، پتھر ہٹا رہے ہیں، میں نے کہا مولا یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ کہا کہ مجھے معلوم ہے کہ کل میرا کون سپاہی کہاں پر گرے گا گھوڑے سے۔ تو میں وہ جگہیں صاف کر رہا ہوں کہ اسے چوٹ نہ لگے۔ کوئی جھاڑی اذیت نہ دے۔ کوئی کانٹا چبھنے نہیں۔ اس کے بعد امام بتلاتے چلے گئے دیکھو یہاں زہیرؓ گریں گے، آگے بڑھ کر کہا، یہاں حبیبؓ گریں گے، فرات کی طرف اشارہ کر کے کہا وہاں میرا بھائی عباسؑ گھوڑے سے گرے گا، یہاں پر علی اکبرؑ، یہاں پر قاسمؑ، یہاں تک بیان کرتے کرتے ایک نشیب تک پہنچ گئے اور ہلال یہ نشیب دیکھ رہے ہو، یہی وہ جگہ ہے کہ جہاں سجدے کے عالم میں میری گردن پر خنجر شمرؔ رواں ہو گا۔ ایک جملہ سُن لیجئے روایت یہ بتاتی ہے کہ

حسینؑ نے کہا کہ ہلال تمھیں کیا ہو گیا ہے میں تم سے کہہ رہا ہوں اور تم میری طرف متوجہ نہیں ہو کبھی اِدھر دیکھتے ہو کبھی اُدھر دیکھتے ہو۔ کہا مولا غلام کی بھی یہ مجال کہ آپ گفتگو کریں اور میں منھ اِدھر اُدھر کروں لیکن مولا میں کیا کروں میرے کان میں تو کسی بی بی کے رونے کی آواز آرہی ہے۔ یہ کون بی بی ہے جو اس طرح سے رو رہی ہے کہ جیسے کوئی ماں اپنے بیٹے کو روئے۔ امامؑ نے کہا کہ ہلالؓ تم نے نہیں پہچانا، میں اس آواز کو پہچان رہا ہوں یہ میری ماں ہے، میری دکھیاری ماں جو کربلا کے میدان میں کل آنے والے مصائب کو یاد کر کے رو رہی ہے۔ اس کے بعد ہلالؓ اور امام حسینؑ علیہ الصلواۃ والسّلام پلٹ کر خیمے میں آگئے اور اس کے بعد ایک بڑے خیمے میں آپ نے سارے اصحاب و انصار کو جمع کیا ایک خطبۂ فصیح و بلیغ دیا اور اس کے بعد کہا کہ میرے جاں نثارو، میرے سپاہیو، میرے اصحاب و انصار، یہ لشکر میری جان کا دشمن ہے اور تمھارا اس لئے دشمن ہے کہ تم مجھے بچانا چاہتے ہو۔ میں تم کو اجازت دیتا ہوں کہ چلے جاؤ۔ چلے جاؤ۔ یہ مجھے پالیں گے تو تم کو نہیں ڈھونڈیں گے۔ کوئی اپنی جگہ سے نہ ہلا تو امام نے کہا، اچھا یہ چراغ جل رہا ہے، تمھیں میری صورت دکھائی دے رہی ہے، شرم رکاوٹ بن رہی ہوگی، تو میں اس چراغ کو بجھائے دیتا ہوں اب چلے جاؤ۔ اب تو میں دیکھوں گا بھی نہیں کون گیا۔ تو عزادارو، میں عرض کیا کرتا ہوں کہ ایک چراغ بجھا تو وفا کے بہتر چراغ جلنے لگے۔ اور اب آوازیں آرہی ہیں کہ فرزند رسولؐ، یہ آپ کیا بار بار ہم سے کہہ رہے ہیں، ہم آپ کو چھوڑ کر نہیں جائیں گے، سب سے پہلے زہیرؓ اٹھے، کہا کہ مولا یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ کل راہ خدا میں آپ کی مدد کروں گا، جہاد کروں گا، تلوار سے جہاد کروں گا۔ تلوار ٹوٹ جائے گی تو نیزے سے جہاد کروں گا، جب نیزہ بھی ٹوٹ جائے گا اور میرے پاس کچھ نہیں رہے گا تو میں زمین سے پتھر اٹھا اٹھا کر دشمنوں کو ماروں گا۔ میں کہتا ہوں زہیرؓ تم نے کہا کہ تم پتھروں سے حسینؑ کے دشمنوں سے جنگ کرو گے، تم کو تو یہ موقع نہیں ملا، ہاں کربلا کے میدان میں آکر دیکھو کہ جب حسینؑ خود عصر عاشور کے قریب دشمنوں میں گھرے ہیں تو جن کے پاس تلواریں ہیں وہ تلوار چلا رہے ہیں،

جن کے پاس نیزے ہیں وہ نیزے چلا رہے ہیں، جن کے پاس کچھ نہیں ہے وہ پتھر شبیدہ کے لعل کی طرف پھینک رہے ہیں۔

بس عزادارانِ حسین! چند منٹ اور توجہ فرمالیں، صبح عاشور نمودار ہوئی، دفترِ قربانیِ حُسینؑ کا کھلا، حسینؑ ایک ایک سپاہی کی لاش لاتے رہے، خیمے کے دروازے پر رکھتے رہے۔ انصار کے جنازے لے کر آئے، بوڑھوں کے جنازے لے کر آئے، ہاں صرف کربلا کے میدان سے دو جنازے ایسے ہیں کہ جو نہیں آسکے اور ان جنازوں کے بجائے ان کی یادگاریں آئیں۔ ایک تو عباسؑ کے جنازے کے بجائے عباسؑ کا علم آیا اور دوسرے خود حسینؑ کا جنازہ نہیں آیا، بلکہ حسینؑ کا گھوڑا حسینؑ کا عمامہ لئے ہوئے آیا، حسینؑ کی سپر لئے ہوئے آیا، حسینؑ کی تلوار لئے ہوئے آیا۔ بس جب عباسؑ بھی شہید ہو گئے تو عرض کر چکا ہوں آپ کے سامنے کہ جوان بیٹا علی اکبرؑ آگے بڑھا، اور اس نے کہا بابا مجھے بھی قربان کیجئے۔ واقعہ عرض کر چکا ہوں آپ کے سامنے تفصیل سے نہیں عرض کرنا، بس اتنا عرض کرنا ہے کہ جب علی اکبرؑ روانہ ہونے لگے تو میں نے کسی شہید کے لئے نہیں دیکھا وہ، کہ جو علی اکبرؑ کے لئے دیکھا۔ دیکھئے حسینؑ کیا کہہ سکتے تھے، بڑی محبت کرتے تھے، آپ صاحبِ اولاد ہیں، میرے بھی جوان بچے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ باپ کے دل میں جوان بیٹے کے لئے کتنی محبت ہوتی ہے۔ ارے بچے بڑے خوبصورت ہوتے ہیں لیکن یہ بتائیے کہ کوئی بچہ علی اکبرؑ کا ایسا خوبصورت تھا؟ بچے بڑے سعادت مند ہوتے ہیں لیکن کوئی علی اکبرؑ کا ایسا سعادت مند تھا، کوئی ایسا تھا کہ جس کی صورت و سیرت رسولؐ سے ملتی ہو۔ اَب جب یہ بچہ جانے لگا تو حسینؑ بہت کچھ کہہ سکتے تھے۔ کہہ سکتے تھے کہ پالنے والے تو گواہ رہنا کہ لیلیٰ کی جان مرنے کے لئے جارہا ہے، زینبؑ کی آرزو شہید ہونے کے لئے جارہی ہے، علی اکبرؑ نہیں جارہا ہے۔ مگر اس میں سے حسینؑ کوئی جملہ نہیں کہتے۔ کہتے ہیں کہ پالنے والے وہ بچہ جارہا ہے کہ جو صورت میں سیرت میں رفتار میں گفتار میں میرے نانا کی تصویر تھا، جب نانا کو دیکھنے کا اشتیاق ہوتا تھا میں اس بچے کو دیکھ لیا کرتا تھا۔ یہ بچہ گیا اور تھوڑی دیر بعد اس بچے کے ٹکڑے

خیمے کے در پر لاکر رکھ دیئے گئے۔ بس عزادارو! اب حسینؑ کا دفتر خالی ہو چکا تھا۔ اک چھ مہینے کے بچے کو لے کر حسینؑ کربلا کے میدان میں آئے اور یہ آخری قربانی جو حسینؑ کی بے گناہی پر آخری مہر تھی۔ اب حسینؑ خیمہ کے در پر آئے اور آنے کے بعد آواز دی کہ السلام علیک یا زینب الکبریٰ السلام علیک یا زینب الصغریٰ، زینبؑ تم پر میرا سلام ہو، امّ کلثوم تم پر میرا سلام، رقیہؑ در بابؑ تم پر میرا سلام، میری ماں کی کنیز فضہؑ تجھ پر میرا سلام بیبیاں در خیمہ پر آگئیں کہا کہ آقا خیمے کے اندر آجایئے، حسینؑ خیمے کے اندر گئے۔ زینبؑ نے چادر بھائی کے لئے بچھا دی، حسینؑ بیٹھے، فضہؑ کو بلایا اور کہا فضہؑ ایک گوشہ میں ایک صندوق رکھا ہے اس میں اس طرح کا لباس رکھا ہے وہ لباس لے کر آجا، مگر دیکھنا میری زینبؑ کی نظر نہ پڑنے پائے۔ فضہؑ آہستہ آہستہ چلیں، زینبؑ نے پوچھا کہاں جا رہی ہو، کہا کہ شاہزادی آپ کے بھیا نے منع کیا ہے کیسے بتادوں؟ کہا کہ تجھے میری ماں کے حق کی قسم بتادے کہاں جا رہی ہے۔ کہا کہ شاہزادی وہ آپ کے بھائی نے ایسا ایسا لباس مانگا ہے بس سننا تھا کہ شاہزادی نے بلند آواز سے چیخ مار کر کہا کہ فضہؑ یہ نہیں کہتی کہ میرے بھائی کا کفن لے کر جا رہی ہے۔ میری ماں نے مجھے بتایا تھا کہ جب حسینؑ یہ لباس پہنیں تو یہ سمجھنا کہ اس کے بعد اب دوسرا لباس حسینؑ کو نصیب نہیں ہوگا۔ وہ لباس آیا، حسینؑ نے جگہ جگہ سے تار تار کیا بس اسکے بعد حسینؑ کھڑے ہوگئے کہا: بیبیو! مجھے رخصت کرو۔ کہا کہ ہمارے دل کی ایک تمنا ہے آپ پوری کر دیجئے، کہا کیا؟ کہا اب اس کے بعد ہم آپ کی زیارت نہیں کر سکیں گے۔ زینبؑ نے کہا کہ بیبیاں یہ چاہتی ہیں کہ ایک بڑے خیمے میں ساری بیبیاں دونوں طرف صف بنا کر کھڑی ہو جائیں اور آپ ان کے درمیان سے گزرتے ہوئے چلے جایئے۔ تاکہ ہر بی بی آخری مرتبہ امام وقت کی زیارت کرے۔ کتنا دشوار مرحلہ ہے کہ بیکس سیدانیاں دونوں طرف صف باندھے ہوئے کھڑی ہیں، حسینؑ سر جھکائے ہوئے درمیان سے گزر رہے ہیں، واہ محمداہ کی آوازیں بلند ہو رہی ہیں۔ واعلیاہ کی آوازیں بلند ہو رہی ہیں، حسینؑ خیمہ کے باہر آئے۔ کتب مقاتل لکھتے ہیں کہ حسینؑ نے بہ آواز بلند کہا عباسؑ کہاں ہو آکر بھائی کو سوار کرو۔ بیٹا علی اکبرؑ خاک سے اٹھو بابا کو سوار کرو، نورِ نظر قاسمؑ

اٹھو چچا کو سوار کرو معلوم ہوتا ہے کہ حسینؑ نے اتنی زور سے یہ جملے کہے کہ خیمہ کے اندر آواز پہنچ گئی، خیمہ کا پردہ اُٹھا بہن تڑپ کر باہر آ گئی کہا بھیّا عباسؑ کہاں ہے جو سوار کرے گا، علی اکبرؑ کہاں ہے جو سوار کرے گا؟ آیئے میں رکاب تھام کر آپ کو سوار کر دوں میں اپنی شاہزادی سے بس ایک سوال کرنا چاہتا ہوں کہ بی بی، حسینؑ زخمی تو نہیں ہیں کہ خود سے سوار نہ ہو سکیں۔ آپ نے رکاب تھام کر اپنے بھائی کو گھوڑے پر سوار کر دیا۔ اے گھوڑے پر سوار کرنے والی بہن، ذرا عصرِ عاشور کے وقت اس وقت آ جائیے جب حسینؑ گھوڑے سے اُترنا چاہ رہے ہیں اور نہیں اُتر پا رہے ہیں۔ سوار تو آپ نے کر دیا، اُتارنے والا کوئی موجود نہیں، عزادارانِ حسینؑ، اگر جانور کی بھی خدمتیں ہیں تو ہم اس کا ذکر کرتے رہتے ہیں، اس لئے کہ قرآن نے ہم کو یہی تعلیم دی ہے۔ حسینؑ کربلا میں جہاد کرتے کرتے جب اتنا زخمی ہو گئے کہ حسینؑ کے گھوڑے نے محسوس کیا اب میرا سوار زین فرس پر بیٹھنے کے لائق نہیں ہے تو بچارہ گھوڑا کیا کرتا ایک مرتبہ دونوں زانو ٹیک دیے، زمین پر بیٹھ گیا کہ سوار گرے تو زین اور زمین میں فاصلہ کم سے کم ہو۔ حسینؑ گھوڑے کی بلندی سے زمین پر تشریف لائے، مگر امامؑ وقت کے اتنے ہوش و حواس تھے کہ اس بات کا حسینؑ کو خیال ہوا کہ زینبؑ کو خبر کیسے ہو گی کہ مجھ پر کیا گزری کون جا کر بتائے گا۔ تو ایک مرتبہ حسینؑ نے سر سے عمامہ اُتارا، زین فرس پہ رکھا، تلوار ایک طرف لگا دی۔ بس اب حسینؑ میں طاقت نہیں تھی، زمین پر لیٹ گئے۔ آرام کر رہے ہیں، سینے سے خون کا فوارہ جاری ہے گھوڑا آگے بڑھا، گھوڑے نے حسینؑ کے سینے سے اُبلنے والے خون سے اپنے چہرے کو رنگین کیا تھا، پھر یہ گھوڑا دوڑتا ہوا خیمہ کی طرف چلا، خیمہ کے در تک پہنچا تو گھوڑا چیخا۔ زینبؑ نے کہا سکینہ تیرے بابا کے گھوڑے کی آواز آ رہی ہے دیکھ شاید تیرا بابا آ گیا۔ ایک مرتبہ سکینہ نے جب خیمے کا پردہ ہٹایا تو منظر یہ دیکھا کہ گھوڑا تو موجود ہے مگر سوار موجود نہیں ہے کہا پھوپھی گھوڑا تو آیا ہے مگر میرا بابا نہیں آیا۔ بیبیاں خیموں سے باہر نکل آئیں چاروں طرف سے ذوالجناح کو گھیر لیا، وامحمدا، واعلیا کی آوازیں بلند ہیں، واحسیناہ کا ماتم ہو رہا ہے۔ ایک مرتبہ زینبؑ نے دیکھ کر

سب ہیں، ماتم کر رہے ہیں، رباب ہیں، امِ کلثوم ہیں، رقیہ ہیں سب ہیں بیبیاں مگر سکینہ نہیں دکھائی دے رہی ہے' اری میری بچی کدھر گئی۔ میری بچی کہاں چلی گئی۔ جب بیبیوں کی صف سے ہٹ کر دیکھا تو دیکھا کہ دور کھڑی ہے بچی۔ وہ جو ایک سکتے کا عالم ہو جاتا ہو نا؟ جہاں آدمی کی جان چلی جاتی ہے دیکھا وہ کیفیت ہے آنکھوں میں آنسو نہیں ہیں چہرہ زرد سانس رک رہی ہے۔ تو زینبؑ نے کہا کہ یہ بچی رو لے، آنکھ سے آنسو بہہ لیں، کم سے کم سکتے کی کیفیت تو ٹوٹے گی۔ ہاتھ پکڑا سکینہ کا، کہا آ بیٹی میرے ساتھ آ، اپنی ماں کے ساتھ مل کر اپنے بابا کا ماتم کر۔ آمیری بچی آ اپنے بابا کو رو لے۔ ماتم کر لے۔ بازو پکڑے ہوئے بچی کا جب سکینہ گھوڑے کے قریب آئیں تو روایت بتاتی ہے کہ ایک مرتبہ بچی نے زینبؑ سے اپنا بازو چھڑایا۔ گھوڑا سر جھکائے ہوئے کھڑا ہوا تھا۔ گھوڑے کے پاس آئیں اور آنے کے بعد گھوڑے کے گلے میں باہیں ڈالیں اور ڈالنے کے بعد کہا کہ میرے باپ کے اسپ باوفا، مجھے بس اتنا بتا دے کہ جب میرا بابا ذبح کیا جا رہا تھا، تو کسی ذبح کرنے سے پہلے پانی بھی دے دیا تھا کہ نہیں دیا تھا۔ ع۔ ادا ردل' بے کس جانور کیا جواب دیتا۔ سکینہؑ کی فریاد کا جواب یہ دیا کہ زمین پر گرا اور تڑپ تڑپ کر جان دے دی۔ وامحمداہ واعلیاہ واحسیناہ۔۔۔

———تمام شد———

دسویں مجلس شامِ غریباں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

و بشر الصابرین الذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للہ و انا الیہ راجعون۔

شامِ غریباں کی اس مجلس میں آنے والے بھائیو اور بہنو، آپ سب دس روز سے بہت زیادہ تھک رہے ہیں۔ اور آج تو تھکن کی حد ہو گئی کل رات سے آپ مسلسل جاگ رہے ہیں۔ ایک امام باڑے سے دوسرے امام باڑے میں، دوسرے امام بارگاہ سے تیسری امام بارگاہ میں پوری رات آپ نے جاگتے ہوئے گزاری اور آج پورا دن آپ سخت دھوپ میں اور گرمی میں جلوس میں شریک رہے اور میں دیکھ رہا تھا کہ بچے بھی تھے اور بوڑھے بھی تھے، جوان بھی تھے، مرد بھی تھے اور عورتیں بھی تھیں، سب تھے۔ آپ بہت تھکے ہوئے ہیں لیکن اس وقت میں آپ سے بات کرنا نہیں چاہتا بلکہ میں ان بیبیوں سے بات کرنا چاہتا ہوں کہ جب میں آ رہا تھا تو میں نے دیکھا کہ سڑک کے دونوں طرف وہ سب زمین پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ میں بیبیوں سے صرف اس لئے بات کرنا چاہتا ہوں، کربلا کے میدان میں کوئی مرد اب نہیں رہ گیا۔ اب صرف بیبیاں ہیں کہ جو زمین کربلا پر بیٹھی ہوئی ہیں۔

بس عزادارانِ حسینؑ آج دوپہر کو جب میں جلوس میں بندر روڈ پر کھڑا ہوا تھا تو ایک منظر میں نے یہ دیکھا کہ ایک پیارا پیارا بچہ تھا سات آٹھ سال کا، گرمی کی شدت سے وہ چکرانے لگا اور چکرا کر زمین پر بیٹھ گیا تو اس نے اپنے باپ سے فوراً پانی مانگا اور باپ بچے کی پانی کی آواز پر اتنا بے چین ہوا کہ وہ دوڑتا ہوا گیا اور سبیل سے پانی لایا اور لانے کے بعد اپنے بچے کو پلا دیا۔ میں کہتا ہوں یہ کراچی ہے جہاں بچے کو پانی پلا دیا جائے اور سکینہ

جب چلتے وقت حسینؑ سے کہیں کہ بابا پیاسی ہوں تو حسینؑ کہاں سے پانی لے کر آئیں۔

عزادارانِ حسینؑ۔ اس سال محرم میں مجھ سے ایک تقصیر ہو گئی، قصور ہو گیا۔ ایک گناہ ہو گیا اس کی معذرت چاہتا ہوں اس لئے کہ میں اس سال کی مجالس میں سب کا ذِکر کر سکا لیکن اپنے آقا امام حسینؑ کے غلام جونؑ کا ذکر نہیں کر سکا، مجھے خیال ہوتا ہے کہ جون کی روح مجھ سے کہہ رہی ہوگی کہ آقاؤں کے ذکر میں غلاموں کا ذکر ہوتا ہی کب ہے۔ جہاں علی اکبرؑ کا ذکر ہو رہا ہو، جہاں عباسؑ کا ذِکر ہو رہا ہو وہاں ایک غلام ذکر کرنے کے لائق کہاں ہے؟ لیکن میں کہتا ہوں کہ اے جونؑ تو حسینؑ کا غلام ہے لیکن میرے آباء و اجداد کا آقا ہے۔ مجتہدینِ وقت کا آقا ہے، علمائے کرام کا آقا ہے۔

بس عزادارانِ حسینؑ یہ جونؑ آیا امام کی خدمت میں اور آنے کے بعد اِذنِ جہاد مانگا۔ امام اِذنِ جہاد نہیں دے رہے ہیں لیکن اس نے کہا کہ مولا میرا رنگ سیاہ ہے، غلام ہوں میں حبش کا رہنے والا ہوں میرے جسم سے بوئے بد آتی ہے، آپ نہیں چاہتے کہ میرا خون آپ کے پاک خون میں ملے تو مولا میں طے کر کے آیا ہوں کہ آج یہ خون آپ کے خون میں ملا کر رہوں گا۔ بس یہ گفتگو ایسی تھی کہ حسینؑ چپ ہو گئے۔ عزاداروں زیادہ زحمت دینا نہیں ہے۔ جونؑ غلام کربلا کے میدان میں آیا اور آنے کے بعد لڑ کر زمین پر گرا میں نے روایت میں جو فقرے دیکھے ہیں وہ عرض کر رہا ہوں آپ کے سامنے کہ حسینؑ سرہانے پہنچ گئے، سر انہوں نے غلام کا اپنے زانو پر رکھ لیا، جیب سے رومال نکالا، چہرے سے خاک و خون کو پوچھنا شروع کیا، اپنا رخسار جونؑ کے رخسار پر رکھا۔ میں کہتا ہوں جون یہ تیرا مقدر ہے کہ وقتِ آخر تیرا سر حسینؑ کی گود میں ہے، حسینؑ اپنے رومال سے تیرے رخسار کو پاک کر رہے ہیں، حسینؑ اپنا رخسار تیرے رخسار پر رکھ رہے ہیں۔ حسینؑ نے تیرا سر کٹنے نہیں دیا، لیکن آ کے ذرا عصرِ عاشور کے وقت اپنے مولا کا منظر دیکھ، نہ کوئی سر زانو پر رکھنے والا ہے، نہ کوئی خاک و خون کو پاک کرنے والا ہے، نہ کوئی سر کو کٹنے سے بچانے والا ہے، بس ....!

عزادارانِ حسینؑ حسینؑ رخصت آخر کے بعد میدان کربلا میں آگئے اور ساری بیبیاں ایک بڑے خیمے میں جمع ہوگئیں۔ مختلف مقاتل و کتب کا آج میں نے مطالعہ کیا ہے اس سے ملا کے یہ روایت آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں کہ ایک مرتبہ سکینہؑ نے تڑپ تڑپ کر یہ کہنا شروع کیا: کوئی مجھے میرے بابا کی خبر لا کر دے دے، کوئی مجھے بتا دے کہ میرے بابا پر کیا گزر رہی ہے، میرا چچا عباسؑ ہوتا تو میں اس سے کہتی، میرا بھیا علی اکبرؑ ہوتا تو میں اس سے کہتی، میرا بھیا قاسمؑ ہوتا تو میں اس سے کہتی، سب گردنیں کٹائے ہوئے کربلا کے میدان میں آرام کر رہے ہیں، میں کس سے کہوں؟ کوئی تو جائے؟ کوئی تو بتائے کہ میرے بابا پر کیا گزر رہی ہے، روایت بتاتی ہے کہ گیارہ بارہ برس کا ایک بچہ جو پیاس سے نڈھال ہو چکا تھا جس سے چلا نہیں جا رہا تھا، ایک مرتبہ سکینہؑ کی یہ آواز سن کر کھڑا ہو گیا، خیمے کا پردہ اٹھایا میدان کربلا کی طرف چلا۔ آپ نے پہچانا یہ کون بچہ ہے؟ یہ یتیم حسنؑ، عبداللہ ابن حسنؑ: جو جا رہا ہے چچا کی خبر لینے کے لئے۔ آیا چچا کے سرہانے تو دیکھا حسینؑ کا عالم یہ ہے کہ حسینؑ زمین کربلا پر آرام کر رہے ہیں۔ ایک شخص آگے بڑھ رہا ہے جو تلوار کا وار کرنا چاہتا ہے۔ بیٹا کیا کرتا حسنؑ کا، ایک مرتبہ آگے بڑھ کر کہا: کیا تو میرے چچا کو قتل کرنا چاہتا ہے؟ اس شقی نے کچھ نہ سنا ایک مرتبہ تلوار چھوڑی: بچہ کیا کرتا، بچے نے ہاتھ پھیلا دیے دونوں ہاتھ کٹ گئے۔ بچے نے چیخ ماری: چچا جان میری خبر لیجئے، حسینؑ نے غش سے آنکھ کھولی، ابھی حسینؑ بچے کو اپنے سینے سے لگا رہے تھے کہ حرملہ کا تیر اور حسینؑ کی گود میں حسنؑ کا یتیم شہید ہو گیا۔

بس عزادارانِ حسینؑ۔ اب یہ بچہ شہید ہوگا، میرا دل کہتا ہے کہ جس طرح سے، سرکار سیدالشہداء نے حضرت سعیدؓ ابن عبداللہ سے یہ فرمایا تھا کہ جب تک میری نماز نہ ختم ہو جائے تم میرے سامنے کھڑے رہنا، اس لئے جب تک حسینؑ نماز پڑھتے رہے سعیدؓ زخموں سے چور ہو گئے مگر زمین پر گرے نہیں، اور جیسے ہی حسینؑ نے کہا "السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" ویسے ہی سعیدؓ نے کہا کہ السلام علیک یا ابا عبداللہ میں کہتا ہوں شاید اسی طرح حسینؑ نے

اپنے اسپِ باوفا سے بھی یہ کہہ رکھا تھا کہ جب تک میری شہادت کی خبر خیمے تک نہ پہنچا دینا اس وقت دُنیا سے جانا نہیں، اسی لئے روایت بتاتی ہے کہ حسینؑ جب زمین پر تھے اور حسینؑ کے سینے سے خون کا فوّارہ اُبل رہا تھا تو حسینؑ کے اسپِ باوفا نے اپنا چہرہ خون سے رنگین کیا، دوڑتا ہوا خیمہ گاہ تک چلا، کل یہ روایت خالق دینا ہال کی مجلس میں پڑھ چکا ہوں دُہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ بس اتنا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ سکینہ گلے میں باہیں ڈالے ہوئے کہہ رہی تھی کہ میرے باپ کے اسپِ باوفا اتنا بتادے کہ وقت آخر میرے بابا کو پانی مل گیا تھا کہ نہیں ملا تھا؟ عزادارانِ حسینؑ جس وقت حسینؑ روانہ ہو رہے تھے تو سکینہؑ فریاد کر رہی تھی کہ اے بابا مجھے پانی پلاتے جائیے، پانی پلاتے جائیے، لیکن جب گھوڑا آیا ہے تو اپنی پیاس بھول چکیں، اپنے بابا کی پیاس کے بارے میں سوال کر رہی ہیں، اور جیسا کہ کل میں نے آپ کے سامنے عرض کیا کہ یہ روایت بتاتی ہے کہ وہ بے کس جانور کیا جواب دیتا، ایک مرتبہ زمین پر گرا اور جان دے دی۔ عزادارو ں ایک روایت عرض کرنا چاہتا ہوں آپ کے سامنے کہ یہ گھوڑا زمین پر اس وقت گرا کہ جب سکینہؑ اپنی باہیں گھوڑے کی گردن میں ڈالے ہوئے تھیں۔ تو میرا دل کہتا ہے کہ جب گھوڑا زمین کے اُوپر گرا ہوگا تو سکینہؑ کا رُخسار ذوالجناح کے رُخسارے کے اوپر رکھا ہوگا، بچّی فریاد کر رہی ہوگی کہ میرے باپ کے اسپِ باوفا تو بھی ہمارا ساتھ چھوڑ کر چلا گیا۔

بس عزادارانِ حسینؑ اس کے بعد خیموں سے دھواں بلند ہونا شروع ہوا، وہ حسینؑ کی منزل تھی کہ جہاں علی اکبرؑ آرہے تھے کہ بابا مجھے مرنے کی اجازت دیجئے۔ جہاں قاسمؑ آرہے تھے کہ چچا مجھے اجازت دیجئے، جہاں عباسؑ آرہے تھے کہ بھائی مجھے شہید ہونے کی اجازت دیجئے۔ اور اب یہ زین العابدینؑ کی منزل ہے جو حسینؑ سے زیادہ دُشوار ہے، اس لئے کہ یہاں کوئی مرنے کی اجازت لینے کے لئے نہیں آرہا ہے، زینبؑ آرہی ہیں کہ ہمیں گھر سے نکلنے کی اجازت دو اِمامِ وقت، بیٹا تم امامِ وقت ہو گھر جل رہا ہے، کہو تو گھر کے اندر جل کر مرجائیں اور کہو تو خیمہ کے باہر نکلیں، امام نے فرمایا کہ یہ وقت خیمے کے اندر بیٹھنے کا نہیں ہے باہر

تشریف لے چلئے، شاہزادیاں نکلیں وامحمدا، واعلیا کے نعرے بلند کرتی ہوئی، اتنے میں اشقیاء دراتہ گھسنا شروع ہو گئے۔ عزادارانِ حسینؑ ہر بات کو آپ روایت میں نہ دیکھا کریں، میں عرض کرنا چاہتا ہوں آپ کے سامنے روایت میں تو جملہ نہیں ہے لیکن میرا یقین ہے کہ جس وقت اشقیاء خیموں کو لوٹنے کے لئے دررانہ گھسے ہیں تو آپ نے علمائے کرام سے سماعت فرمایا ہو گا کہ بہت سے معصوم بچے جو گھوڑوں کی ٹاپوں سے کچل کچل کر شہید ہو گئے۔ جو گھوڑوں کی ٹاپوں سے کچل کچل کر مر گئے میرے عزیزو! آنا بتاؤ کہ جن ظالموں کو ان معصوم بچوں پر ترس نہ آیا ہو گا۔ کیا خیمہ سید الشہداء کے سامنے پڑی ہوئی شہداء کی لاشوں کا انہوں نے لحاظ کیا ہو گا، کیا یہ لاشیں پامال نہ ہو گئی ہوں گی۔ ارے کبھی اُمِ لیلیٰ کی فریاد کی آواز آتی ہو گی کہ میرا بچہ پامال ہوا جاتا ہے، کبھی اُمِ فروہ کی آواز آتی ہو گی کہ میرا قاسم پامال ہوا جاتا ہے، عزادارانِ حسینؑ، یہ سارے منظر ختم ہوئے اور دنیا میں شامِ غریباں کی سیاہی پھیل گئی۔ میں نے روایت میں دیکھا ہے کہ ایک مرتبہ زینبؑ و اُمِ کلثومؑ نے آپس میں گفتگو کی اور اس کے بعد فرمایا کہ ہم دونوں علیؑ کی بیٹیاں ہیں، ہم دونوں فاطمہؑ زہرا کی بیٹیاں ہیں۔ اے اُمِ کلثوم ایک تلوار تم اُٹھا لو، ایک تلوار میں اُٹھائے لیتی ہوں بچے بے ہوش ہو گئے ہیں یا سو گئے ہیں، ان کے ایک طرف تم بیٹھ جاؤ، دوسری طرف میں بیٹھ جاؤں اگر کوئی حملہ کرنے کی غرض سے آئے تو تم کہو، میں فاطمہ کی بیٹی اُمِ کلثوم ہوں، میں کہوں کہ میں علیؑ کی بیٹی زینبؑ ہوں، ہم کسی کو بچوں کو چھونے نہ دیں گے۔ ابھی یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ ایک مرتبہ زینبؑ نے محسوس کیا کہ کوئی سوار چلا آرہا ہے، ایک مرتبہ شاہزادی اٹھیں آگے بڑھنے کے بعد کہا کیا ہم بھاگ جائیں گے، ہم بھاگ نہ جائیں گے، ابھی صبح ہونے والی ہے، اگر تیرا لوٹنے کا ارادہ ہے تو ہم کو صبح لوٹ لینا، اس وقت یہ معصوم اور یتیم بچے کچھ سو گئے ہیں، کچھ بے ہوش ہو گئے ہیں، اس سوار نے کچھ نہ سنا آگے بڑھتا چلا آرہا ہے، ایک مرتبہ علیؑ کی بیٹی کو جلال آیا، آگے بڑھنے کے بعد لگامِ فرس پر ہاتھ ڈالا اور کہا میں بار بار روک رہی ہوں مگر تیرے قدم نہیں رکتے۔ بس ایک مرتبہ اس سوار نے نقاب اُلٹ کر کہا، زینبؑ تو نے مجھے نہیں پہچانا میں تیرا باپ علیؑ مرتضیٰ ہوں۔ ایک مرتبہ

بیٹی آگے بڑھ کر باپ کے قدموں سے لپٹی، بابا اب آپ آئے ہیں، اس وقت کہاں تھے جب علی اکبر کے نیزہ لگا تھا، اس وقت کہاں تھے جب عباسؑ کے شانے قلم ہو رہے تھے، بابا اس وقت کہاں تھے جب ایک یتیم کی لاش پامال ہو رہی تھی، بابا اس وقت آپ کہاں تھے جب حسینؑ کی لاش پر گھوڑے دوڑ رہے تھے، جب خیموں میں آگ لگ رہی تھی، جب بچے طمانچے کھا رہے تھے۔

بس عزادارانِ حسینؑ۔ تقریر کے آخری حصہ میں داخل ہو رہا ہوں، شاہزادی واپس آئی۔ ایک مرتبہ دیکھا کہ کچھ روشنی چلی آ رہی ہے، کچھ روایتیں بتاتی ہیں کہ شاہزادی کو فکر ہوئی اب یہ کون ہے؟ آگے بڑھیں اور آگے بڑھ کے پوچھا، اے آنے والے تو کون ہے؟ تو آواز آئی بی بی گھبرایئے نہیں، میں آپ کے فدائی حُرؑ کی زوجہ ہوں، یتیم بچوں کے لئے، بے کس بچوں کے لئے، بھوکے بچوں کے لئے، پیاسے بچوں کے لئے۔ بے کس سیدانیوں کے لئے، مجھے موقع مل گیا ہے تو تھوڑا سا کھانا اور پانی لے کر آئی ہوں۔ عزادارانِ حسینؑ، وہ بیبیاں کہ جو باہر بیٹھی ہوئی ہیں اپنی گودیوں میں معصوم بچے لئے ہوئے ہیں میں ان سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں کہ اگر اُن کا بچہ پیاس سے تڑپ رہا ہو اور کوئی پانی لے کر آئے تو ماں پانی پیئے گی یا بچے کی پیاس کا لحاظ رکھے گی۔ عزادارو۔ انصاف سے بتاؤ کہ جب وہ پانی اُمِ لیلیٰ کے سامنے آیا ہوگا تو کیسا اُمِ لیلیٰ نے وہ پانی منھ سے لگایا ہوگا، ہائے میرا بیٹا پیاسا شہید ہو گیا میں کیسے پانی پیوں؟ ایسے جب اُمِ فروہ کے سامنے وہ پانی آیا ہوگا تو اُمِ فروہ نے کیا وہ پانی منھ سے لگایا ہوگا۔ کیا پیاسا قاسمؑ یاد نہ آیا ہوگا۔ جب زینبؑ کے سامنے پانی آیا ہوگا تو حسینؑ کی فریاد یاد نہ آئی ہوگی ارے مجھے تھوڑا سا پانی پلا دو میری زبان میں کانٹے پڑ چکے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ بیبیاں، ہرگز پانی پینے کے لئے تیار نہ ہوں گی، میں نے روایت میں نہیں دیکھا لیکن میرا دل کہتا ہے کہ جس طرح سے امام زین العابدینؑ نے فرمایا تھا کہ پھوپھی میں امامِ وقت کی حیثیت سے حکم دیتا ہوں کہ آپ خیمے کے باہر نکل جایئے، شائد اسی طرح سے کہا ہو کہ اے پھوپھی میں امامِ وقت کی حیثیت

سے حکم دیتا ہوں کہ پانی پی لیجئے تاکہ ہلاک نہ ہونے پائیں۔ بس عزادارو روایت سنو، ایک مرتبہ زینبؑ نے ایک جام آب لیا اور سب سے پہلے سکینہؑ کے پاس آئیں جو بے ہوشی کے عالم میں پڑی ہوئی تھیں، شانہ ہلایا سکینہؑ اٹھو، سکینہ اٹھو، میری بچی اٹھو، لیکن سکینہؑ پر غش کا عالم اتنا طاری تھا کہ بچی کی آنکھ نہ کھلتی تھی، ایک مرتبہ زینبؑ نے تھوڑا سا پانی لے کر سکینہ کے منھ پر جب چھینٹا دیا تو سکینہ کی غش سے آنکھ کھلی۔ کہا، میرے چچا آپ آگئے، میرے چچا اب آپ آئے ہیں جب میرا بابا شہید ہوگیا، میرے چچا اب آپ آئے ہیں جب میرا بھیا پیاسا شہید ہوگیا۔ عزادارو، روایت بتاتی ہے کہ سکینہ نے جام آب ہاتھ میں لیا، ایک مرتبہ خیمے کے پشت پر چلیں اُدھر جہاں ایک ننھی سی قبر بنی ہوئی تھی۔ جام آب لے کر آئیں اور قبر کے سرہانے بیٹھیں، بھیا اٹھو پانی آگیا ہے، بھیا اٹھو پانی آگیا ہے، یا حسینؑ یا حسینؑ یا حسینؑ۔"

تمام شد

شکریہ سید احمد علی صاحب

التماس سورہ فاتحہ برائے تمام مرحومین

۱] شیخ صدوقؒ
۲] علامہ مجلسیؒ
۳] علامہ سا ظہیر حسین
۴] علامہ سید علی نقیؒ
۵] بیگم و سید عابد علی رضوی
۶) بیگم و سید احمد علی رضوی
۷) بیگم و سید رضا امجد
۸) بیگم و سید علی حیدر رضوی
۹) بیگم و سید سبط حسن
۱۰) بیگم و سید مردان حسین جعفری
۱۱) بیگم و سید جبار حسین
۱۲) بیگم و مرزا توحید علی

۱۳) سید حسین عباس فرحت
۱۴) بیگم و سید جعفر علی رضوی
۱۵) سید انعام حسین زیدی
۱۶) سیدہ ہما زہرہ
۱۷) سیدہ رضویہ خاتون
۱۸) سید نجم الحسن
۱۹) سید مبارک رضا
۲۰) سید تہنیت حیدر نقوی
۲۱) بیگم و مرزا احمد ہاشم
۲۲) سید باقر علی رضوی
۲۳) بیگم و سید باسط حسین
۲۴) سید عرفان حیدر رضوی

۲۵) بیگم و اخلاق حسین
۲۶) سید ممتاز حسین
۲۷) بیگم و سید اختر عباس
۲۸) سید محمد علی
۲۹) سیدہ رضیہ سلطان
۳۰) سید مظفر حسنین
۳۱) سید باسط حسین نقوی
۳۲) غلام محی الدین
۳۳) سید ناصر علی زیدی
۳۴) سید وزیر حیدر زیدی
۳۵) ریاض الحق
۳۶) خورشید بیگم